خلیفۃ الزاہد

حضرت عمر بن عبدالعزیز

علامہ عبدالعزیز سید الاہل

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

خَلیفۃُ الزاہِد

حضرت عمر بن عبد العزیز

تاریخ اسلام کی وہ عظیم المرتبت شخصیت جس نے اسلام کی مثالی معاشی نظام کو عملی طور پر نافذ کرکے ثابت کر دیا کہ یہ خدائی نظام ہر دور کے سیاسی اور اقتصادی مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے

جس کے حسن سلوک نے غیر مسلموں کے دل موہ لئے اور لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں شامل ہوگئے جس نے اسلامی سلطنت کی حدود کو حیرت انگیز وسعت بخشی جس نے اقتدار کو اللہ کی امانت سمجھا اور درویشی میں سلطانی کی

مُصنّفہ: عبد العزیز سید الاہل

ترجمہ: مولانا راغب رحمانی

ناشر: نفیس اکیڈمی اردو بازار۔ کراچی

نام کتاب : ـــــــــــ خلیفہ زاہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
تالیف : ـــــــــــ عبدالعزیز سید الاہل
ترجمہ : ـــــــــــ مولانا راغب رحمانی
ناشر : ـــــــــــ نفیس اکیڈمی۔ کراچی
طبع : ـــــــــــ ۱۹۸۹ء
ایڈیشن : ـــــــــــ آفسٹ
ضخامت : ـــــــــــ ۳۰۴ صفحات
ٹیلیفون : ـــــــــــ ۲۱۳۳۰۳

مطبوعہ۔ احمد برادرز پرنٹرز۔ کراچی

تاریخ کی عظیم شخصیت

اجتماعی زندگی کو پر امن و پر سکون گذارنے کے لئے جس طرح مذہب کی ضرورت ہے اسی طرح ایک ایسی طاقت کی بھی ضرورت ہے جو لوگوں کو ظلم و تشدد سے روک دے، ظالموں کو قرار واقعی سزا دے، مظلوموں کے حقوق دلوائے، قانون کی بالادستی قائم رکھے اور لاقانونیت نہ پھیلنے دے۔ اسی طاقت کو ہم حکومت سے تعبیر کرتے ہیں اور جس میں یہ طاقت ہو اسے خلیفہ بادشاہ یا سلطان کہا جاتا ہے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ خلیفہ اللہ کا قانون نافذ کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے رسولؐ کا جانشین ہوتا ہے۔ اور بادشاہ اپنا قانون چلاتا ہے خواہ اس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہو یا نقصان! خلیفہ انتہائی عادل اور بے غرض مخلص اور قوم کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ لیکن بادشاہ ظالم بے ایمان اور خود غرض ہوا کرتا ہے۔ اور اس کو قوم کی خیر خواہی سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اس کی تو محض یہ غرض ہوتی ہے کہ اپنی تجوریاں بھرلے خواہ ملک و قوم برباد ہو جائے۔ اسی لیے بادشاہ اللہ کا قہر ہوتا ہے اور خلیفہ اللہ کا رحم ہوتا ہے۔ خلیفہ کو اگر ایک عورت بھی حق پر نہ دیکھے تو آواز اٹھا سکتی ہے لیکن بادشاہ کے خلاف لب ہلانا سخت جرم ہوتا ہے اور اس پر کفن بردوش انسان ہی تنقید کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں خلیفہ اور بادشاہ میں اور بھی امتیازی چیزیں ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

ممتاز خلفاء چند ہی گذرے ہیں۔ جن کے نام اور کارنامے بڑی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان خلفاء میں عمرینؓ[1] چوٹی کے خلیفہ گذرے ہیں۔ ان کی فتوحات سے روز بروز اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا اور ان کے اخلاق و عادات سے لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہو رہے تھے۔ اگر ایک طرف مادی فتوحات میں اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف لوگوں کے دل بھی مٹھی میں آتے جا رہے تھے۔ اور لوگ خوشی خوشی اسلام قبول کر رہے تھے۔

بنی امیہ کا عہد فتنہ بداماں نظر آتا ہے مگر ان میں ایک خلیفہ ایسا گذرا ہے جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی اور ایسے تدبر اور تدبیر سے لوگوں میں اپنی خلافت کے ڈھائی سال گذار دئے۔ کہ آج تک اپنے اور پرائے اسی کا دم بھرتے ہیں اور اسی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اگر عمر بن عبدالعزیز

---

[1] : عمرین۔ دو عمر یعنی عمر بن الخطابؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

کو خلافت سے اور چند سال مل جاتے تو یقیناً آپ بنی امیہ کے زمانے کی تمام خرابیاں دور کر کے ہی دم لیتے۔ لیکن اس ڈھائی سالہ حکومت میں بھی وہ عظیم واہم اصلاحات فرما گئے کہ دوسرے طویل عرصہ میں بھی انہیں انجام دینے سے قاصر رہے۔

اس نیک مبارک اور صالح خلیفہ کی سوانح عمری پیش خدمت ہے جو عصر حاضر کے مشہور و معروف صاحب قلم اور محقق عالم عبدالعزیز سید الاہل کی تصنیف ہے۔ علامہ عبدالعزیز سید الاہل نے تاریخ اسلام اور دوسرے علمی موضوعات پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان کی تمام تصانیف مقبول و معروف ہیں۔ یہ مقبول مصنفین میں بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے لکھنے کا انداز بہت ہی پُر اثر اور پسندیدہ ہے اس پر مزید یہ کہ انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حوالہ بھی درج ہے اور سب کچھ مستند کتابوں ہی سے لے کر لکھا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز جو اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف کی وجہ سے عمر ثانی اور خلیفہ راشد شمار کیے جاتے ہیں۔ کون تھے؟ انہوں نے کس طرح زندگی بسر کی، ان کی سیرت میں کیا کیا تابناکیاں تھیں ان ساری باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ وہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالعزیز خلیفہ مروان اوّل کے فرزند اور امیر المومنین عبدالملک کے بھائی تھے۔ ان کی والدہ بی بی امّ عاصم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف چالیس سال عمر پائی۔ ان کی وفات رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی اس تھوڑی سی عمر میں وہ گورنر بھی رہے اور وزیر و مشیر خلیفہ بھی۔ آخر عمر میں وہ صرف ڈھائی سال کے لئے خلیفہ ہو گئے۔ ان کی سیرت ان تمام حالتوں میں ایک مومن کامل اور ایک عادل متقی کی سیرت رہی وہ اپنی ڈھائی سالہ خلافت میں زہد و اتقا اور عدل و انصاف کے اس معیار پر قائم رہے جو ان کے نانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی سیرت و کردار سے مقرر کیا تھا۔ اس حد تک کہ تاریخ کی زبان نے انکو عمر ثانی کا لقب دیا

اس دنیا میں ہزاروں صاحب اقتدار گذرے ہیں۔ اب بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے لیکن یہ مقام بلند سب کو کہاں ملتا ہے کہ موت کے سینکڑوں سال بعد بھی جو اس کا نام لے اللہ سے اس کے لیے رحمت کی دعا بھی کرے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ — حق تعالیٰ شانہ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی کہ ہم اس علمی کساد بازاری کے زمانے میں ایسے ایسے علمی خزانے اہل ذوق کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں اور جو علمی حلقوں میں مقبول ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ سے ناظرین کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دیباچہ

از عبدالعزیز سید الاہل

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تاریخ مشہور و معروف ہے۔ اور آپ کے جلیل القدر کارنامے اور عظیم الشان کردار کے نشانات لوگوں کے دلوں میں اس طرح کندہ ہیں جیسے سنگِ میل قائم ہو کر مسافت بتاتے ہیں اور منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

آپ کا اپنے مسلک و عدالت کی وجہ سے تاریخ میں بہت بلند مقام ہے جس کو بڑے بڑے مشہور رہنما، فاتح اور سپہ سالار بھی حاصل نہ کر سکے۔ اس لئے آپ کی سیرت کو ہر عالم و شاعر، ہر کاتب و محدث اور ہر قاضی و حاکم غرضیکہ ہر شخص بڑے شوق سے اور انتہائی گہری دلچسپی سے پڑھتا ہے۔ مسلمانوں نے ہر زمانے میں اس کو اسی گہری دلچسپی سے پڑھا ہے اور اسے اپنی زندگیوں کے لئے نمونہ بنایا ہے۔ اس سے پہلے اس نمایاں شان سے صرف آپ کے جدِ امجد (نانا) فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب لوگوں پر خلافت کر گئے۔

سیرت نگاروں نے آپ کی پاکیزہ سیرت پر کتابیں مختصر بھی لکھی ہیں اور مفصل بھی مگر سچ پوچھو تو صرف دو سیرت نگار اس میدان میں گوئے سبقت لے گئے۔ یہ دو قابلِ تعریف مورخ ابن جوزی اور ابن الحکم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے آپ کی حیاتِ طیبہ پر بڑی اچھی اور دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں آپ کی پاکیزہ سیرت کے تمام حالات موجود ہیں۔

ابن الحکیم نے آپ کی سیرت حضرت مالک بن انس کی روایتوں کے مطابق لکھی ہے مگر یہ ابواب پر مرتب نہیں کی گئی۔ مولف موصوف نے آپ کی زندگی کے ہر گوشے پر حدیثیں پیش کی ہیں۔ مگر ابن جوزی نے آپ کی سیرت باقاعدہ ابواب میں مرتب کر کے لکھی ہے۔

قدیم عربی مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اور کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جس میں عمر بن عبدالعزیز کے حیاتِ طیبہ کے اس قدر تفصیل سے واقعات قلمبند کئے گئے ہوں جس قدر ان دو کتابوں میں ہیں لیکن ان دونوں مصنفوں نے قدیم طریقے پر محض خبروں پر ہی قناعت کی ہے اور تنقید، اظہار رائے اور بحث و مباحثہ سے گریز کیا ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ مطالعہ اور تالیف نے ایک نیا ڈھنگ اور جدید اسلوب اختیار کر لیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ سیرت عمر اس ڈھنگ سے مرتب کی جائے کہ ہمارے آج کے نوجوانوں کے خیالات و مذاق کے مطابق ہو اور ان کے ذہن بہ آسانی اسے قبول کر لیں۔

میں نے اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور مذکورہ بالا دونوں کتابوں کا ہر واقعہ اس میں سمو دیا ہے۔ البتہ غیر ضروری واقعات چھوڑ دئے گئے ہیں۔ جن کی چنداں اہمیت نہ تھی۔ اس کتاب میں عمر بن عبدالعزیز کی پوری تاریخ جمع کر دی گئی ہے۔ اور مدت خلافت کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے اور آپ کے لازوال کارنامے تفصیل سے قلمبند کر دئے گئے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت لوگوں کے لئے پرسکون اور پر امن زمانہ ہے اور دلوں کے لئے سکون و اطمینان کا ذریعہ ہے۔ پھر آپ کے بعد ایک زمانہ گذر جاتا ہے لیکن وہ بابرکت زمانہ لوٹ کر نہیں آتا اور نہ ہی لوٹ کر آنے کی امید ہے۔ کیونکہ زمانے نے جس کے اجزا بھی متشابہ ہیں اور گردش بھی اپنے فرزندوں میں عمر بن عبدالعزیز کے مثل کسی کو پیدا نہیں کیا۔ اور اب تو لفظ مدت آپ کے زمانے کے لئے علم کی طرح قرار دے دیا گیا ہے۔ دنیا میں جب کبھی مظالم کے خلاف آوازاور انصاف کے لئے عدالتیں قائم ہوں گی تو ذہن آپ ہی کے انصاف پرور زمانے کی طرف منتقل ہوتا رہے گا۔

آپ کے اس عہد زریں نے لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اور انہیں اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ عہد ولید میں جب چار آدمی ایک جگہ جمع ہوتے تھے تو عمارتوں ہی کا ذکر ہوا کرتا تھا (کیونکہ ولید کو عمارتوں کا شوق تھا) اور سلیمان کے زمانہ میں موضوع بحث طعام و شراب اور لونڈیاں ہوتی تھیں کیونکہ سلیمان انہی کا شوقین تھا۔ لیکن عمرؓ بن عبدالعزیز کے عہد مبارک میں لوگ ایک دوسرے سے پوچھا کرتے تھے کہ آج کی شب بیداری میں تم نے کتنا قرآن پڑھا؟ تم کو کس قدر قرآن حکیم یاد ہے؟ تم مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو؟ سبحان اللہ! اگر اس سانچہ میں امت ڈھل جائے اور اپنے اندر ایسے پاکیزہ اخلاق حمیدہ پیدا کرے تو قدسی صفات اور افضلیت میں ضرب المثل بن جائے۔ واقعی ایسے مزاج کی امت اقوام عالم کی امام و مقتدا بننے کی صلاحیت سے آراستہ ہے۔

آپ کا عہد زریں مختصر ہونے کے باوجود اہل کمال سے بھرپور اور اعمال صالحہ سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ گویا حق تعالیٰ سبحانہٗ نے عمرؓ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی تھی جسے آپ کی صداقت کی دلیل نہ بنایا ہو۔ لوگوں نے آپ سے جو بات سُنی اسی پر آپ کو کاربند پایا۔ کسی کے دل میں یہ تصور

کبھی نہیں آتا تھا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ذرا انتظار کر کے دیکھ لیا جائے کہ اس پر آپ عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ نہ کبھی آپ کی کوئی بات جھوٹی ثابت ہوئی۔ آپ کو قول و عمل کی موافقت سے انسانی تاریخ میں ایک عظیم حصہ ملا تھا اور آپ اس سلسلے میں بڑے خوش نصیب ثابت ہوئے۔

عوام آپ سے بے حد خوش تھے اور آپ کی تعریف میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ امام باقرؒ فرماتے ہیں۔ ہر قوم میں شرفا ہوتے ہیں۔ بنو امیہ میں عمرؓ بن عبدالعزیز تنہا مجموعہ شرفا ہیں۔ آپ قیامت کے دن تن تنہا ایک قوم بن کر اٹھیں گے۔

جناب فاطمہؓ بنت حسین فرماتی ہیں۔ "اگر ہمارے لئے عمرؓ بن عبدالعزیز ہی باقی رہتے تو پھر ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔" آپ کے بارے میں حسن بصری، امام احمد بن حنبل اور اکثر اکابر و اعلام کی رائے ہے کہ آپ مجسمہ شرف و افتخار اور سراپا لطف و کرم تھے۔ امتِ محمدیہ کو شاذ و نادر ہی ایسی جامع کمالات شخصیتیں نصیب ہوئی ہیں۔

دیکھئے اس نیک خلیفہ کا جو نام لیتا ہے وہی اس کے لئے رحمت کی دعا کرتا ہے چنانچہ رحمۃ اللہ آپ کے اسم گرامی کا ایک لازمی جزو بن گیا ہے۔ قارئین کرام کو یہ واقعہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ ہشام بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں ہشام کے پاس ایک شخص آ کر عرض کرتا ہے۔ "امیر المومنین! عبدالملک نے میرے دادا کو ایک جائداد دی تھی جسے ولید اور سلیمان نے بحال رکھا۔ حتیٰ کہ جب عمرؓ (رحمہ اللہ) خلیفہ بنا دئے گئے تو انہوں نے ہم سے وہ جائداد چھین لی۔ ہشام حکم کرتے ہیں کہ پچھلا جملہ پھر دہراؤ۔ بولا۔ حتیٰ کہ جب عمر (رحمہ اللہ) خلیفہ بنا دئے گئے تو انہوں نے ہم سے وہ جائداد چھین لی۔ یعنی وہ شخص چھیننے والے کے لئے دعائے رحمت کرتا ہے۔ مگر دینے والے کے لئے اور اسے بحال رکھنے والے کے لئے دعائے رحمت نہیں کرتا۔ ہشام کہتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے تم دینے والے کے لئے اور بحال رکھنے والوں کے لئے دعائے ترحم نہیں کرتے اور چھیننے والے کے لئے دعائے ترحم کرتے ہو۔ جو کچھ عمر رحمہ اللہ نے فرمایا وہی ہمارا حکم ہے۔

ہم بھی آپ پر رحم کی دعا کرنے کے سلسلے میں رحم کی دعائیں کرنے والوں کے زمرے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور آپ کی پاکیزہ سیرت پر ایک مفصل کتاب لکھتے ہیں جس میں ان تمام باتوں کو پیش کرتے ہیں جو آپ کی سیرت کے بارے میں مورخین نے لکھی ہیں۔ اور حتیٰ المقدور ان پر تنقید بھی کی جائے گی اور جو واقعات اوراقِ تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں ان سب کو ہم ایک کتاب میں جمع کر دیں گے۔ شاید اس طرح ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں

جو آپ کے حق میں مغفرت کی دعائیں کرنے والے ہیں۔

میں نے یہ کتاب آٹھ ابواب پر مرتب کی ہے اور ہر باب میں فصلیں ہیں۔ اس میں آپ کا نسب، مدینہ پر حکمرانی کا اور سویداء میں گوشہ نشینی کا ذکر ہے۔ پھر میں نے آپ کی خلافت کا اور عہدِ خلافت میں آپ کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے اور آپ کے آدابِ عدالت وسیاست کو فلاحِ عامہ کے کارناموں کو اور عام اصلاح کی دعوتوں کو مفصل طور سے سمجھایا ہے اور یہ کتاب دیرسمعان کے باب پر ختم کر دی ہے۔ جہاں آپ بیمار ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہوئے اور اسی میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

قارئین کرام مطالعہ کے بعد خود اندازہ کرلیں گے کہ میں نے اس کتاب کے تحریر کرنے میں کس قدر محنت کی ہے اور کس قدر وقت صرف کیا ہے۔ اگر آپ کی پاکیزہ سیرت نگاری کے لیے میری ساری عمر بھی وقف ہوتی تو تھوڑی تھی۔

اب میں حق تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ میری اس حقیر کوشش کو قبولیتِ عام کی عزت بخشے۔ حمد و شکر کا اور عبادت واطاعت کا وہی مستحق ہے۔

امام احمدؒ بن حنبل کا ارشاد اگر آپ کسی کے دل میں عمر بن عبدالعزیز کی محبت کا جذبہ موجزن دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ وہ آپ کے اوصافِ حمیدہ کی تشہیر کرتا رہتا ہے تو یقین کر لیجیے کہ اس کا انجام خیر و برکت سے بھرپور ہے۔

(امام احمدؒ بن حنبل)

فہرست مضامین

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز

سیرت عمر بن عبدالعزیز

مولانا راغب رحمانی

تاریخ ایک عظیم واہم فن ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے اکابر و اسلاف کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں اپنے قومی، ملی، معاشی، اقتصادی، سیاسی زندگی کا اور تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کا علم ہوتا ہے اسی سے ہم قوموں میں اپنا مقام و امتیاز ڈھونڈ لیتے ہیں اور بجا طور پر اپنے گذشتہ شاندار کارناموں پر فخر کر سکتے ہیں۔

تاریخی حقائق پر پردہ

دنیا میں ہر قوم کی تاریخ ہے، ہر حکومت کی تاریخ ہے، ہر نبی کی تاریخ ہے۔ اور ہر ممتاز شخصیت کی تاریخ ہے۔ لیکن ان میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے اور اس فنی جھوٹ کو اس قدر استعمال کیا گیا ہے کہ حقائق پر بالکل پردہ پڑ گیا ہے۔ اور اس آئینہ میں صحیح حقائق قطعی نظر نہیں آتے۔ بلکہ ہر شخص نے تاریخ کو جو ایک شریف فن تھا اپنی ہوا و ہوس کا شکار بنا لیا ہے۔ اور جس طرح اس کا رجحان ہوتا ہے اسی طرف اسے کھینچ کر لے جاتا ہے اور اسے اس سے ذرا شرم نہیں آتی کہ قبائے تاریخ راہ کے کانٹوں میں الجھ کر پارہ پارہ ہو جائے گی اور کوئی شریف و عاقل شخص ایسی تاریخ کو شرم کی وجہ سے مطالعہ میں بھی نہیں لائے گا۔

قبائے تاریخ اسلام

لیکن اسلامی تاریخ کا دامن ان عیوب سے پاک ہے اور اس کی قبا سفید و شفاف ہے۔ جس کے دامن پر کہیں داغ دھبہ نہیں۔ اور اگر اتفاق سے کہیں چھینٹ پڑ بھی گئی ہے تو اس کے خدام نے اسے مل مل کر دھو دیا ہے۔ اور دھبہ صاف کر دیا ہے۔

اکابر کی سیرت نگاری بھی تاریخ ہی کی ایک نوع ہے

یہ نوع بڑی دلچسپ و پر ذوق ہے کیونکہ اسے پڑھ کر ان کی مقدس زندگیوں کی جھلکیاں سامنے آجاتی ہیں اور انسان کو خود بخود یہ شوق و ذوق و امنگ و تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ وہ بھی ان زندگیوں کے معصوم و مقدس رنگ میں رنگ جائے اور جس طرح انہوں نے مخلصانہ بہبودی عوام کے لئے شاندار اور بڑے بڑے کارنامے انجام

دیئے ہیں اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کی ہیں۔ اسی طرح ہمارے اندر بھی جذبۂ سرگرمیٔ عمل پیدا ہو اور ہماری خدمتیں عوام اور انسانیت کے لیے وقف ہو جائیں اور ان کی طرح مرنے کے بعد ہمارا نام بھی زندہ و پائندہ رہے۔

اکابرین میں کون کون شامل ہیں

اکابرین میں علمائے کرام، خلفائے عظام، صحابہ کرام سلاطین عالم اور اولیاء اللہ شامل ہیں۔ ان حضرات کی سوانح سبق آموز ہوتی ہیں اور انسان کو مہذب و شائستہ اور باوقار و سنجیدہ بناتی ہیں۔

انبیائے کرام کی عصمت

انبیائے کرام تو معصوم ہوتے ہی ہیں اور وہ سراپا خلق و مروت ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نصیب فرماتا ہے اور وہ نیک و مقرب اور دنیا میں سب سے افضل اللہ کے بندے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا منور و درخشاں رہتی ہے اور انسانیت اپنی حدوں سے آگے بڑھنے نہیں پاتی اگر ان کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ شوق لائق صد تعریف ہے اور یہ سعادت مندوں ہی کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ عموماً لوگ گندہ لٹریچر پڑھنے کے عادی ہیں۔ جن سے ان کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں اور وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ مگر افسوس پڑھنے والوں کو بھی شعور نہیں ہوتا کہ ہم نے ان سے کیا لیا اور اپنا کس قدر قیمتی سرمایہ ضائع کیا۔ اس کی تو مثال اس طرح ہے جس طرح ایک بچہ شربت سمجھ کر زہر ہلاہل پی جائے۔ زہر زہر ہی ہے ضرور اثر کرے گا۔ اگر جان بچ بھی گئی تو کئی مہلک امراض اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا۔

قابل مطالعہ سیرتیں

البتہ خلفائے عظام، صحابہ کرام اور اولیائے کرام کی زندگیوں کے حالات کا اور ان کی سیرتوں کا مطالعہ بڑا قیمتی ہے۔ اور پڑھنے والوں کو مالا مال کر دیتا ہے۔ اس داروئے شفا سے برسوں کی بگڑی ہوئی زندگیاں بن جاتی ہیں۔ اور اس بہانے سے لوگوں کو مفت میں روحانی مئے ناب کے جرعے نصیب ہو جاتے ہیں۔ واقعی اس قسم کا لٹریچر پڑھنے کے قابل ہے۔ اس سے دو فائدے مرتب ہوتے ہیں قیمتی زندگی ملتی ہے اور وقت ضائع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر تھوڑا سا وقت صرف کر کے کسی کو روحانی تندرستی مل جائے تو مثل مشہور ہے "جان بچی لاکھوں پائے" اس سے زیادہ اور کیا فائدہ مرتب ہو گا؟ انسان زندگی ہی کے لیے سب کچھ کرتا ہے اور جسمانی زندگی روحانی زندگی کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اگر روح کو تسکین نصیب ہو جائے تو سب کچھ مل گیا۔ اگرچہ جسم زندگی بھر لاگنا ہوں

پر لوٹتا رہا اور اُسے ایک سیکنڈ کے لئے بھی راحت نصیب نہیں ہوئی۔

خلفائے راشدین خلفائے عظام میں وہ خلفا شامل ہیں جن کو دنیا خلفائے راشدین کے نام سے پکارتی ہے۔ جیسے انبیائے کرام میں الوالعزم پیغمبروں کا درجہ ہے۔ اسی طرح خلفائے میں خلفائے راشدین کا درجہ ہے۔

خلافتِ راشدہ کی ترتیب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کے بعد اسلامی خلافت کی باگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ کے اشارے سے پکڑا دی گئی۔ آپؓ کی خلافت کی تھوڑی سی مدت ہے۔ اس قلیل مدت میں آپ نے سرفروشانہ زندگی کی سرگرمیاں دکھائیں اور اسلام کو جس کے پیر لڑکھڑانے لگے تھے خوب مضبوط و مستحکم بنا دیا اور ابھرتے ہوئے فتنوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ پھر مسلمانوں کی قیادت فاروقِ اعظم نے سنبھالی۔ اس اللہ والے مخلص رہنما کے نصیبے کی بلندی ملاحظہ ہو کہ اونٹ چراتے چراتے انسانوں کا چرواہا بن گیا۔ اور اس قدر جوش تیزی، سرگرمی، دوڑ دھوپ اور جدوجہد سے کارنامے انجام دئے کہ گلستانِ اسلام خوب پھلنے پھولنے لگا اور سونے چاندی کا سیلاب اُمنڈ آیا اور دنیائے اسلام راحت و آرام اور خوش حالی و فراغی سے مالا مال ہو گئی۔ حق تعالےٰ شانہٗ نے دس سال خلافت عطا فرما کر آپ سے بہت سی اسلامی خدمات لیں۔ پھر آپ کے حصے میں جامِ شہادت تھا جسے پی کر آپ اپنے اللہ سے جا ملے۔

شہادتِ فاروق سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا شہادت فاروق سے فتنوں کا دروازہ نہ صرف کھلا بلکہ ٹوٹ گیا اور تلوار میان سے کیا نکلی پھر اسے میان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ اسی نہنگ فتنہ کا نوالہ بنے۔ حضرت علیؓ کو اسی فتنے کے اژدہے نے ڈسا۔ امام حسنؓ کو اسی فتنے کے شیر نے لپکا۔ اور امام حسینؓ کو اسی کے درندوں نے میدانِ کربلا میں تہہ تیغ کیا۔

خلافت کی جگہ ملوکیت یہ تھے پانچ خلفائے راشدہ جن کی چکی تیس برس تک چلی اور پھر خلافت کو دھکا دے کر اس کی جگہ ملوکیت آگئی اور بنی امیہ برسرِ اقتدار آگئے انہوں نے دنیا کو جور و تشدد سے بھر دیا۔ دنیائے اسلام جو خلافت راشدہ کے زمانے میں آرام و چین سے تھی بلبلا اُٹھی۔ حکومت اسلامیہ کا گوشہ گوشہ ظلم و ستم کا ایک جیتا جاگتا مرقع بن گیا۔ سنتیں مٹ گئیں اور ان کی جگہ بدعتوں نے لے لی۔ اگر ایک طرف مسلمان چیخ رہے

ہیں تو دوسری طرف ذمی گمراہ رہے ہیں۔ ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا اور جو نسل اس طوفان میں پیدا ہو کر جوان ہوئی اس نے اس بدتمیزی' بے حیائی' جور و تشدد ' ظلم و ستم اور لوگوں کی حق تلفیوں کو اسلام سمجھ لیا۔ گویا اس دور میں اسلام کا مفہوم ہی بدل گیا اور دنیا پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیز

اس بے پناہ اندھیرے میں حق تعالے شانہٗ نے خلفائے بنو امیہ میں ایک جلیل الشان خلیفہ پیدا فرما دیا۔

عمر بن عبد العزیز ملک خلافت پر نمودار ہوئے اور بدر بن کر چمکے۔ اور شہید ہو کر روپوش ہو گئے۔

عمرؒ کی طرف دلی رجحان

اسی اللہ کے نیک بندے کی یہ سیرت ہے جس پر مصنف نے قلم اٹھایا ہے۔ اور یہی سیرت نگار کا موضوع بھی ہے۔ نہ معلوم عمر بن عبد العزیز کی طرف دل کیوں جھکتا ہے؟ اور کیوں ہر شخص کو آپ سے والہانہ محبت ہے؟ اور اس کے دل میں آپ کی بے پناہ عظمت ہے۔ کیا بتاؤں جو صفات عہد خلافت میں آپ کے اندر موجزن تھیں۔ ان میں سے ایک بھی پورے طور پر خلفائے بنو امیہ میں نہیں پائی جائیں۔ عمرین نے اسلام کو چار چاند لگا دیئے اور لوگوں کے دلوں پر اسلام کی عظمت اور اس کی دھاک بٹھا دی۔ یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اول الذکر کو دس سال کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں نور اسلام دنیا کے کونے کونے پر اور چپہ چپہ پر پھیل گیا اور اسلامی تہذیب و تمدن کا خوب بول بالا ہوا۔ اللہ کی بے شمار نعمتوں اور رحمتوں نے دنیائے اسلام کو گھیر لیا اور چہار سو روشنی ہی روشنی نظر آنے لگی۔ لیکن آخر الذکر کو محض ڈھائی سال کا موقع ملا اور اس عظیم شخصیت نے اس قدر قلیل عرصہ میں ایسے ایسے شاندار کارنامے انجام دیئے کہ دنیا خیر و برکات سے بھر گئی۔ جور و تشدد کا نام و نشان نہ رہا۔ رعایا پر امن و پرسکون ہو کر عمرؒ کو دعائیں دینے لگی۔

سیرت عمرؒ کی اہمیت

اس سیرت کی اہمیت کا اندازہ قارئین کرام کو اسی وقت ہو گا۔ جب وہ بار بار غور سے اس کا گہرا مطالعہ فرمائیں گے اور ان پر یہ راز منکشف ہو جائے گا کہ اسلام نے کیسی کیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں جن کے جسم فنا ہو گئے مگر ان کی آواز آج بھی فضا میں اسی طرح گونج رہی ہے جس طرح ان کی زندگی میں گونجا کرتی تھی اہل اسلام ان کی بے مثل شخصیتوں پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔

ترحمات کا ایک رنگین گلدستہ

عمر بن عبدالعزیز کی عظیم شخصیت پر رسمی طور پر رحمۃ اللہ علیہ کہہ دینے سے مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے امت پر بے شمار احسانات ہیں بلکہ ترحمات کا ایک مکمل گلدستہ سجا کر آپ کی روح کو تحفہ کے طور پر بھیجنا ضروری ہے۔ لہٰذا ہم نے رسمی ترحم کے ساتھ ساتھ ترحمات کا ایک گلدستہ تیار کر لیا ہے۔ شاید اس ترحمات کے رنگین گلدستہ سے آپ کی روح کو مسرت ہو اور ہم بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیے جائیں جو عمرؒ کا نام لیتے ہی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے رحمت کے لیے لب ہلاتے اور ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو کروٹ کروٹ فردوس عطا فرمائے اور ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی اسلامی زندگی اختیار کریں اور اسلام کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

اسلامی زندگی ڈھونڈے نہیں ملتی

آج کل اسلامی زندگی مفقود ہے بلکہ ہر شخص کی خواہش ہی اس کا معبود ہے اسلامی سیرت وصورت کو آنکھیں ترستی ہیں اور ناامید ہو کر ساون بھادوں کی بارش کی طرح برستی ہیں کہاں ہے وہ صالح معاشرہ جس کی رگ رگ میں اسلامی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور جس کا ہر قدم اسلامی قدم ہوتا تھا۔ دن بھی اسلامی تھے اور راتیں بھی۔ صبح بھی اسلامی تھی اور شام بھی، بیداری بھی اسلامی تھی اور خواب بھی۔ آہ! اب تو نہ تمدن ہی اسلامی ہے اور نہ تہذیب ہی مسلمانوں کی کوئی کروٹ اسلامی نہیں۔ زبان پر اسلام اسلام ہے لیکن حلق سے نیچے نہیں اترتا

سیرتِ عمرؓ کا مطالعہ

اپنے اندر اسلام سمونے کے لئے سیرتِ عمرؒ کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اچھا صالح اور پاکیزہ لٹریچر پڑھنے سے انسان کے اندر اچھائیاں پیدا ہوتی ہیں اور وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیتا ہے۔ شاید اس راہ سے کسی گم گشتہ راہ کو راہ مل جائے اور اس کھڑکی سے کسی متنفس کے پھیپھڑوں میں فردوس کی کیفیت انگیز روح پرور نسیم پہنچ جائے اور اسے ہمیشہ کے لئے معطر و معنبر بنا جائے۔

چوہدری اقبال سلیم گاہندری صاحب مالک نفیس اکیڈمی اور ان کے نوجوان صاحبزادے خالد اقبال گاہندری جو رات دن پاکیزہ اسلامی لٹریچر کی تحقیق واشاعت میں معروف ہیں قابلِ مبارکباد ہیں جو کہ آپ کو اسلامی تاریخ سے اکابر کی مقدس سیرتوں سے ایک قسم کا بے پناہ لگاؤ ہے اور آپ تاریخ وسوانح پر آئے دن کتابیں چھپواتے رہتے ہیں تاکہ نوجوان طبقہ

ان سے مستفید ہو۔ اور اچھی اور صالح کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں اور اسلامی زندگی بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حوصلے میں اضافہ فرمائے اور انھیں اور ہمیں صحیح اور سچی اسلامی زندگی نصیب کرے۔

آمین

کتب حوالہ جات

۱۔	آثار البلاد واخبار العباد	للقزوینی
۲۔	الف باء	للبلوی
۳۔	اعلام النبلاء	لابی الفرج
۴۔	انساب الاشراف	للبلاذری
۵۔	الالحاد فی الاسلام	لعبدالرحمٰن بدوی
۶۔	البیان التبیین	للجاحظ
۷۔	تاریخ آداب العرب	للرافعی
۸۔	تاریخ داریا	للقاضی خولانی بہ تحقیق سعید افغانی
۹۔	تاریخ الشعوب الاسلامیہ	لبروکلمان بہ ترجمہ منیر بعلبکی، ونبیہ فارس (طبع بیروت)
۱۰۔	تاریخ طبری	لابن جریر
۱۱۔	تاریخ العرب المطول	لغیلیب حتی (ترجمہ)
۱۲۔	تاریخ مختصر الدول	لابن عبری (طبع بیروت)
۱۳۔	تاریخ مدینہ ودمشق	لابن عساکر بہ تحقیق صلاح المنجد
۱۴۔	تاریخ یعقوبی	(ط۔ النجف الاشرف)
۱۵۔	تذکرہ الحفاظ	للذہبی
۱۶۔	التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیہ	لعبدالرحمٰن بدوی
۱۷۔	التنبیہ والرد علی اہل الاہواء والبدع	لابی الحسین ملطی شافعی

۱۸۔	تیسیر الوصول	للشیبانی
۱۹۔	ثمار القلوب	للثعالبی
۲۰۔	جلاء الافہام	لابن قیم جوزیہ
۲۱۔	جوامع السیرت	لابن حزم
۲۲۔	الحکمۃ الخالدۃ	لمسکویہ بہ تحقیق عبدالرحمٰن بدوی
۲۳۔	حماۃ الاسلام	
۲۴۔	حیاۃ الحیوان	للدمیری
۲۵۔	الخراج	لابن آدم قرشی
۲۶۔	الخراج	لابی یوسف
۲۷۔	خطط الشام	لکرد علی
۲۸۔	الدعوۃ الی الاسلام	لسیر توماس ارنولد (ترجمہ)
۲۹۔	دول الاسلام	للذہبی (طبع حیدرآباد)
۳۰۔	ریاض النفوس	لابی بکر مالکی
۳۱۔	الازمنۃ والامکنۃ	للمرزوقی الاصفہانی
۳۲۔	زہر الآداب	للحصری
۳۳۔	زین العابدین	للمؤلف
۳۴	سیرت عمر بن عبدالعزیز	لابن جوزی (ہم نے ابن جوزی کے الفاظ سے اسکی طرف اشارہ کیا ہے)
۳۵۔	سیرت عمر بن عبدالعزیز	لابن الحکم (ہم نے ابن الحکم سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے)
۳۶۔	شذرات الذہب	لابن العماد
۳۷۔	صبح الاعشیٰ	للقلقشندی
۳۸۔	صفۃ الصفوۃ	لابن جوزی (طبع حیدرآباد)
۳۹۔	الطبقات	لابن سعد (طبع بیروت)
۴۰۔	الطبقات الکبریٰ	للشعرانی

۴۱۔ طرق الحجرتین — لابن قیم جوزیہ
۴۲۔ ظہر الاسلام — لاحمد امین
۴۳۔ العقد الفرید — لابن عبدربہ
۴۴۔ العمدۃ — لابن رشیق
۴۵۔ عمر بن عبدالعزیز — لاحمد صنعوت (سلسلہ اقرام)
۴۶۔ عیون الاخبار — للدینوری
۴۷۔ غوطۃ دمشق — لکرد علی
۴۸۔ الفاضل — للمبرد
۴۹۔ فاطمۃ الزہراء والفاطمیون — لعباس عقاد (سلسلہ دار الہلال)
۵۰۔ فتوح البلدان — للبلاذری (طبع بیروت)
۵۱۔ فتوح واخبار مصر — لابن عبدالحکیم (طبع لیدن)
۵۲۔ فجر الاسلام — لاحمد امین
۵۳۔ الفخری فی آداب السلطانیہ — لابن الطقطقی
۵۴۔ قصص العرب — لجاد المولیٰ وصاحبیہ
۵۵۔ القومیۃ المصریۃ الاسلامیہ — لابراہیم جمعۃ
۵۶۔ الکامل — لابن اثیر (ہم نے اس کی طرف ابن اثیر سے اشارہ کیا ہے)
۵۷۔ الکامل — للمبرد
۵۸۔ محاسن السلوک — لمحمد غنیم
۵۹۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ — للخضری
۶۰۔ المدخل الشرقی لمعز — لعباس عماد
۶۱۔ المرشد فی الدین الاسلامی — مصری اساتذہ کی ایک جماعت
۶۲۔ المعارف — لابن قتیبہ
۶۳۔ معالم الموسیقی العربیۃ — لنسیب الاختیار
۶۴۔ مروج الذہب — للمسعودی

۶۵۔ مسالک الابصار للعمری

۶۶۔ المطالعۃ التوجیہیہ مصری اساتذہ کی ایک جماعت

۶۷۔ معالم الموسیقی العربیہ لنسیب الاختیار

۶۸۔ معجم البلدان لیاقوت

۶۹۔ الموافقات فی اصول الشریعۃ للشاطبی

۷۰۔ الموشح للمرزبانی

۷۱۔ النجوم الزاھرۃ لابی المحاسن

۷۲۔ الانصاف للباقلانی

۷۳۔ وفیات الاعیان لابن خلکان

۷۴۔ ولاۃ مصر للکندی (طبع بیروت)

فاروق اعظمؓ (عمرؓ بن خطاب)

عمرؓ بن خطاب کے نصیبہ کی بلندی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں ایک سال حج کے لئے روانہ ہوئے ہیں اور کوہ ضجنان سے جو مکہ معظمہ سے عرفات کے راستے میں ایک برید (۸ یا ۱۲ میل معجم البلدان ج ۵ صـ۲۲۷) کے فاصلہ پر ہے، گذر رہے ہیں کہ آپ کے ذہن میں بدنصیبی کا وہ اندوہناک زمانہ آجاتا ہے۔ جب آپ کے والد کے کوڑے آپ پر پڑا کرتے تھے اور ان کوڑوں کا ایک حصہ آپ کے مقدر میں تھا۔ آپ اس جگہ پر ٹھہر جاتے ہیں اور پرانے المناک زمانے اور بیتے ہوئے وقت پر غور کرتے ہیں اور کبھی آپ وادی کی طرف نگاہیں ڈالتے ہیں اور کبھی پہاڑ کی چوٹی پر حتیٰ کہ آپ خوب سمجھ جاتے ہیں تو بے ساختہ فرماتے ہیں۔ اللہ کے سوا جو بڑی عظمت والا ہے، کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں۔ وہ جسے چاہے عطا فرما دے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ میں اس وادی میں کمبل کا کرتا پہنے ہوئے خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ خطاب بڑے تندخو تھے۔ جب میں کام پر ہوتا تو میرے پیچھے لگے رہتے تھے اور اگر میں کام میں سستی کرتا تھا تو مجھے مارا کرتے تھے۔ آج میں اسی مقام پر کھڑا ہوں اور میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں۔

اونٹوں کا چرواہا ایک عظیم قوم کا چرواہا بن جاتا ہے

فاروق اعظم اس پہاڑ پر کھڑے ہوئے غور و فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور آپ کو اپنے بچپن کا اندوہناک زمانہ یاد آ رہا ہے اور آپ حاضرین کو مخاطب کر کے

انہیں اپنے بچپن کا وہ زمانہ یاد دلا رہے ہیں جب کہ آپ شقاوت کے ہاتھوں اسیر تھے۔ اور آپ کے والد خطاب اپنے کوڑوں سے آپ کی کھال ادھیڑا کرتے تھے تاکہ آپ مکہ معظمہ سے دُور رہ کر ان کے اونٹ چرائیں۔ اور آپ کا فرض تھا کہ آپ چرانے میں کوتاہی نہ کریں بلکہ سستائیں بھی نہیں۔

عمرؓ کے سامنے دو متضاد مناظر کا نقشہ پھر فاروق اعظمؓ وادی کے نشیب سے اپنی نگاہ لوٹا کر پہاڑ کی چوٹی تک لے جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ آج میں لوگوں کا خلیفہ ہوں اور کوہ ضجنان کی چوٹی کی طرح تمام لوگوں کے اُوپر ہوں۔ جیسے یہ چوٹی اپنی عزت و بلندی سے وادی کے نشیب کی طرف جھانک جھانک کر دیکھ رہی ہے۔ یہی حال میرا ہے اس وقت آپ کے ذہن میں دو متضاد مناظر کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور فوراً ہی غم انگیز اور حیرت خیز خیالات آنے جانے لگتے ہیں۔ آپ کے سامنے وہ زمانہ آجاتا ہے جو بچپن کی غم انگیز شقاوت سے، شرک کی تاریکی سے اور جہالت کی سنگدلی سے بھرا ہوا ہے۔ پھر آپ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنے کو چاروں طرف سے نعمتوں میں گھرا ہوا دیکھ کر اور اپنے کو اونچی جگہ اور لوگوں کے سروں پر کھڑا ہوا دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ آج میرے اور اللہ کے درمیان کوئی حائل نہیں۔

کہاں تھی بیدار میری قسمت کہاں تھے ایسے نصیب میرے
زہے مقدر پکارتے ہیں مجھ کو عالی جناب کر کے

فاروق کی زبان سے خطاب کی فضیلت جب فاروق اعظمؓ نے اپنے باپ کا ذکر کھرے پن اور سنگدلی کے ساتھ کیا تو آپ نے اس کی فضیلت کا انکار نہ فرمایا۔ بلکہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ بچپن ہی سے جب میں ان کے اونٹ چرایا کرتا تھا مجھ پر ان کا ہاتھ اس طرح تھا کہ انہوں نے میرے دل کے اندر احساس کا شعلہ بھڑکا دیا تھا اور میری تیزی میں اور جوش پیدا کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے مجھ سے زیادہ سے زیادہ کام لیا اور مجھے زود احساس انتہائی تیز اور دکھ پہنچا کر محتاط بنا دیا اور مجھے اپنے پاس لٹا کر آرام کرنے کی عادت نہیں ڈالی۔ آخر کار یہ چھوٹا راہی، پرجوش چرواہا، بہادر سپاہی اور تیز تر کا غالب و عالی بن کر جوان ہوتا ہے اور اونٹوں کو چرانے کا حق ادا کر دیتا ہے۔ انہیں اپنا مطیع و منقاد بنا لیتا ہے۔ اور مکہ معظمہ سے دور رہ کر کمبل کے ایک کُرتے میں کوہ ضجنان کی وادی میں جنگل کی زندگی پر صبر کرتا ہے۔

عہد خلافت فاروقی پھر جب مقدس اسلام فاروق اعظمؓ کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف

منتقل کر دیتا ہے اور آپ کو تخت خلافت پر متمکن کر دیتا ہے تو آپ عربوں کو نکیل والے اونٹ کی طرح پاتے ہیں جو اس کے پیچھے پیچھے ہو جاتا ہے۔ جو اس کی نکیل پکڑے ہوئے اس کے آگے آگے ہوتا ہے اب ساربان کا فرض ہے کہ وہ پہلے سوچ لے کہ اونٹ کو کس طرف لے جا رہا ہے۔ آیا صحیح راہ پر لے جا رہا ہے یا غلط پر تاکہ پچھتانا نہ پڑے۔ فاروق اعظمؓ میں باپ کی سنگ دلی اور بے رحمی کی وجہ سے باپ کے کوڑوں کی دہشت اور اپنے مزاج کی حدت عمر بھر باقی رہی۔ اور آپ کے اندر نہ فنا ہونے والا صبر اور نہ اکتا دینے والی لگاتار محنت اور ناقابل تردد صحیح رائے کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ گویا آپ کے اندر جوشِ حدت اور خوف عقوبت ایسی دفاع کرنے والی طبیعت سے بدل گیا۔ جو آپ کو عدل و انصاف کی طرف ابھارنے والی، عزائم کو عملی جامہ پہنانے والی اور فرامین و احکام کو نافذ کرنے والی ثابت ہوئی۔

فاروق اعظمؓ میں رحم و سختی کے ملے جلے جذبات

پھر جب آپ کے ہاتھ میں امارت کی باگ ڈور آ گئی تو ایک طرف تو آپ سے جذبات رحم اس طرح ابلتے تھے جو لوگوں کو طمع دلاتے تھے اور دوسری طرف درشتی اور سختی کے سوتے پھوٹ رہے تھے جن سے لوگوں پر سخت رعب طاری رہتا تھا اور آپ جذبات رحم و درشتی کے درمیان اونٹوں کو ہانکنے کی طرح لوگوں کو ہانکے چلے جا رہے تھے۔ اور اونٹوں کو چرانے کی طرح انہیں چراتے رہتے تھے۔ اور راستہ میں ان پر بوجھ لادنے کی بھی آپ میں طاقت تھی۔

اولادِ عمرؓ میں حدت و بے خوفی

فاروق اعظمؓ کی یہ رگ اور یہ میراث آپ کی اولاد میں پورے زور شور سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ اس کے ان میں مختلف اور متضاد مظاہر مشاہدے آتے رہتے تھے۔ اس لئے تمام اولاد کے مزاجوں میں تیزی تھی۔ اور سب اولاد عمری سانچے ہی میں ڈھلتی تھی۔ جب اولادِ عمرؓ کسی کام کا عزم کر لیتی تو پھر اس میں درانہ گھس جاتی تھی۔ اور آگے ہی بڑھتی جاتی انہیں دنیا کی کوئی طاقت ان کے ارادوں سے باز نہیں رکھتی تھی۔ اور نہ کسی کا خوف ان کی جوشِ طبع کو توڑ سکتا تھا۔ اور جب وہ کسی کام سے رکنا چاہتی تھی تو اپنی خوشی سے رک جاتی تھی اور انہیں کوئی بہانہ بنانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ کیونکہ بہانہ وہی تراشا کرتا ہے جس پر کسی کا خوف طاری ہوا کرتا ہے۔ اور اگر انہیں ان کے محترم والد خلافت سے محروم کر دیتے تھے تو ان کی کروٹیں بستر خلافت سے دور ہو جاتی تھیں اور ان کے دل اور آنکھیں خلافت کی چمک دمک سے نیچی ہو جایا کرتی تھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے راضی ہو کر خلافت سے دست بردار...

ہو جایا کرتے تھے۔ گویا یہ خلق ان کے خاندان کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور انہیں خونی رشتہ سے میراث میں ملا تھا۔ کیونکہ ان کے بزرگ عدل واحسان پر گرویدہ رہا کرتے تھے اور شجاعت وقناعت ان کے امتیازی اوصاف تھے۔ یہ مظاہر اولادِ عمرؓ میں موروثی صحت پر دلالت کرتے تھے جو سلبی رنگ میں اور خاموش آواز میں کارفرما نظر آتے تھے۔ یہی دلالت مکمل خاموشی اور پرسکون حالت کے ساتھ آپ کے فرزند دلبند عاصم بن عمرؓ میں بھی نمایاں طور پر جھلکتی تھی۔

عاصم بن عمرؓ

عاصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ کو صحابی ہونے کی سعادت نصیب ہے۔ پھر آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اپنے والد سے سنیں اور ان سے روایت بھی کیں۔ پھر جب آپ جوان ہو گئے اور عروج شباب پر پہنچ گئے تو اس لشکر میں شامل ہو گئے جو عبداللہ بن ابی سرح کی سپہ سالاری میں افریقیہ جا رہا تھا۔ اور سنہ ۲۷ھ میں آپ افریقیہ میں مجاہد بن کر داخل ہو گئے اور فاتح بن کر نکلے پھر جب آپ نے جنگ کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور دینی حمیت میں پوری پوری سرگرمی دکھائی تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور آپ بخیریت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اور مدینہ ہی میں رہائش اختیار کر لی۔ اور لوگوں کو احادیث و تواریخ سناتے رہے۔ اور شریف فقیہ اور لوگوں کے سردار بن کر زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر جب آپ کی ہمشیرہ اُمّ المومنین حضرت حفصہ کا انتقال ہوا تو آپ اور آپ کے بھائی ابنِ عمر قبر میں اُترے اور امّ المومنین کو بقیع الفرقد میں قبر میں اُتارا۔

عاصم بن عمر کی ممتاز صفتیں

عاصم بن عمر، عمر بھر فضول و بے کار باتوں اور بیہودہ کاموں سے بچتے رہے۔ لوگوں نے ہر شخص کو اپنی ضروریات کے سلسلے

سلہ: اکثر کتابوں میں آپ کی پیدائش آنحضرتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد لکھی ہے۔ لیکن ذہبی نے حیات نبی ہی میں پیدائش کو ترجیح دی ہے۔ ان کی رائے انتہائی صحیح ہے (دول الاسلام ج ۱ ص ۳۷)

سلہ: کہتے ہیں آپ عہد یزید اور عہد عبدالملک بن مروان کے درمیان فوت ہوئے بعض نے آپ کا سن وفات ۶۳ اور بعض نے ۷۰ بتایا ہے۔ یعنی آپ عمر بن عبدالعزیز کی پیدائش کے بعد ان کی کم سنی میں فوت ہوئے (ریاض النفوس ج ۱ ص ۱۰ النجوم الزاھرہ ج ۱ ص ۱۸۵، شذرات الذھب ج ۱ ص ۴۱، سلہ: سیرت اعلام النبلاء ص ۱۱۱، ص ۱۸۳) سلہ: انساب الاشراف ص ۴۲۷)

میں باتیں کرتا ہوا دیکھا۔ عاصم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ شرم، پاکدامنی اور سلامتی کی طرف رجحان کی وجہ سے اور خیر و صلاح کو ترجیح دینے کی بنا پر کم گو اور خاموش طبع تھے۔ اگر آپ کے اور کسی کے درمیان کچھ جھگڑا ہو جاتا اور آپ کو ڈر ہوتا کہ میرا غصہ بھڑک اٹھے گا اور جھگڑا زور پکڑ جائے گا تو آپ اپنی حجت پیش کئے بغیر ہی مجلس چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا پھر آپ اگر ضرورت ہوتی تو اس مجلس میں لوٹ آیا کرتے تھے۔ ورنہ نہیں۔ آپ ہی سے آپ کے بیٹوں کو ورثہ میں یہ مخصوص و خالص خوبیاں ملیں کہ انہوں نے بھی اپنی طبیعتوں میں غیظ و غضب کے شعلے بجھا لیے تھے۔ اور کینہ اور کپٹ کی آگ ٹھنڈی کر لی تھی۔

عاصم سے جھگڑے کا ایک واقعہ

کہتے ہیں کہ عاصم اور ایک قرشی میں زمین کے سلسلے میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ قرشی آپ کو خوب صلواتیں سنانے لگا اور دھمکا کر کہنے لگا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اس زمین پر داخل ہو جائیں اور قبضہ کر لیں۔ عاصم نے جواب دیا۔ کیا آپ کو اس حالت پر غصہ نے پہنچایا ہے؟ اچھا زمین آپ ہی کی ہے۔ آپ کا جواب سن کر قرشی شرما گیا اور بولا نہیں آپ کی ہے۔ غرضیکہ زمین پر کسی نے بھی قبضہ نہیں کیا حتیٰ کہ دونوں فوت ہو گئے پھر ان دونوں کی اولادوں میں سے کسی نے اس سے تعرض نہیں کیا اور وہ فقراء اور مساکین کے لئے آزاد و حلال طیب کر کے چھوڑ دی گئی۔[1]

عاصم کا سن وفات

عاصم عہد عبدالملک بن مروان میں سنہ ۷۰ھ تک زندہ رہے آپ کی وفات پر آپ کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ نے یہ شعر کہے۔

فلیت المنایا کن خلفن عاصما
فعشنا جمیعا او ذھبن بنا معا

(اے اجل! پنجہ خونیں سے نہ عاصم کو پکڑ
ورنہ ساتھ ان کے ہمیں بھی تو غدارا لے لے)

! موت عاصم کو چھوڑ دیتی تاکہ ہم سب اکٹھے زندہ رہتے۔ یا ہم کو ساتھ مار

بنو ہلال کی ایک دوشیزہ

خوش قسمتی سے عاصم کی ایک دوشیزہ بنی ہلال سے شادی ہو گئی۔ یہ دوشیزہ ذکی، ذہین، سمجھ دار، صاحب حکمت اور

دیندار تھی۔ اِس دوشیزہ سے عاصم کا نکاح آپ کے والد فاروقِ اعظم نے کرایا خود فاروقِ اعظم کا اِس سے نکاح کرنے کا ارادہ تھا مگر چونکہ آپ بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کو عورتوں کی خواہش نہ رہی تھی۔ اِس لئے آپ نے اپنے فرزند عاصم سے اِس کا عقد کر دیا کیونکہ آپ نے اِس دوشیزہ کو اس بات کا اہل سمجھا کہ اسے مدینے کے گوشہ والے خیمہ سے نکال کر خلفاؒ کے گھروں کی زینت بنایا جائے۔

ایک انوکھا واقعہ

ایک رات فاروقِ اعظم اپنے عہدِ خلافت میں لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کو تھکن محسوس ہوئی اور آپ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اِتنے میں آپ نے سُنا ایک خاتون اپنی بچی سے کہہ رہی ہے (کیونکہ اسے اطمینان تھا کہ اس کی بات کوئی نہیں سُن رہا) اُٹھ کر اِس دودھ میں پانی مِلا دے۔

بچی :۔ کیا آپ کو آج کا امیر المومنین کا حکم معلوم نہیں؟

خاتون :۔ امیر المومنین کا کیا حکم ہے؟

بچی :۔ آپ نے اپنے منادی سے اعلان کرایا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔

خاتون :۔ اُٹھ کر دودھ میں پانی مِلا دے۔ اِس وقت اس جگہ تجھے نہ عمر دیکھ رہے ہے نہ آپ کا منادی

بچی :۔ مجھ سے تو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ سامنے تو آپ کی اطاعت کروں اور چھپ کر نافرمانی کروں۔

یہ بات فاروقِ اعظم نے بھی سُن لی اور آپ اس کی باتیں سنکر حیران رہ گئے اور آپ کو اس نادار دوشیزہ کی لطافت و ذکاوت پر سخت حیرت ہوئی کہ خیموں میں رہ کر بلا شک و تردد کے خیر و بھلائی کی آواز پر لبیک کہہ رہی ہے۔ حالانکہ ہنوز اعلان سے منادی کا حلق بھی خشک نہ ہوا تھا اور اس بے چاری کو دودھ میں پانی ملانے کی سخت ضرورت بھی لاحق تھی تاکہ دودھ زیادہ ہو اور پیسے زیادہ آئیں۔ فاروقِ اعظم کو یہ خبر نہ تھی کہ جو خاتون اس دوشیزہ کو دودھ میں پانی ملانے کا حکم کر رہی ہے وہ اس کی ماں ہے۔ اگر آپ کو خبر ہوتی تو آپ کا تعجب اور بھی بڑھ جاتا کیونکہ دوشیز

لہ : ریاض النفوس ج ۱ ص

اپنی ماں پر ناراض ہو رہی تھی۔ آپ کو تعجب اس لئے زیادہ ہوتا کہ بچی ہو کر ماں کو نیکی کی ترغیب دے رہی ہے۔ اور ماں سمجھ دار ہو کر نیکی کی طرف مائل نہیں۔ اس بچی کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ امیر المومنین اس کی اس بات سے خوش ہوں گے۔ بھلا اس کی بات امیر المومنین تک کون پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ تو بلند شان والے ہیں۔ اور اس سے بہت اونچے اور بہت دور ہیں۔

دوشیزہ بنی ہلال سے شادی کی آرزو

فاروقِ اعظم کے دل میں فوراً ہی یہ خیال گذرتا ہے کہ کاش آپ اس دوشیزہ سے شادی کرتے کیونکہ اس میں آپ کی بیوی بننے کی صلاحیت ہے۔ مگر آپ تو بوڑھے اور ضعیف العمر ہیں اور عورتوں کی طرف آپ کو رغبت بھی نہیں۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ کا آزادہ کردہ غلام اسلم تھا۔ آپ نے اس سے آہستہ سے کہا (تاکہ آواز خیمہ کے اندر نہ جائے) اسلم! اس خیمہ کے دروازے پر نشان کر دے اور یہ جگہ خوب پہچان لے۔ پھر آپ اپنے گشت پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ صبح اسلم سے فرماتے ہیں اسلم! اس جگہ جاکر دیکھو اور یہ تحقیق کر کہ وہ بات کس نے کہی تھی اور کس سے کہی تھی؟ اور کیا ان دونوں عورتوں کے شوہر ہیں؟

اسلم کہتے ہیں۔ میں اس جگہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دوشیزہ غیر شادی شدہ ہے اور وہ خاتون جو دودھ میں پانی ملانے کو کہہ رہی تھی اس کی ماں ہے اور ان دونوں کے پاس کوئی مرد نہیں۔ اور یہ خاتون بنی ہلال کی ایک عورت ہے۔ میں نے فاروقِ اعظم کو ان کے حالات سے آگاہ کیا۔

عاصم کا دوشیزہ بنی ہلال سے نکاح

پھر آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر کہا۔ کیا تم میں سے کسی کو بیوی کی ضرورت ہے کہ میں اس کا نکاح کر دوں؟ اگر تم کو اپنے والد کی رائے کا احترام ہے تو فلاں لڑکی سے بہتر کوئی نہیں۔ عاصم بولے اباجان! میری بیوی نہیں ہے۔ آپ اس سے میرا نکاح کرا دیں۔ آپ نے ان سے فرمایا بیٹا جاؤ اور اس سے نکاح کر لو۔ کیونکہ یہ اس لائق ہے کہ اس سے ایک شہسوار پیدا ہو اور عرب کا سردار بنے۔ چنانچہ عاصم اس سے فوراً نکاح کر لیتے ہیں[1]۔

امِ عاصم۔ فاروقِ اعظم کی پوتی

لیکن اس ہلالیہ اطاعت گذار وفا شعار دوشیزہ

---

[1]: ابن جوزی ص۶۵۔ ابن عبد الحکم ص۱۷۔ شذرات الذہب جلد ا ص۱۱۹

کے بجائے لڑکے کے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ظاہر ہے کہ لڑکی لڑکے کی طرح نہیں۔ یعنی لڑکی وہ کارنامے انجام نہیں دے سکتی جو ایک لڑکا دے سکتا ہے۔ مگر قدرت کے کارخانہ میں کس کو دخل۔ آخر کار انہوں نے اس بچی کا نام اُمّ عاصم رکھا۔ اُمّ عاصم ہوشیار تھیں اور خیر و خوبی کے ساتھ پرورش پاتی رہیں۔ اور جب جوان ہوگئیں تو حدیثیں اپنے والد سے پھر دادا سے روایت کرنے لگیں۔ ان کی روایت کردہ ایک حدیث (نعم الادام الخل) بھی ہے یعنی سرکہ بہترین سالن ہے[1]۔ گویا ام عاصم فاروق اعظم کے گھرانے کے رنگ میں رنگ گئیں۔ آپ قدرتی طور پر پارسائی و تقویٰ کی طرف راغب تھیں۔ مذکورہ بالا حدیث آپ کی روایتوں میں مشہور و معروف ہے۔ فاروق اعظم کے گھرانے میں اِن سے بڑھ کر عبادت و زہد میں کون تھا اور آپ ہی کثرت سے سرکہ اور زیتون والی حدیث پر عمل پیرا رہتی تھیں۔

اُمّ عاصم کا ایک واقعہ

اُمّ عاصم سے کمسنی میں اور بیوی بن جانے کے بعد مروت رواداری اور نیکی کے کام سرزد ہوتے رہے۔ اور آپ بزرگی اور محبت کے کارنامے انجام دیتی رہیں۔ اِن کا ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے شوہر عبدالعزیز بن مروان حاکم مصر کے پاس جا رہی تھیں۔ جب آپ ایلہ[2] سے جو آپ کے راستے میں پڑتا تھا گذریں تو آپ کے پاس ایک دیوانہ اور مخبوط الحواس شخص آتا ہے اور آپ کو ہدیہ پیش کرتا ہے۔ آپ اس کا ہدیہ قبول فرمالیتی ہیں اور اسے اتنا دیتی ہیں کہ وہ خوش ہوجاتا ہے۔ پھر اُمّ عاصم فوت ہوجاتی ہیں اور عبدالعزیز آپ کی ہمشیرہ حفصہ سے شادی کرلیتے ہیں اور حفصہ اپنے شوہر کے پاس مصر جاتے ہوئے ابلہ سے گذرتی ہیں تو وہی دیوانہ ان کی خدمت میں بھی ہدیہ پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ اسے کچھ نہیں دیتیں۔ آخر یہ شخص ناراض ہوکر کہتا ہے "لیست حفصة من رجال اُمّ عاصم" یعنی حفصہ اُمّ عاصم کے مردوں میں سے نہیں۔ اس کا یہ قول بطور کہاوت کے لوگوں میں پھیل جاتا ہے اور ضرب المثل بن جاتا ہے۔

عبدالعزیز بن مروان

اموی خاندان میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے تھے جو اچھے تھے۔ اور اسراف سے نفرت کرتے تھے۔ اور درمیانی راہ کی طرف مائل تھے یہ نئی نسل بیش قیمت لباس پہنتی تھی اور شاہانہ کروفر کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور صحت تندرستی اور صفائی

---

[1] : اغانی جلد اوّل ص۱۵۵

[2] : "ابلہ" شام و حجاز کی سرحد پر ہے اور ایلات سے معروف ہے اور مسلمانوں کا مقدس علاقہ ہے۔ (معجم البلدان جلد اوّل ص۲۹۱)

کو چاہتی تھی۔ ان خوش پوش نوجوانوں میں ایک نوجوان عبدالعزیز بن مروان بھی تھے۔ آپ مدینہ میں پلے بڑھے تھے۔ اور مدینہ کے پاکیزہ ماحول نے آپ کو خیر و صلاح کے ڈھانچے میں ڈھال دیا تھا۔ آپ مدینہ کے بعض راویوں سے (جیسے ابوہریرہؓ وغیرہ [1]) روایت بھی کرتے ہیں۔ پھر جب آپ مصر کے حاکم بنا دئے گئے تو چونکہ مصری نرم طبیعت اور بہترین اطاعت گذار ہوتے ہیں اس لئے آپ کا دل بھی خشیت الٰہی سے لبریز ہوگیا۔ اور جب آپ وہاں سے ہٹ گئے تو عفت و اعتدال کی درمیانی زندگی کی طرف مائل ہوگئے۔

عبدالعزیز کی طبیعت میں نرمی پیدا ہوگئی تھی۔ آپ انتہائی اونچے طبقے کے امیر تھے۔ اور آپ نے مصر و شام میں شاندار عمارتیں اور عالی شان کوٹھیاں اور یادگاریں دیکھی تھیں جن سے آپ متاثر تھے۔ اسی لئے آپ اپنے خاندان کے امرا اور خلفا سے عمارتوں میں اور گھروں کی اونچی اونچی دیواروں میں اور ان کی پچی کاری میں بڑھ جانا چاہتے تھے۔ پھر آپ اپنی رہائش کے لئے مکان منتخب فرماتے اور دسیوں گھر خرید لیا کرتے تھے جن کو آپ خوبصورت اور مستحکم بناتے تھے پھر انہیں اپنی اولاد کو ہبہ کر دیا کرتے تھے۔ [2] پھر جب قدیم مصر (فسطاط عمرو) کے باشندوں میں مہلک طاعون پھیلا تو عبدالعزیز ایک پاکیزہ ہوادار گھر میں جو آپ کو پسند آیا تھا منتقل ہوگئے۔ آپ نے اسے مصر کے ایک قبطی سے دس ہزار دینار میں خرید لیا۔ اور وہاں شہر حلوان کی داغ بیل ڈال دی جو ساحلِ نیل پر ہے اور اس کے اور فسطاط کے درمیان صعید کی راہ سے چھ میل کا فاصلہ ہے۔ پھر آپ نے اس میں اپنا گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا اور اس پر سونے کا پانی پھروایا اور اس کے قریب مقیاس حلوان رکھا [3] اور اس میں دینار ڈھلوائے اور باغ لگوائے اور کھجوریں اور انگور نصب کرائے۔ انھیں کے بارے میں عبداللہ بن قیس رقیات نے یہ شعر کہے ہیں۔

سَقْیاً لِحُلْوَانَ ذِی الْکُرُومِ
مُنِیفُهَا مِنْ تِینِہِ وَمِنْ عِنَبِہِ

---

[1] : اغانی ج ۱۴۶

[2] : شذرات الذہب ج ص ۹۵

[3] : فتوح و اخبار مصر لابن عبدالحکیم باب ذکر الخطط

[4] : النجوم الزاہرہ ج ص ۱۷۱

اللہ تعالیٰ نے انجیروں اور انگوروں والے شہر حلوان کو سیراب فرمائے

نَخْلٌ مَوَاقِيْرُ بِالْفِنَاءِ مِنَ الـ
بُرْنِيِّ يَهْتَزُّ ثَمَّ فِي سِرْبِهِ

اس میں برنی (عمدہ کھجور کی ایک قسم) سیاہ خوشوں سے لدے ہوئے کھجوروں کے درخت ہیں جو اپنے تھالوں میں جھوم رہے ہیں۔

أَسْوَدُ سُكَّانُهُ الْحَمَامُ فَمَا
تَنْفَكُّ غِرْبَانُهُ عَلَى رُطَبِهِ

اس کے باشندے کبوتر ہیں اور اس کے کوے تازہ کھجوروں سے ہٹتے نہیں۔[1]

عبدالعزیز کا ایک لنگر خانہ عبدالعزیز کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اور ان کی دن بدن خود داری اور ان کا فخر بڑھتا ہی رہا۔ آپ نے مہمانوں کے لئے ایک مہمان خانہ بھی بنایا تھا۔[1] اور اس کے چاروں طرف کھانا کھلانے کے لئے گنبد بنوائے تھے اور ان میں دسترخوان بچھوا دئے تھے اور لوگوں کو بلوا کر ان میں کھانا کھلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے گھر میں کثرت سے مہمان آتے جاتے رہتے تھے۔ اور راکھ کا ڈھیر ہوتا تھا کیونکہ آپ روزانہ ایک ہزار ہانڈیوں کے گوشت سے ایک ہزار بادنے لوگوں کی مہمانی پر خرچ کیا کرتے تھے۔[2] اسی سلسلے میں ایک شاعر کہتا ہے ؎

كُلُّ يَوْمٍ كَأَنَّهُ عِيدُ أَضْحَى
عِنْدَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَوْ يَوْمُ فِطْرٍ

عبدالعزیز کے نزدیک ہر دن گویا عید الاضحیٰ کا یا عید الفطر کا دن ہوتا تھا

وَلَهُ أَلْفُ جَفْنَةٍ مُتْرَعَاتٍ
كُلَّ يَوْمٍ يَمُدُّهَا أَلْفُ قِدْرٍ

اور ان کے روزانہ ایک ہزار بادنے بھرپور ہوتے تھے۔ جو ایک ہزار ہانڈیوں سے بھر جاتے تھے۔

---

[1] فتوح واخبار مصر ص ۱۳۳

[2] معجم البلدان ج ۳ ص ۳۲۶

جیسے عبدالعزیز بن مروان کے پاس کثرت سے مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اسی طرح آپ کے پاس مدینہ اور حجاز سے آنے والے سائلوں کی بھیڑ بھی رہتی تھی اور آپ ان کے حق میں بڑے فیاض تھے۔ آپ نے ان کے لئے بھی گھر تیار رکھے تھے اور حلوان میں فسطاط کے کنارے نخلستان بھی اور لوگوں کو محض خلوص و تقوے کی نیت سے ایسے ایسے عطیات دئے جاتے تھے جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ اور آپ پلیدی وغیرہ کا اور حلال و حرام کا بھی خیال رکھا کرتے تھے۔

عبدالعزیز نے شریف خاندان کی ایک شریف خاتون سے شادی کی۔

جب آپ نے شادی کرنے کا عزم کیا تو آپ نے شریف خاندان کی شریف عورت پسند فرمائی رذیل خاندان کی حسین دوشیزہ نہیں کیونکہ خاندان کا افراد خاندان پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بنی مروان کے بعض افراد نے حسین خواتین پسند کیں خواہ وہ کسی خاندان کی ہوں۔ پھر آپ نے مہر میں اپنی بیگم کو ایسا مال دیا جو حلال و طیب تھا اور حرام کا اس پر شک بھی نہ گذرتا تھا۔ کیونکہ آپ کے پاس کچھ مال مخلوط بھی تھا جو مظالم کی راہ سے آیا تھا عموماً بنو امیہ کے امراء کے مال اسی قسم کے ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ حلال و حرام میں تمیز کرتے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے منتظم سے فرمایا۔ "مجھے میرے حلال مال میں سے چار سو دینار جمع کر کے دو۔ کیونکہ میں ایک صالح خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ کو منتظم نے یہ رقم جمع کر کے دے دی تو آپ نے اُم عاصم سے نکاح کر لیا۔

اس رشتہ سے عبدالعزیز کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور خاندان والوں نے آپ کو خوب تحفے تحائف دئے۔ حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں کہ شادی والی شب کو روغن زیتون کے بدلے چراغوں میں غالیہ[1] خوشبو جلائی گئی۔

عمرؒ بن عبدالعزیز

فاروق اعظم نے اپنے فرزند عاصم کو جو بشارت دی تھی اور ان کے حق میں جو گمان کیا تھا جب دوشیزہ ہلالیہ کے بچی پیدا ہوئی تو بظاہر یہ رائے اور بشارت صحیح ثابت نہیں ہوئی۔ پھر بظاہر یہ بشارت اس وقت بھی راہ سے بھٹکی ہوئی معلوم ہوئی جب اُم عاصم نے عبدالعزیز سے نکاح کیا اور ان سے ان کے چار بیٹے ابوبکر، عمر، محمد اور عاصم پیدا ہوئے لیکن والدین

---

[1] غالیہ ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے جو مشک و عنبر سے مرکب ہوتی ہے۔ اسے چراغوں میں بھی جلایا جاتا ہے جو موم بتی کی طرح جلتی ہے۔

کی خوبو زیادہ تر عمر میں جھلکتی تھی۔ انھیں ورثے میں والدین کی جامع صفات بھی ملی تھیں اور والد اور والدہ کی منفرد صفات بھی۔ جامع صفات میں جوہر تقویٰ، مروّت، محبت اور انصاف کی طرف میلان شامل تھے۔ اور خاص طور سے باپ کی طرف سے بلند پایہ ذوق اور لطیف ادراک ملا تھا اور ماں کی طرف سے حدت طبع، بے مثال شجاعت، فصاحت و بلاغت اور درمیانی گفتگو ملی تھی۔ کیونکہ فاروق اعظم کی تیزی ان کے فرزند عاصم میں نہ تھی۔ ہاں آپ کی پوتی امّ عاصم میں وہ تیزی جھلکتی تھی جو بات بھڑکا دینے والی ہوتی تھی۔ اس سے وہ بھڑک اٹھتی تھیں اور کسی غلطی یا لغزش کا سخت محاسبہ کئے بغیر نہ چھوڑتی تھیں۔ اگر آپ کے شوہر سے بھی غلطی ہوتی تو انھیں بھی معاف نہیں کرتی تھیں خواہ وہ حاکم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور لوگوں کے سردار ہی کیوں نہ ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز کی مدینہ میں تربیت

عبدالعزیز بن مروان حاکم مصر نے اپنی بیوی امّ عاصم کو جب کہ وہ مدینے میں اپنے میکے میں تھیں پیام بھیجا کہ ان کے پاس حلوان مصر میں عمر کو ساتھ لے کر آ جائیں۔ آپ نے اس سلسلے میں اپنے چچا عبداللہ بن عمر سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم تنہا چلی جاؤ اور عمر کو نہ لے جاؤ تاکہ مدینہ میں عمر کو علم و تربیت سے آراستہ کیا جائے۔ آلِ خطاب عمر پر پروانوں کی طرح ٹوٹتے تھے اور ان سے انتہائی محبت کرتے تھے اور بڑے خوش تھے کیونکہ عمر اپنے ناناجان فاروق اعظم سے بہت مشابہ تھے۔ آخر کار امّ عاصم عمر کو چھوڑ گئیں اور تنہا حلوان مصر چلی گئیں۔ عبدالعزیز نے پوچھا عمر کہاں ہے؟ فرمایا میں انہیں مدینہ میں ہی چھوڑ آئی ہوں تاکہ مدینہ ہی میں ان کی تعلیم و تربیت ہو۔ یہ سن کر عبدالعزیز کو مسرت ہوئی کہ عمر اپنے ماموؤں، آلِ خطاب کے جنھوں نے انہیں منتخب فرمایا ہے سایۂ عاطفت میں ہیں۔ اس ظاہری مسرت کے پیچھے اس سے بھی زیادہ اور بھی مسرت تھی وہ یہ کہ بنو امیہ آلِ خطاب سے محبت کرتے تھے اور ان کی رضا چاہتے تھے۔ تاکہ اس کا مدینہ والوں پر خوش گوار اثر پڑے اور وہ ان سے خوش رہیں کیونکہ مدینہ والوں کے دل میں آلِ خطاب کی عظمت تھی۔ خیر عبدالعزیز نے فوراً اپنے لختِ جگر عمر کے لئے خادم و معلّم کے انتظام کی طرف توجہ دی اور اپنے علم و عمل کے مطابق بہت جلد خلیفہ عبدالملک بن مروان کو دمشق میں خط بھیجا۔ خط پڑھ کر عبدالملک کھل اٹھا اور اسے اس تدبیر سے جو اسے آلِ خطاب سے تعلق کی وجہ سے مدینہ والوں سے قریب تر لانے والی تھی بڑی مسرت ہوئی اور اس نے اس نے مالِ فے میں سے اپنے بھتیجے کے لئے ایک ہزار دینار ماہانہ وظیفہ جاری کر دیا۔

عمر کی نشوونما

مدینہ میں عمر بن عبدالعزیز نعمتوں کی چادروں میں اور جود و کرم کے نعمت کدوں

میں پلتے بڑھتے رہے اور چچاؤں کی لختموں نے اور ماموؤں کی شفقت نے انھیں گھیرے رکھا آپ زمین پر اس طرح قدم رکھتے تھے گویا آپ کا ایک ہی بلند ترین طبقہ ہے جو مدینہ کے سرداروں کے اور دمشق کے امیر سرداروں کے درمیان ہے۔ لیکن آپ کے تمام انداز اموی اندازوں کی طرف مائل تھے اور آپ آلِ خطاب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کا حلیہ

جوانی میں آپ انتہائی گورے حسین اور خوبصورت تھے۔ آپ کے چہرے کے نقش باریک تھے۔ جسم بھرا ہوا گداز اور شاداب تھا اور آپ کو دیکھنے والا دیکھ کر ٹھٹک کر رہ جاتا تھا اور اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ آپ کے حسین چہرے[1] سے نگاہ ہٹائے۔ جب آپ خوشبودار تیل لگا کر کسی راہ سے جاتے تو راہ میں خوشبو کی لپٹیں بکھر جاتی تھیں۔ کبھی آپ عنبر ہی استعمال کر لیتے تھے۔ اور وہ آپ کے ہاتھوں کو لگ جایا کرتا تھا[2] جب آپ اپنی انگوٹھی سے خط پر یا کاغذ پر مہر لگاتے تھے تو مہر کی مٹی میں عنبر لگ جایا کرتا تھا۔ لوگ دھوبی کے دروازے پر آپ کے کپڑوں کا انتظار کیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ دھوبی کے پاس اپنے کپڑے بھیجتے تھے تو لوگ دھوبی کے پاس لپک کر جاتے تھے اور اسے خوب پیسے اس لئے دیتے تھے کہ وہ آپ کے کپڑوں کے بعد ان کے کپڑے دھوئے کیونکہ آپ کے کپڑوں میں عنبر اور خوشبو لگی رہتی تھی۔ اور اس پانی میں آجاتی تھی جس سے آپ کے کپڑے دھوئے جاتے تھے[3]

عمرؓ کی چال بھی بڑی متوالی اور ناز و ادا والی اور فخر و خود داری سے لبریز ہوتی تھی۔ آپ کی رفتار سے تقنع ٹپکتا تھا۔ اور یہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور آپ ناز و ادا سے اٹھلا اٹھلا کر چلا کرتے تھے جیسے اس دوشیزہ کی رفتار ہوتی ہے جس کے سینے ابھر آتے ہیں۔ آپ کی رفتار مدینہ کی دوشیزاؤں کو اور جوان لڑکیوں کو بہت پسند تھی اور وہ اپنی چال کو عمری چال کے سانچے میں ڈھالا کرتی تھیں اور انھیں کے نشانوں اور پیمانوں پر چلا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی اٹھلا اٹھلا کر چلا کرتی تھیں۔ اور ان کا اٹھلانا نگاہوں کو اچھا معلوم ہوتا تھا[4]

---

۱ : ابن عبدالحکیم ص۵، شذرات الذہب ج ص۱۱۹، ابن الجوزی ص۱۹۶

۲ : ابن الحکیم ص۲۲ ۳ : آغانی ج ص۱۵۰ صفتہ الصفوہ ج ص۶۷

۴ : ابن الحکیم ص۲۱

عمرؒ پٹے رکھا کرتے تھے اور ان میں کنگھی کرتے رہتے تھے لیعنی انھیں بناتے اور سنوارتے رہتے تھے۔ آپ انگلی میں انگوٹھی بھی پہنتے تھے جس کا نگ قیمتی ہوتا تھا۔ یہ انگوٹھی آپ کو آپ کے چچازاد بھائی ولید نے دی تھی اور وہ اسے مغربی علاقے سے افریقہ فتح کر کے لائے تھے۔[1] آپ قیمتی چادریں اور بیش بہا تہبند استعمال کرتے تھے حتیٰ کہ ایک ایک تہبند سو سو دینار کا خریدا کرتے تھے اور ایک ایک ریشمی چادر ۸۰۰ سو درہم کی خریدا کرتے تھے۔ پھر اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کرتے تھے تو کھردری معلوم ہوتی تھی اور اچھی نہ ہوتی تھی اور بادل نخواستہ اسے اوڑھ لیتے تھے۔ آپ کے خیال میں لباس طویل زمانہ گذرنے پر پرانا نہیں ہوتا تھا بلکہ پہننے کے بعد جب لوگ اسے آپ کے جسم پر بیک نگاہ دیکھ لیتے تھے تو پرانا سمجھا جاتا تھا۔ کپڑوں میں عمر انتہائی غلو کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ گویا کوئی کپڑا آپ کو پسند ہی نہ آتا تھا اور اپنا تمام مال کپڑوں پر ہی صرف کر دیا کرتے تھے اور اسی پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ ایک دن آپ فرمانے لگے مجھے ڈر ہے کہیں میرا وظیفہ میرے کپڑوں کا خرچ بھی پورا نہ کر سکے۔ آپ نے کہا میں نے جب کبھی کوئی لباس استعمال کر لیتا تھا۔ اور اسے لوگ دیکھ لیتے تھے تو پھر مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا کہ اب یہ پرانا ہو گیا۔[2] اور قابل استعمال نہیں رہا۔

عمرؒ سے بنو امیہ کا کبر و غرور اور ناز و انداز اور عیش و عشرت نمایاں طور پر جھلکتی تھیں آپ اپنے غلاموں اور نوکروں کے جھرمٹ میں نکلا کرتے تھے۔ اگر آپ کے قیمتی تہبند کا پلو جوتے میں اٹک جاتا تو اسے کھینچ کر پھاڑ دیتے تھے اور اسے جوتے سے نکالنے کے لئے جھکتے نہ تھے اور اگر چادر کا کوئی پلو کندھے سے سرک جاتا تھا تو اسے اٹھانے میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے۔ اور اگر آپ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اگر کوئی خادم اسے اٹھا کر آپ کے پاس لے آتا تو آپ اسے ڈانٹ دیا کرتے تھے اور جوتا پھینک دیتے تھے۔[3]

غرضیکہ آپ کے غرور و فخر کے انداز دن بدن بڑھتے رہے حتیٰ کہ بہت سے لوگوں نے آپ پر غرور کا الزام بھی لگا دیا۔ ایک دفعہ اس غلو پر آپ کو سزا بھی ملی جب آپ نے بالوں میں کنگھی

---

[1] : ابن جوزی ص ۱۱۱

[2] : ابن جوزی ص ۱۳۶

[3] : ابن جوزی ج ۳ ص ۱۵۰، ابن عبدالحکم ص ۲۱

کرانے کا اور انہیں جمانے کا شوق کیا اور بالوں کو جمانے اور انھیں خوبصورت بنانے میں اس قدر حد سے بڑھے کہ ہر وقت کنگھی کرنے والی عورت کے محتاج رہتے تھے تاکہ آپ کی خوبصورتی حدِ کمال تک پہنچ جائے حتیٰ کہ ایک دن اسی آرائش میں پھنس کر ایک نماز میں بھی دیر کر دی۔ آپ کے استاد صالح بن کیسان مسجد کے دروازے پر آپ کے منتظر تھے۔ پھر جب آپ نماز کے لئے آخری وقت پر پہنچے تو آپ سے آپ کے شفیق استاد نے دیر سے آنے کا سبب پوچھا۔ بولے بال جمانے والی اور انھیں سنوارنے والی میرے بال سنوار رہی تھی۔ اُستاد نے فرمایا بالوں کے سنوارنے کی محبت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تم اسے نماز پر بھی ترجیح دینے لگے۔ آخر کار یہ بات اُستاد نے ان کے والدِ محترم کے کان میں بذریعہ خط کے ڈالی۔ اس پر عبدالعزیز نے مصر سے مدینہ ایک آدمی بھیجا جس نے بات کئے بغیر آپ کے بال منڈوا دیئے۔[1]

عمرؓ کا غصّہ

عمرؒ غصہ میں قابو سے باہر ہو جایا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کی طبیعت میں حد سے بڑھی ہوئی تیزی تھی جو آپ کو اپنی والدہ کی طرف سے ورثے میں ملی تھی گویا آپ میں فاروقِ اعظمؓ کی چیخ و پکار لوٹ آئی تھی اور آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ آپ لبا اوقات اس تیزی سے نقصان اُٹھاتے تھے اور غلطی کر بیٹھتے تھے۔ اسی لئے آپ کے غلام و خدام آپ سے سخت خوف زدہ رہا کرتے تھے اور آپ کی اندھی اطاعت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک حبشی غلام نے جرأت کر کے آپ کی بات دلک دی تھی۔ اس وقت آپ کا آغازِ شباب تھا آپ نے اس کی چھاتی پکڑ کر اسے دے مارا اور اسے مارنے لگے۔ غلام چیخ رہا تھا اور آپ اسے برابر مارتے چلے جا رہے تھے آخر کار غلام پٹتا رہا۔ پھر غلام نے سوچا کہ ان کے مزاج کی تیزی کی دھار کند کرنی چاہیئے۔ ایک دن اس نے اس نے آپ کو خوش دیکھ کر آپ سے پوچھ ہی لیا۔ کہ آپ نے کبھی کوئی ایسا قصور کیا ہے جس سے آپ کا آقا آپ سے ناراض ہو گیا ہو؟

عمرؒ: ہاں کیا ہے۔

غلام: کیا اس پر آپ کے آقا نے آپ کو فوراً سزا دی؟

عمرؒ: نہیں

غلام: پھر مجھے کیوں آپ فوراً سزا دیتے ہیں۔ جب کہ آپ کو فوراً سزا نہیں دی گئی۔

عمرؒ شرما گئے اور آپ پر رقت طاری ہو گئی اور غلام سے یہ کہہ کر کہ تو اللہ کی رضا کے لئے

---

[1] : ابن جوزی صـ ۹

آزاد ہے چلے گئے۔

عبدالعزیز بن مروان کی اولاد

آلِ خطاب عمرؒ بن عبدالعزیز کی عزت کرتے تھے اور ان کے دِلوں میں آپ کی محبت و عظمت تھی۔ حالانکہ عبدالعزیز بن مروان کے دس بچے تھے۔ جن میں دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکے یہ ہیں۔

ابوبکر

عمر

محمد

عاصم (ان کی والدہ ام عاصم بن الخطاب ہیں)

اصبغ

سہل

سہیل اور

ریان

اور لڑکیاں ام الحکیم اور ام البنین ہیں (ان کی مائیں مختلف ہیں۔ ان میں بعض بچے توام ام عبداللہ بنت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہیں اور بعض ایک رُومی لونڈی ماریا سے ہیں۔

آلِ خطاب کی نگاہ میں عمرؒ کی عزت

ام عاصم سے عمرؒ کے تین سگے بھائی اور بھی ہیں لیکن آلِ خطاب عمرؒ ہی کی عزت و عظمت کرتے ہیں اور کسی اور کی نہیں کیونکہ عمرؒ ان کے باپ عمرؓ کی شبیہ تھے۔ اور وہ آپ کے اندر اس امید کی جھلکیاں بھی دیکھتے تھے جو انہیں ایک خواب سے جسے فاروقِ اعظمؓ نے دیکھا تھا قائم ہوگئی تھی۔ یہ ایک ایسا خواب تھا کہ لوگ جلد از جلد اس کی تعبیر کا ظہور چاہتے تھے۔ عمرؒ کی پیدائش نے یہ امید قوی کردی اور آپ کے اخلاق عادات حرکات اور طبعی صفات سے اس خواب کی تعبیر کے آثار جھلکنے لگے۔ پھر یہ خواب عمرؒ بن عبدالعزیز کے اندر ایک زندہ متنفس ہوکر متحرک نظر آنے لگا۔

---

[1] : فتوح و اخبار مصر ص۱۱۲

ایک سچا خواب

فاروق اعظمؓ ایک خواب دیکھتے ہیں۔ پھر اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے اور ان سے نیند پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ وہ کون ہیں جو ہماری اولاد میں اشج (زخمی) ہوگا۔ اور میری سیرت اپنائے گا[1]۔ پھر فرماتے ہیں۔ میری اولاد میں ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

یہ خواب فاروق اعظمؓ کی آنکھوں میں پھرتا رہا۔ اور آپ اس پر متعجب رہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی تمام اولاد کو خلافت سے محروم کر دیا تھا۔ شاید فاروق اعظمؓ کی یہ تمنّا تھی کہ آپ اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد میں سے کسی کو خواب میں بھی تختِ خلافت پر متمکن نہ دیکھیں۔ آپ اپنی اولاد پر ڈرتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی امّت کا بوجھ اُٹھاتے بلکہ یہ خواہش رکھتے تھے کہ انہیں دنیا برابر ملتی رہے کہ نہ ان کے لئے موجبِ وبال ہو اور نہ موجبِ عیش اور وہ دُنیا سے پاک وصاف نکل جائیں۔

لیکن فاروق اعظمؓ نے اپنی مرضی اور تمناؤں کے خلاف خواب کی تعبیر سمجھی اور جب آپ نے گھر والوں کو یہ خواب سنایا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی اور اس کی تعبیر کے انتظار میں رہے۔ حضرت ابن عمرؓ لگاتار اپنے والد کا یہ قول دہراتے رہتے تھے۔

کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ اولاد عمر میں وہ کون ہے جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا[2]۔

یہ قول زبان بہ زبان نقل ہوتا ہوا اولادِ عمرؓ میں، ان کے نسب والوں میں، بنو امیہ میں اور لوگوں میں پھیل گیا۔ اور بوڑھوں اور جوانوں کو اور عورتوں اور مردوں کو سب کو معلوم ہوگیا۔ سب اس نشان والے چہرے کے منتظر تھے جو حکمران ہوگا اور سب کو فاروق اعظمؓ کی خواب کی صداقت کا یقین تھا۔ حتیٰ کہ حجاج بن یوسف ثقفی بھی انتظار کرنے والوں میں شامل تھا[3]۔

---

[1]: المعارف ص۱۵۸

[2]: ابن جوزی ص۷

[3]: ابن عبدالحکم ص۱۴۲

عمرؒ کی پیشانی پر زخم کا نشان

پھر عمرؒ بن عبدالعزیز جب کہ بچہ ہی تھے اپنے والد سے ملنے کے لئے مصر گئے۔ حتیٰ کہ جب حلوان پہنچے تو اٹھلا اٹھلا کر حسبِ عادت چلنے لگے۔ تاکہ جنھوں نے آپ کو مدینہ میں نہیں دیکھا وہ آپ کو حلوان مصر میں دیکھ لیں۔ ایک دن آپ اپنے اخیافی بھائی اصبغ کے ساتھ سیر کے لئے نکلتے ہیں اور دونوں گھوڑوں کے اصطبل تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس حال میں کہ عمرؒ بے باک ہو کر غذا ہی رہے تھے اور بے خبر ہو کر گھوڑوں کے پیچھے سے گذر رہے تھے کہ ایک خچر نے آپ کے لات ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی۔ لات کی ضرب سخت تھی۔ آپ کی پیشانی خون سے شرابور ہو گئی۔

عمرؒ کے خون سے اصبغ کو مسرت

اصبغ اپنے بھائی کی پیشانی کو خون میں شرابور دیکھ کر ہنسنے لگے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا

"اللہ اکبر" یہ بنی مروان کا اشج ہے جو حکمران ہوگا۔

عمرؒ کا خون بہہ رہا تھا اور وہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ لیکن اصبغ کی خوشی کی انتہا نہ تھی وہ ہنس رہے تھے اور چیخ چیخ کر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ بنی مروان کے اشج ہیں۔ اصبغ اموی ہیں اور دونوں اپنے بھائی کو بنو امیہ کی بہ نسبت اولادِ خطاب سے زیادہ مشابہت دیکھ رہے ہیں بلکہ اصبغ کے تمام بھائی اور ان کے گھر والے آپ کے بارے میں یہی رائے رکھتے تھے۔ اور جب کبھی آپ داخل ہوتے اور قدم اٹھاتے تو ان کی نگاہیں آپ کو دیکھتی تھیں اور ان کے دل آپ کے اردگرد گھومتے تھے کیونکہ آپ میں عمرؓ کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی تھیں۔ پھر جب خچر نے لات مار کر آپ کو زخمی کر دیا تو اصبغ سے صبر نہ ہو سکا اور چیخ پڑے اور آپ کا شعور آپ پر غالب آگیا۔ اور ظہور تعبیر کے یقین کی وجہ سے آپ نے ہنستے ہوتے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے خواب کی تعبیر کے ظہور کا اعلان کر دیا۔

عمرؒ کے زخمی ہونے کی اطلاع

امیر کے گھر بھی یہ خبر پہنچی۔ امّ عاصم تیزی سے اپنے لختِ جگر کی طرف لپکیں اور خدام کی ایک جماعت لے کر باپ کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے نورِ نظر کے پاس پہنچ گئیں اور انہیں چمٹا لیا اور چہرے سے خون صاف کیا[1]

---

[1] طبری ج ۵ ص ۳۱۹

پھر جب انھیں معلوم ہوا کہ میرے بچے کی چوٹ پر اصبغ ہنس پڑے تھے تو اپنی تیزی کو قابو میں رکھتے ہوئے اصبغ کی اپنے شوہر سے شکایت کرنے لگیں اور انھیں بُرا بھلا کہنے لگیں اور جب اصبغ ان کے سامنے آئے تو ان سے مخاطب ہو کر بولیں بڑا بھائی مخدوم ہوتا ہے اور چھوٹے کا احترام کیا جاتا ہے اور درمیانی کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ تم نے میرے بچے کی خبر گیری کیوں نہیں دیکھی کہ خچر نے اس کے لات ماردی۔

اصبغ کی مسرت اور ہنسی کی وجہ

عبدالعزیز نگاہ نیچی کئے ہوئے اپنے شہزادے کی پیشانی سے خون پونچھنے لگے اور جب انھیں یہ خبر لگی کہ عمرؓ کے گرنے پر اصبغ ہنسے تھے تو ان پر ناراض ہوئے اور پوچھا تمھارا بھائی گرتا ہے اور تم اس کی تکلیف سے خوش ہو کر ہنستے ہو۔

اصبغ بولے، اے امیر! یہ بات نہیں مجھے اس لئے ہنسی نہیں آئی کہ میں ان کے گرنے سے خوش ہوا اور ان کی تکلیف سے مجھے مسرت ہوئی۔ لیکن میں بنو امیہ میں سے ان میں بجز زخم کے نشان کے تمام علامتیں دیکھتا تھا۔ پھر جب یہ گر کر زخمی ہو گئے تو مجھے اس زخم سے مسرت ہوئی کیونکہ اب ان میں علامتیں مکمل ہو گئیں۔ اسی مسرت نے مجھے ہنسنے پر مجبور کیا۔ یہ اللہ کی قسم بنو امیہ کے اشج ہیں[1]

پھر عبدالعزیز نے اصبغ کو کچھ نہ کہا۔ اور آپ کے زخم پر غور کیا اور اپنی بیوی ام عاصم کی طرف جھک کر کہا۔ دیکھو تمہارا بیٹا عمرؓ آلِ مروان کا اشج ہے اور واقعی اس کی پیشانی سے سعادت جھلکتی ہے۔

عمرؓ کا لقب اشج بنی مروان

لوگ اسی وقت سے عمرؓ کو اشج بنی مروان کہنے لگے۔ اور امرائے بنو امیہ عموماً اور فرزندان عبدالملک خصوصاً اس علامت کی وجہ سے آپ سے حسد کرنے لگے۔ لوگ کہتے ہیں جب عمرؓ بچے ہی تھے تو عبدالملک انھیں اپنے قریب بلا لیا کرتے تھے اور سب پر آپ کو ترجیح دیتے تھے اور آپ کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کرتے تھے جب عمرؓ عبدالملک کے پاس جاتے تو آپ کو بجز ولید کے سب سے اونچی کرسی ملا کرتی تھی۔ اس کا عبدالملک کے بیٹے نے عبدالملک سے شکوہ کیا۔ بولے تمہیں کیا معلوم نہیں کہ میں ایسا کیوں کرتا ہوں بولا۔ نہیں، فرمایا، یہ سریرآرائے خلافت ہوں گے۔ کیونکہ یہ بنی مروان کے اشج ہیں۔ اور جب زمین

---

[1]: ابن ابی الحکم ص۲۰

[2]: ابن جوزی ص ۱ ، اغانی ج ۸ ص۱۴۱ ، ابن عبدالحکم ص۱۹

جور و تشدد سے بھر جائے گی تو یہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔ پھر بھلا انہیں میں محبوب کیوں نہ رکھوں اور انہیں اپنا مقرب کیوں نہ بناؤں[1]؟

عمرؒ کے دل میں عبداللہ بن عمرؓ کی طرح بلنے کی تڑپ

لیکن عمرؒ کی فطرتِ سلیم اور طبع مستقیم پر باپ کا دبدبہ اور آپ کا انداز پوری طرح غالب نہ تھا کیونکہ بچپن ہی سے آپ کا دل اپنے ماموؤں (اولادِ عمرؓ) کی طرف مائل تھا۔ عمرؒ کو اپنے ماموؤں سے بڑی محبت تھی اور گہرا لگاؤ تھا۔ آپ انہیں کی راہ کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے۔ اور ان کی طرح بننے کی دِلی خواہش رکھتے تھے۔ آپ کو ان میں سے ایک بہترین نمونہ اور کامل شان نظر آتی تھی۔ اور جب آپ اپنے ماموں جان عبداللہ سے ملاقات کر کے واپس آتے تو آپ کا دل انہیں کی طرف لگا رہتا تھا۔ اور اپنی امی جان سے کہا کرتے تھے۔ امی جان مجھے اپنے ماموں جان عبداللہ کی طرح بن جانا محبوب ہے۔ لیکن آپ کی امی جان ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتی تھیں اور آپ کی تمنا برائی نہ دیکھتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ ان کی طرح بننا بڑا مشکل ہے اور محض خیال خام ہے۔ کیا تم اپنے ماموں جان کی سیرت کی طرح اپنی سیرت بنا لو گے؟ آپ بار بار یہی کلمہ دہراتی تھیں۔ اس رائے میں ام عاصم غلطی پر نہ تھیں۔ کیونکہ آلِ خطاب میں فاروقِ اعظمؓ کے بعد عبداللہ اپنے اندر بڑی شان عظمت رکھتے تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جس پر دنیا نہ ٹوٹی ہو اور وہ دنیا پر نہ ٹوٹا ہو بجز فاروقِ اعظمؓ کے اور عبداللہ بن عمرؓ کے۔ عبادت اور خیر و صلاح میں عبداللہ کی طرح کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اور نہ ان چیزوں میں عبداللہ کی طرح کسی کا دل لگتا تھا۔ حتیٰ کہ سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

"اگر میں کسی کے جنتی ہونے کی خبر دیتا تو عبداللہ بن عمرؓ کے جنتی ہونے کی خبر دیتا"[2]

ایک لطیف حجاب میں سونے کی دمک

غرضیکہ اس طرح ناز و انداز کی چال کے علاوہ اور فخر و بڑائی کے مظاہرے کے پیچھے ایک جوہر سلیم اور طبع مستقیم چھپی ہوئی تھی اور ایک لطیف حجاب میں سونا دمک رہا تھا۔ کیونکہ عمرؒ اپنے غلاموں کے قصوروں پر اپنی تیزی کے باوجود اپنے بھائیوں کے لئے آسان پردے ڈالتے تھے اور ان

---

[1]: اغانی ج ۸ ص ۱۴۶

[2]: وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۳

میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتے تھے اور آپ کے ہم مثل بچوں کے درمیان کوئی وجہ امتیاز اور سبب فضیلت نہ تھا۔ اور بھولی بچے آپ سے وہی معاملہ رکھتے تھے جو معاملہ ایک بھائی اپنے بھائیوں سے رکھتا ہے۔ جس کا اس پر غلبہ نہیں ہوتا۔[1]

تحصیل علوم اس چوٹ کے بعد عمر مدینہ واپس آئے اور اسی وقت سے حفظِ قرآن و درسِ حدیث میں مشغول ہو گئے۔[2] آپ برابر پاکدامن، فرمانبردار، بے داغ اور سلیم الفطرت رہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب حفظ قرآن سے فارغ ہو گئے تو بعض صحابہ سے اور اکابر تابعین سے روایت کرنے لگے۔ اور ان سے حدیثیں بیان کرنے لگے۔ چنانچہ آپ عبداللہ بن جعفر، انس بن مالک ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ آپ کی ان ابن عتبہ سے کثرت سے روایتیں ہیں۔[3]

عمرؒ کے نزدیک ابن عتبہ کے مقام کا بجز قاسم بن محمد بن ابی بکر کے کوئی دوسرا نہیں تھا۔

لونڈیوں سے تین اکابر کہتے ہیں کہ یوں تو دنیا میں لونڈیوں سے اللہ کی ایک بہت بڑی مخلوق ہے۔ لیکن ان لونڈیوں سے تین اکابر پیدا ہوئے جو اپنی عبادت و پارسائی کی وجہ سے دنیا کے سردار بن گئے۔ ان میں سے ایک قاسم بھی ہیں۔ یہ تینوں بزرگ اپنے زمانے کی بہا سے تھے۔ انھوں نے لونڈیوں سے نکاح کر کے جب کہ ان کی طرف راغب بھی نہ تھے مدینہ والوں کو آزمایا۔ یعنی قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ اور علی بن حسین (زین العابدین)[4]

عمرؒ کا ابن عتبہ سے گہرا لگاؤ عمرؒ کو ابن عتبہ سے بڑی محبت تھی اور آپ سب پر انھیں کو ترجیح دیتے تھے اور ان کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے تھے۔ کیونکہ آپ علم کا ایک بے پایاں سمندر تھے۔ آپ صاحب الرائے، بے مثل فقیہ،

---

[1] : ابن جوزی ص۲۳ و ص۱۴۲

[2] : شذرات الذہب ج۱ ص۱۱۹

[3] : ابن جوزی ص۸

[4] : زین العابدین ص۴۶

[5] : صفتہ الصفوہ ج۲ ص۵۵

پاک دامن اور باوقار تھے اور جس طرح چاہتے تھے اپنے شاگردوں پر علم کی بارش فرماتے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو انہیں اندر آنے کی اجازت دیتے۔ شاگرد اندر آتے اور ادب سے بیٹھ جاتے اور اگر نہ چاہتے تو شاگرد واپس چلے جاتے۔ آپ علم کا پورا احترام کرتے تھے۔ خود عمر بن عتبہ کے ہونہار شاگردوں میں شامل تھے۔

عمرؒ ان کے پاس جاتے تو کبھی تو آپ اجازت دے کر آپ کو علم کی تعلیم دیا کرتے تھے اور کبھی اجازت ہی نہ دیتے تھے اور عمرؒ خوشی خوشی واپس آ جایا کرتے تھے جیسے اجازت کی صورت میں خوشی خوشی واپس آ جایا کرتے تھے[1]۔ ابن عتبہ عمرؒ کے دل پر چھائے تھے (عمرؒ کے دل میں ان کی بڑی عظمت تھی) اور نہ صرف اپنے کو بلکہ تمام دنیا کو ان کے مقابل ہیچ سمجھتے تھے۔ ابن عتبہ کا آپ پر بڑا گہرا اثر تھا اور ان کی صورت ہر وقت آپ کی آنکھوں میں پھرتی رہتی تھی۔ بیداری میں اور خواب میں ابن عتبہ ہی کو دیکھتے تھے کہ وہ آپ کو کچھ حکم فرما رہے ہیں اور کچھ نصیحت فرما رہے ہیں اور اس مسئلہ کا حل بتا رہے ہیں۔

ایک دن آپ اپنی بیوی سے فرماتے ہیں فاطمہ! جب مجھے غصہ آتا ہے تو گویا میں اپنے سامنے عبیداللہ کو کھڑا ہوا پاتا ہوں کہ آپ مجھ سے مخاطب ہیں[2] اور مجھے غصہ سے منع فرما رہے ہیں یہ بات اس لئے تھی کہ عمرؒ ابن عتبہ سے بہت مانوس تھے۔ اور آپ کی روح ان کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ان کی عظمت آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ پھر قریب تھا کہ عمرؒ ابن عتبہ کی طرح ہو جائیں اور عنقریب ہو جانے والے ہی ہیں۔

عمرؒ سے روایات و احادیث

عمرؒ اپنے ماموں عبداللہ بن عمر سے حدیث روایت کرتے ہیں اور اپنے والد عبدالعزیز بن مروان سے اور عمر بن ابی سلمہ سے اور سائب سے اور یوسف بن عبداللہ بن سلام سے اور عبادہ بن صامت سے اور تمیم داری سے اور مغیرہ بن شعبہ سے پھر صدیقہ سے اور ام ہانی سے اور خولہ بنت حکم سے روایت کرتے ہیں پھر سعید بن مسیب سے اور عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ سے اور عروہ بن زبیر سے اور عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اور ابو بردہ سے اور عراک بن مالک سے اور زہری سے اور محمد بن کعب سے

---

[1] : ابن جوزی ص۹

[2] : صفتہ الصفوہ ج۲ ص۵۷

اور مطور حبشی سے اور ابو سازم سے اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگوں سے راوی ہیں[۱]۔

عمرؒ سے روایات حدیث کی کمی کی وجہ

عمرؒ حدیث کو مستند لاتے ہیں اور اسے صحابہ کی ایک جماعت سے اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ پھر چونکہ آپ برابر روائتوں میں مشغول نہیں رہے اس لئے آپ کی حدیثیں کم ہیں۔ ہاں آپ سنتوں کے علم میں ایک اونچے مقام تک پہنچے ہوئے تھے اور آپ ثبت، حجت اور حافظ کی جہت تک پہنچ گئے تھے۔ آپ غور کر کے مسائل کا استنباط کر لیا کرتے تھے۔ اور مرتبہ اجتہاد تک پہنچ گئے تھے۔ بہت سے علما آپ سے حدیثیں لیتے ہیں[۲]۔ اور آپ کی طرف بعض وہ شیوخ بھی لوٹتے تھے جن سے آپ نے حدیثیں لی تھیں[۳]۔ حتیٰ کہ اس کے بعد آپ شام جاتے ہیں اور شام کے علماء اور اہل حجاز آپ سے فتوے پوچھتے ہیں۔ تو آپ انھیں برابر جواب دیتے رہتے ہیں[۴]۔ بلکہ جو آپ کو کم علم سمجھتے تھے انھیں بھی آپ کا امتحان لینے کے بعد علم ہو جاتا ہے کہ آپ تو دوسرے سے بے نیاز ہیں۔ حتیٰ کہ میمون بن مہران جو آپ کے ایک شاگرد ہیں فرماتے ہیں۔ ہم یہ خیال کر کے عمرؒ کے پاس آئے کہ آپ ہمارے محتاج ہوں گے مگر اس کے برعکس ہم ان کے شاگرد ہو گئے[۵]۔ یعنی ہم نے انھیں بہت بڑا عالم پایا۔

فاطمہ بنت عبدالملک

جب آپ عروجِ شباب کو پہنچ گئے تو آپ کا دل چاہا کہ اپنے چچا عبدالملک سے سسرالی رشتہ جوڑیں اور ان کی بیٹی فاطمہ کو حبالہ عقد میں لائیں۔ عبدالملک بھی چاہتے تھے کہ عمرؒ کو اپنا داماد منتخب کریں اور ان سے اپنی شہزادی کا نکاح کر دیں۔ پھر جب تقدیر نے اجازت دی اور شادی کا مقررہ وقت آپہنچا (اس وقت عمر شام میں عبدالملک سے ملنے کے لئے تشریف فرما تھے اور آپ کم و بیش بیس سال کے تھے) تو خلیفہ

۱؎ : ابن جوزی ص۱۲ صفۃ الصفوہ ج۲ ص۱

۲؎ : حیات الحیوان جلد۲ ص۹۶

۳؎ : تذکرہ الحفاظ ج۱ ص۱۱۲

۴؎ : ابن جوزی ص۲۸

۵؎ : ابن جوزی ص۲۷

نے بلا تردد آپ سے کہا کہ میں فاطمہ کا آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ عمرؒ نے یہ بات بخوشی مان لی اور آپ چچا جان کے کثرتِ احسانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوتے اور ان کے ان گنت عطیات کا خیال کرتے ہوئے ان کے وفادار بن کر رہے۔

اس وقت عبدالملک عمرؒ سے فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین اپنی بیٹی فاطمہ کا تم سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ عمر جواب دیتے ہیں۔ امیرالمومنین! اللہ تعالےٰ آپ سے اپنا صلہ قائم رکھے۔ بلاشبہ آپ نے مجھے بہت کچھ دیا اور آپ مجھے کافی ہو گئے۔ عبدالملک کو آپ کا یہ جواب بڑا پیارا معلوم ہوا اور مسرت کے مارے کھل اُٹھے اور انھوں نے اس جواب پر آپ کی بڑی تعریفیں کیں۔ اس سے عبدالملک کے بعض بچوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا۔ اور بولے ان کا یہ جملہ رٹا ہوا ہے اسی کو دہرا دیا ہے عبدالملک نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ موقع پا کر اچانک اپنے بچوں پر عمرؒ کی ذکاوت و ذہانت کا اظہار کریں اور اس طرح ان کا غصہ ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ موقع کی تلاش ہی میں تھے کہ ایک دن عمرؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ امیرالمومنین کے بچے بھی موجود تھے۔

عبدالملک عمرؒ سے پوچھتے ہیں۔" آپ کا خرچہ کتنا ہے؟

عمرؒ جواب دیتے ہیں۔ امیرالمومنین! دو برائیوں کے درمیان نیکی ہے۔

امیرالمومنین پوچھتے ہیں۔" وہ نیکی کیا ہے؟

عمرؒ جواب میں یہ آیت پڑھ دیتے ہیں۔" والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً۔ اور وہ جو خرچ کرنے کے وقت اسراف نہیں کرتے اور تنگی کرتے ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔

امیرالمومنین اپنے بچوں سے فرماتے ہیں۔" انھیں یہ جواب کس نے سکھایا۔[1]

قطعات وجاگیریں

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس امت کی روزی گھوڑوں کے کھروں میں اور نیزوں کی نوکوں میں مقرر کر دی گئی ہے جب تک یہ کھیتی نہ کریں۔ پھر جب کھیتی کرنے لگیں تو عام لوگوں میں سے ہوں گے[2] (یعنی مسلمان جب تک جنگی قوت فراہم کرنے میں سرگرم عمل رہیں گے سرخرو رہیں گے ورنہ

---

[1]: ابن جوزی ص۲۷

[2]: الخراج للقرشی ص۸

ذلیل و غلام بن جائیں گے جیسے عوام ہوتے ہیں) جب عربوں نے ممالک فتح کر لئے تو انھیں اجازت نہ تھی کہ زمین خریدیں اور کھیتی کریں یہ کام ذمیوں کے سپرد تھا یا ان نو مسلموں کے جو کھیتی کرنا چاہیں اس میں راویوں کا اختلاف ہے کہ روساء میں سب سے پہلے کس نے جاگیریں بانٹیں ؟ کہا جاتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے نام بئر قیس اور اس کے درخت دے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زبیر کو جرف سے قناۃ تک زمین دی۔ پھر فاروق اعظمؓ نے سات اکابر صحابہ کو زمینیں دیں یعنی سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، خباب بن ارتؓ، اسامہؓ بن زید، زبیر بن عوامؓ کو پھر حضرت اسامہ نے اپنی زمین فروخت کر ڈالی۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ نے حضرت علیؓ کے نام ہبہ کر دیا۔ کہتے ہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو زمین دی پھر فاروق اعظمؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس شخص کے پاس اتنی زمین رہنے دی جتنی اس نے قابلِ کاشت بنا لی تھی۔ اور باقی زمین دوسروں کو دے دیؓ (معلوم ہوا کہ جاگیر میں ملی ہوئی زمین ورثہ میں نہیں دی جاتی بلکہ اس میں بیت المال تصرف کرتا ہے۔ یہی فاروق اعظمؓ نے کیا۔ مگر بنو امیہ کی جاگیروں میں ورثہ بھی جاری ہوتا تھا)

سب سے پہلے جاگیر دینے والے فاروق اعظمؓ ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے بطور جاگیر کے زمین دینے والے حضرت عمرؓ ہیں کیونکہ آپ ہی سب سے پہلے کسریٰ و آلِ کسریٰ کے مالوں اور جائیدادوں پر قابض ہوئے اور ان کی جائیدادوں پر بھی جو اپنی جائیدادوں سے بھاگ گئے یا لڑائی میں قتل کر ڈالے گئے اور پانی کے چشموں وغیرہ پر بھی اور جنگلات پر بھی فاروق اعظمؓ ان تمام چیزوں میں سے جسے جس قدر چاہتے دے دیا کرتے تھے۔ یہ تمام چیزیں بمنزلہ اس غیر منقولہ مال کے ہیں جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو اور نہ کسی کو ورثہ میں ملا ہو۔ ان میں سے جن کو فاروق اعظمؓ نے زمینیں دیں ایک شخص ابن سندر بھی تھا۔ اسے حضرت عمرؓ نے منیتہ الاصبغ دیا تھا۔ آپ نے بجز ابن سندر کے کسی کو مصر کی سر

لہ : الخراج للقرشی صـــ

ٹہ : ابو یوسف صاحب خراج لکھتے ہیں۔ اس مال میں سے عادل امام اسے جس نے اسلام میں کوئی شاندار کارنامہ انجام دیا ہو دے سکتا ہے اور اسے محل میں خرچ کر سکتا ہے لیکن طرفداری کے طور پر نہیں۔ دیکھو الخراج صـ۵۷

زمین میں سے کوئی قطعہ نہیں دیا۔ یہ قطعہ ابن سندر کے پاس مرتے دم تک رہا اور پھر اسے اصبغ بن عبدالعزیز نے اس کے رشتہ داروں سے خرید لیا اور اصبغ کے نام پر اس کا نام مشہور ہو گیا۔

کہتے ہیں مصر میں اس سے زیادہ زرخیز اور پرانا کوئی قطعہ نہ تھا۔[1]

ابن سندر کو جاگیر دینے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ زنباع جذامی کا ایک عیسائی غلام تھا جس کا نام سندر تھا۔ ایک دن زنباع نے دیکھا کہ غلام اس کی لونڈی کا بوسہ لے رہا ہے۔ اس پر اس نے غصہ میں آکر اس کا عضو مخصوص کاٹ دیا اور دونوں کان بھی کاٹ دئے اور ناک بھی کاٹ دی۔ سندر نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے زنباع کو بلا کر فرمایا۔ غلاموں پر ناقابل برداشت بوجھ نہ لادو اور انھیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو پھر اگر تم ان سے خوش ہو تو انھیں روکے رکھو اور ناخوش ہو تو فروخت کر ڈالو اور اللہ کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور جسے مثلہ کیا جائے یا آگ میں جلایا جائے وہ آزاد ہے۔ اور وہ اللہ کا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مولا ہے چنانچہ سندر آزاد ہو کر مسلمان ہو گیا۔ لیکن اس کے بس کا کوئی کام نہ تھا اور نہ وہ اپنے نفس کو فائدہ پہنچانے پر قادر تھا۔ بولا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے سلسلے میں کچھ حکم فرمائیے۔ فرمایا! میں ہر مسلمان کو تیرے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہوں۔ پھر سندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی رہنے لگا۔ آپؐ اس کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ پیش آتے رہے۔ پھر جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری زور پکڑ گئی تو سندر بولا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم لوگ معذور ہیں جیسا کہ آپ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ کے بعد ہمارا کون ضامن ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ میں ہر مومن کو تمہارے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے تو سندر نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر کہا کہ آپ میرے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کریں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا خرچا اپنے ذمے لے لیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی اپنے اللہ سے جا ملے۔ پھر سندر نے حضرت عمرؓ سے آکر کہا

---

[1]: یہ علاقہ مشرقی مصر میں ہے۔ معجم البلدان ج ۱ ص ۱۸۸

کہ میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کیجئے۔ فاروق اعظم نے فرمایا۔ ہاں اگر تو نے میرے پاس ٹھہرنا چاہا تو میں تجھے وہی وظیفہ دوں گا جو حضرت ابوبکرؓ دیا کرتے تھے۔ ورنہ جس علاقے کی زمین تو چاہے گا وہیں کی زمین تیرے نام کر دوں گا۔ سندر بولا مجھے مصر میں زمین دے دیجئے کیونکہ وہ علاقہ زرخیز ہے۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو لکھ دیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی حفاظت کرو۔ پھر جب سندر حضرت عمرو کے پاس پہنچتا ہے تو آپ اسے ایک وسیع قطعہ زمین دے دیتے ہیں۔ اور گھر بھی اور سندر اس میں زندگی گزار کر مرجاتا ہے۔ پھر اس کی جائیداد پر بیت المال قبضہ کر لیتا ہے۔[1]

شام میں فاروقِ اعظمؓ کے دئے ہوئے قطعات

شام میں فاروق اعظم کے دئے ہوئے قطعات

اسلامی فوج کے لئے تھے جب وہ بردٰی کے مرغزار میں جمع ہو گئے تھے۔ جو مزّہ اور مرغزار شعبان کے (جو بردٰی کے دو کنارے ہیں) مابین واقع ہے۔ یہ چراگاہ دمشق والوں کے لئے اور دمشق کے دیہاتیوں کے لیے مفت چھوڑ دی گئی تھی اور کسی کی ملک نہ تھی۔ چنانچہ اسلامی فوج وہاں ٹھہر گئی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی اس زمین کو اسلامی فوج کے گھوڑوں کے کھروں سے روندوایا اور دشمن کو ذلیل ورسوا کر دیا اور ہر شخص نے اپنی اپنی جگہ آباد کر لی اور اس میں مکان بنانے لگے۔ جب اس سلسلے میں فاروق اعظمؓ کو لکھا گیا تو آپ نے سب کو اجازت دے دی۔ چنانچہ لوگوں نے وہاں اپنے اپنے گھر بنا لئے اور درخت لگا لئے پھر انہیں حضرت عثمانؓ نے اور آپ کے بعد میں آنے والے خلفاء نے بحال رکھا۔[1]

کیا قطعات دینے والے حضرت عثمانؓ ہیں

شام کے قطعات کے بارے میں اسی طرح کہا جاتا ہے لیکن بعض لوگ انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے قطعات نہیں دئے تھے۔ نہ حضرت ابوبکرؓ وعلیؓ نے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے قطعات دینے والے حضرت عثمانؓ ہیں۔ آپ ہی کے زمانے میں زمینیں فروخت کی گئیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ رومیوں کو حق تعالیٰ

---

[1] : تاریخ شہر دمشق ج ۱ ص ۵۹۳، ص ۵۹۶

نے شکست دی اور وہ اپنی تمام مملوکہ چیزوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لہٰذا ان کے کھیت اور دیہات مسلمانوں کے لئے خالی ہو گئے اور ان پر وقف ہو گئے اور مسلمانوں کے حاکم کی کفالت میں رہے۔ ان کی آمدنی بیت المال میں جاتی تھی اور بیت المال خرچ اور خراج نکال لیتا تھا۔

قطعات کے لئے حضرت عثمانؓ سے معاویہؓ کی درخواست

پھر معاویہؓ نے شام پر اپنی امارت کے زمانے میں حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ جن لوگوں کے نام قطعات ہیں وہ یہاں آنے والے اسلامی فوج کے وفدوں کا خرچ نہیں اٹھاتے نہ ان کے امرا کے قاصدوں کا اور نہ روم سے آنے والے پیامبروں کا اور وفدوں کا اٹھاتے ہیں۔ آپ نے اس خط میں وہ کھیت دکھائے جو شام میں خالی ہو گئے تھے۔ اور ان کی تعیین کر کے حضرت عثمانؓ پر وضاحت کی اور درخواست کی کہ یہ تمام جائیداد میرے نام کر دی جائے تاکہ میں اس کی آمدنی مذکورہ بالا مدّوں پر خرچ کروں۔ اور یہ بھی وضاحت کی کہ یہ اہل خراج کے دیہات نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے یہ جائیداد معاویہ کے نام کر دی اور اس سلسلے میں ایک تحریر بھی دے دی کہتے ہیں یہ جائیداد حضرت معاویہؓ ہی کے قبضہ میں رہی۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان شہید کر دئے گئے اور خلافت پر حضرت معاویہ قابض ہو گئے پھر آپ نے یہ جائداد بحال رکھی۔ پھر آپ نے اسے اپنے بعد اپنے خاندان کے اور مسلمانوں کے فقرا پر وقف کر دی۔

قطعات کے لئے شرفا کی درخواست

کہتے ہیں کہ پھر شرفائے قریش وعرب نے حضرت معاویہؓ سے درخواست کی کہ جو کھیت باقی ہیں اور وہ حضرت عثمانؓ نے کسی کو نہیں دئے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اب یہ ان کے مال ہو گئے جن میں وہ ہر قسم کا تصرف کرتے تھے۔ فروخت بھی کر دیتے تھے مہروں میں بھی دیتے تھے اور یہ ورثوں میں بھی بٹ جاتے تھے۔ پھر معاویہؓ نے دیہات اور گھر بھی بانٹ دئے۔ لیکن یہ حکم پوری طرح نافذ نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا اور انھوں نے اس پر اعتراض کیا۔ آخر کار معاویہؓ کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو مصر کے فیوم کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات دے دیا تھا۔ لوگوں نے اسے اچھا نہیں سمجھا اور اس پر نکتہ چینی کی۔ پھر جب معاویہؓ

کو نکتہ چینی کی خبر لگی تو لوگوں کی نکتہ چینی سے ڈر کر انہوں نے اس دیہات کو خراج کی طرف لوٹا دیا جیسے وہ پہلے مسلمانوں کے لئے تھا۔ حضرت معاویہؓ ایک موٹے تازے اونٹ کی طرح تھے۔ اگر ایک قدم آگے بڑھاتے تھے تو دوسرا قدم پیچھے ہٹا لیتے تھے۔ آپ ایک حکم نافذ کرنا چاہتے اگر اسے عرب تسلیم کر لیتے تھے تو نافذ فرماتے اور اگر تسلیم نہیں فرماتے تھے تو نافذ نہیں فرماتے تھے۔[۱]

قطعات کے لئے شرفا کی درخواست عبدالملک سے

پھر جب حکومت عبدالملک کے ہاتھ آئی تو ابھی کچھ ایسے کھیت باقی تھے جن کو معاویہؓ نے کسی کے نام نہیں کیا تھا تو شرفاؑ نے ان کھیتوں کو اپنے نام کرانے کی کوشش کی۔ عبدالملک نے تمام کھیت شرفا کو دے دئے۔ پھر عبدالملک نے خراج کی زمینوں میں سے ایک زمین دیکھی جس کے مالک مر گئے تھے اور ان کے وارث نہ تھے تو شرفا کو اس میں سے بھی قطعات دئے اور اس کا خراج معاف کر دیا۔ اور ایسا کرنا جائز خیال کیا جیسے بیت المال میں سے خواص کو انعامات دئے جاتے ہیں

لوگوں کی خلفاؑ سے ذمیوں کے مقبوضہ دیہاتوں کی زمین کی درخواست

پھر لوگوں نے عبدالملک ولید اور سلیمان سے ذمیوں کے مقبوضہ دیہاتوں کی زمین کے قطعات کے بارے میں درخواست کی کہ یہ مسلمانوں کی زمین شمار کی جاتی تھی۔ لیکن ذمیوں کو اس شرط پر دے دی گئی تھی کہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس کا خراج ادا کرتے رہیں۔ لیکن کسی کو اس کی خرید و فروخت کا اختیار نہیں دیا تھا۔ لیکن ان خلفاؑ نے یہ زمین شرفا کو نہیں دی۔ پھر لوگوں نے درخواست کی کہ اس زمین کو ذمیوں سے خریدنے کی اجازت دے دی جائے تو خریدنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہیں سے زمین، دیہات اور گھر کے لوگوں کے لئے ہاتھوں میں آتے جاتے رہے۔

بنو امیہ کے نزدیک خالی زمینیں حلال تھیں

بنو امیہ کے نزدیک خالی زمینیں جن کے مالک مر گئے یا چلے گئے ہوں حلال تھیں اور ان کا خریدنا اور ان میں بنانا جائز تھا۔ لیکن بنو ہاشم کے نزدیک حرام تھیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں اگر یہ بنی امیہ کے لئے حلال ہیں تو بنی ہاشم کے لئے حرام ہیں اور اگر بنی امیہ پر حرام ہیں

تو بنی ہاشم کے لئے بدرجہ اولیٰ حرام و ناجائز ہیں۔

قطعاتِ عمرؒ عمرؒ بن عبد العزیز جب اپنے مال میں تصرف کرنے کے قابل ہو گئے۔ اور شادی کی عمر پہنچ گئے تو آپ کو (علاوہ اس جائیداد کے جو آپ کو باپ کی اور خاندان والوں کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی) بنو امیہ نے تحائف میں جائیدادیں دیں۔ یہ عطیات بے شمار تھے اور بھاری بھاری جائیدادیں مختلف شہروں (حجاز شام مصر اور بحرین وغیرہ) میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور آپ کے لئے بعض خلفاء ایسے قطعات سے دست بردار ہو گئے تھے جو کافی آمدنی والے تھے۔ لوگوں نے اپنی خوشی سے جو کچھ عمر بن عبد العزیز کو دیا۔ آپ نے اسے بخوشی قبول فرما لیا۔ خواہ یہ مال کہیں سے آیا ہو۔ خواہ ورثہ کا ہو یا مظالم و حرام کی راہ سے آیا ہو۔ اس سلسلے میں آپ پر تو کوئی گناہ نہیں۔ گناہ تو اس پہ ہے جس نے اسے حرام طریقہ سے حاصل کیا ہو۔ عمر نے کسی کے ہدیے کو رد نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے یہ کرید بھی نہیں کی کہ کس طرح کمایا گیا ہے۔ حلال سے یا حرام سے حتیٰ کہ ان مالوں کی وجہ سے آپ امیر کبیر بن گئے بہت سے امراء کے پاس اتنا مال نہ تھا جتنا آپ کے پاس تھا۔

حجاز میں آپ کے قبضہ میں سویدا اور خیبر اور فدک تھا۔ یمن میں مکیدس اور کوہ ورس تھا۔ شام میں سرزمین بعلبک میں بدامہ اور جزین تھا[1]۔ اور مصر یمامہ اور بحرین میں متفرق قطعات تھے۔ ان میں سے بعض قطعات کی دستاویزیں تھیں اور بعض کی نہ تھیں یہ قطعات اس قدر تھے کہ عمر انہیں گن نہ سکتے تھے اور نہ آپ نے سب کو دیکھا تھا۔ ان سے آپ کو زبردست آمدنی تھی۔ لوگوں کا اندازہ ہے کہ ان سے آپ کو چالیس ہزار دینار سالانہ آمدنی تھی یعنی ۳½ ہزار دینار ماہانہ کی۔

خناصرہ[2] کی امارت جب عمرؒ بن عبد العزیز بیس سال سے آگے بڑھ گئے اور عمرؒ عبد الملک نے دیکھا کہ علم و اجتہاد کے اور جاہ و شان کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جس نے

---

[1]: بدامہ اور جزین سرزمین صیدا میں ہیں۔ بعلبک میں نہیں مگر تاریخ دمشق صـ۹۸ میں اسی طرح ہے غالباً یہ لفظ حزین ہوگا جو بعلبک میں ہے۔

[2]: علاقہ حلب میں یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو صوبا کے پاس قنسرین کے مد مقابل ہے۔ وفیات الاعیان میں ہے کہ عمرؒ کو یہاں کا امیر سلیمان نے بنایا تھا۔ دیکھو ج صـ۳۵۱

انھیں لوگوں پر امارت کے لائق بنا دیا ہے تو ایک قریب ہی کے چھوٹے سے علاقہ پر عبدالملک نے انھیں امیر بنانا چاہا۔ تاکہ امارت کے رنگ ڈھنگ سیکھ لیں۔ اور تجربات و معلومات میں اضافہ کر لیں۔ چونکہ عبدالعزیز بن مروان فوت ہو گئے تھے اور عبدالملک کے بعد حقدار خلافت ولید و سلیمان تھے۔ کیونکہ یہی یکے بعد دیگرے ولی عہد تھے۔ اور عبدالعزیز کی اولاد کو خلافت سے محروم کر دیا تھا۔ اس لئے عبدالملک نے عمرؓ سے باپ کی وفات کا صدمہ بھی دور کرنا چاہا۔ اور انھیں خلافت سے محروم کرنے کے بعد خوش کرنا بھی چاہا۔ اور ۸۵ھ میں خناصرہ کی ولایت دے کر ان کے آنسو پونچھے۔ عمرؓ عبدالملک کی وفات تک اور ولید کے خلیفہ بننے تک بطور حاکم اس علاقے میں ٹھہرے رہے۔ پھر ولید نے ہشام بن اسماعیل کو معزول کر کے مدینہ منورہ کی امارت بھی ان کے سپرد کر دی[1]۔

---

[1]: معجم البلدان ج ۳ ص ۴۶۷

مدینہ منورہ کی امارت

ہوشیاری کا آغاز چونکہ عبدالملک بن مروان کو عمرؒ بن عبدالعزیز سے انتہائی محبت تھی اس لئے ولید اس سے بہت متاثر تھا۔ اور اس سے بھی متاثر تھا کہ عمرؒ عموماً لوگوں کی اور خصوصاً بنی امیہ کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ اور ولید کی ہمشیرہ فاطمہ سے عمرؒ بن عبدالعزیز کا نکاح بھی ہو گیا تھا اور آپ کا سسرالی تعلق بھی ہو گیا تھا۔ پھر جب ولید خلیفہ بن گیا اور عمرؒ ۲۵ سال کے ہو گئے تو ولید نے آپ کو مدینہ کا حاکم بنا دیا۔ اور ہشام بن اسماعیل مخزومی کو جو لوگوں کو ایذا پہنچاتا تھا اور انھیں ستاتا تھا۔ اور خاص طور سے اہل بیت کے پیچھے پڑا ہوا تھا معزول کر دیا تاکہ عمرؒ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کا جوش ٹھنڈا ہو۔ اور ان کے دلوں کی نفرت دُور ہو جائے۔

مدینہ کی حکومت جب ولید نے ولایت مدینہ کے بارے میں عمرؒ کو لکھا تو انھوں نے یہ عہدہ قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا۔ کیونکہ انھیں مدینہ والوں پر ہشام کے مظالم معلوم تھے۔ آخر کار ولید نے آدمی بھیج کر معلوم کرایا کہ عمرؒ اس عہدے کو قبول کیوں نہیں کرتے۔

پیغام بر نے آکر جواب دیا کہ عمرؒ کہتے ہیں مجھے تین باتوں کی وجہ سے پس و پیش ہے۔ ولید نے کہا انھیں فوراً بلا لا۔ عمرؒ آئے اور ولید سے بولے آپ کے والد محترم نے ہشام کو مدینہ کا حاکم بنایا تھا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ظلم و زیادتی کرنے والے کے افعال پر میری گرفت نہ کریں لیکن ولید نے عمرؒ کا یہ عذر قبول نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تو اہل مدینہ کی رضا کا خواہش مند تھا۔ اور یہ جواب دیا کہ حق و انصاف سے انتظام کیجئے۔ اگرچہ آپ ہمیں ایک درہم بھیجیں[1]۔

ربیع الاول ۸۶ھ میں عمرؒ حاکم بن کر مدینہ منورہ آتے ہیں۔ اور زینت اور شان و شوکت کے ساتھ جلوس میں آنے کو نہیں بھولتے۔ چنانچہ ایک بڑے جلوس کے ساتھ جس میں تیس اونٹ ہوتے ہیں۔ آپ مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ مدینہ والے آپ کی آمد سے خوش ہوتے ہیں۔ اور آپ اپنے دادا مروان کے گھر میں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت وسیع اور شاندار گھر تھا۔ پھر لوگ آکر عہدۂ امارت آپ کے حوالے کرتے ہیں اور آپ کو بہت بہت مبارکبادیاں دیتے ہیں۔ اور آپ کے حق میں نیک خواہشوں کا اظہار کرتے ہیں[2]۔

---

[1]: ابن جوزی ص ۳۲

[2]: طبری ج ۵ ص ۲۱۶

عمرؓ مدینہ میں اسی ہیئت میں داخل ہوتے ہیں جس ہیئت میں آپ اس میں رہا کرتے تھے جب کہ آپ بچے تھے۔ آپ سے خوشبو کی لپٹیں اُڑ رہی تھیں۔ بال چھوڑے ہوئے ہیں۔ تہ بند جوتوں پر پڑا ہوا ہے۔ دامن گھسیٹتے ہوئے فخر و خود داری سے عمری چال میں اٹھلا اٹھلا کر چل رہے ہیں۔ غرضیکہ بچپن کی کوئی ایسی ادا ایسی نہ تھی۔ جو آپ اس وقت چھوڑے ہوئے ہوںؓ۔ اور بھول گئے ہوں۔

علماءؑ سے مشورہ لیکن عمرؓ نے ولید سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ظالم کے کاموں پر مجھ سے باز پرس نہ کی جائے۔ آپ نے سوچا یہاں کوئی جدید طریقہ آزمایا جائے جو عناصرہ میں فراہم نہ تھا۔ یا شاید آپ نے وہاں وہ طریقہ ایک تنگ میدان میں آزمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے مشورے سے کام کا آغاز کیا جانا مناسب سمجھا تاکہ آپ سے کسی ایسے مسئلے کے بارے میں نہ پوچھا جائے جس میں مدینہ والوں کی رائے اور رجحان ثابت نہ ہو۔

اس وقت مدینہ علماءؑ، زہاد اور واعظوں سے بھرپور تھا۔ علماء میں سے سات علماء بہت مشہور و معروف تھے جو ہم عصر تھے اور صحابہ کے بعد انھیں سے لوگ علم دین حاصل کیا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے۔ یہ ساتوں لوگوں کے سردار اور اکابر تابعین میں سے تھے۔

یہ سات علماءؑ ایسے نہ تھے کہ کلام لیپ پوت کر پیش کرتے۔ اور ان کا کلام دِلوں پر اثر نہ کرتا۔ اگرچہ وہ لطیف و رقیق اور دل پسند ہوتا اور ان کا وعظ مفید نہ ہوتا خواہ کتنا ہی بلند پایہ فصیح و بلیغ ہوتا۔ بلاشبہ یہ علماءؑ صحیح صحیح مسائل پیش کرنے والے تھے۔ ملمع سازی اور گڑبڑ کرنے والے نہ تھے کہ تکمیل ریاست کے لئے لوگوں کو غلط مسائل بتاتے اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے۔ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی ان کی عادتوں میں داخل نہ تھی۔ بلکہ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ اور ان میں خلوص ہی کارفرما تھا۔ اور ان کے اعمال سے ان کے علوم کی تصدیق ہوتی تھی۔ اور ان کے اقوال سے ان کے عزائم کی۔ اس لئے یہ ساتوں امام تھے جن کی پیروی کی جاتی تھی۔ اور ان کے کلام پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ اور ان کے احکام مانے جاتے تھے۔

ان میں سے دو فضیلت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ اور دونوں میں ایک دوسرے سے افضل ثابت ہونا چاہتے تھے۔ یہ دونوں سعید بن مسیّب بن حزن اور سلیمان بن یسار

لہ: ابن عبدالحکم صہ ۲۰

تھے۔ یہ دونوں تابعین کے طبقہ اولیٰ میں سے ہیں۔ ان علماء میں جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے و ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اب سعید ہی باقی رہ گئے تھے[1]۔ اور سلیمان بن یسار جو اُم المومنین حضرت میمونہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ بڑے سمجھ دار، عابد، پارسا، ثقہ اور حجت ہیں اور مدینہ والوں کے نزدیک سعید سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ آپ بہت سے علماء سے روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور ام سلمہؓ بھی شامل ہیں۔ پھر ان سے زہری اور اکابر کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ اگر کوئی فتویٰ پوچھنے والا سعید سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو سعید اس سے فرماتے ہیں کہ سلیمان کے پاس جاؤ۔ اس زمانے میں علماء میں سب سے زیادہ عالم وہی رہ گئے ہیں۔ سلیمان احکام طلاق کو مدینے والوں سے زیادہ جانتے تھے[2]۔ باقی پانچ علماء تابعین کے دوسرے طبقہ کے ہیں۔ یعنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ، قرشی مخزومی، خارجہ بن زید بن ثابت انصاری، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اور آپ کی خالہ جان کے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب۔

ابن عتبہ قریش کے راہب اور عالم و عابد ہیں۔ آپ کی بہت سے صحابہ سے ملاقات ہے آپ نے ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور صدیقہؓ سے حدیثیں سُنیں۔ پھر آپ سے زہری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ جب زہری نے علم حدیث حاصل کرنے کے لئے آپ سے ملاقات کی تو آپ کے بارے میں فرمایا۔ میں نے علم میں بہت کچھ سُنا اور خیال کیا کہ یہی مجھے کافی ہے۔ حتیٰ کہ میں نے عبیداللہ سے ملاقات کی تو گویا میرے پاس کچھ بھی علم نہیں تھا[3]۔

اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن ایک عالم ہیں اور کثرت سے نماز و عبادات میں مصروف رہنے والے آپ بھی راہب قریش یا راہب مدینہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ابومسعود انصاریؓ، ابوہریرہؓ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں[4]۔

خارجہ بن زید ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ آپ نے اپنے والد .... زیدؓ سے علم الفرائض

---

[1]: صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۴۴

[2]: وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۳۶

[3]: وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰۰

[4]: صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۵۰

سیکھا۔ آپ کے والد اکابر صحابہ میں سے ہیں جو علم الفرائض میں اور میراث بانٹنے میں ماہر تھے۔ زید کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ فرائض جاننے والے زید ہیں۔

قاسم و سالم دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔ اور دونوں کی مائیں یزدجرد بن کسریٰ کی شہزادیاں ہیں۔ قاسم بہ نسبت سالم کے زیادہ علم والے ہیں[۱]۔ قاسم رعب دار اور پر وقار شخص ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جسے جانتے ہیں۔ ان سے زیادہ کوئی سنت کو جاننے والا نہیں۔ عمرؒ بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے۔ اگر مجھے ذرا سی بھی اختیار ہوتا تو میں قاسم بن محمد کو خلیفہ بنا دیتا[۲]۔

سالم سید، عالم اور ثقہ ہیں۔ اپنے باپ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں پھر ان سے زہری اور نافع روایت کرتے ہیں۔ سالم زاہد و گوشہ نشین تھے۔ کمبل کا لباس پہنتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے اور مستغنی تھے۔ آپ کا جسم اچھا اور حسین تھا۔ فرماتے ہیں میں ایک دن ولید بن عبدالملک کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا آپ کا جسم کتنا سڈول ہے؟ کیا کھایا کرتے ہو؟ میں نے کہا۔ روغن زیتون سے روٹی۔ پوچھا تم کو بھوک لگتی ہے۔ میں نے کہا جب تک بھوک نہیں لگتی نہیں کھاتا اور جب خوب بھوک لگ آتی ہے تب کھاتا ہوں۔ سالم کہا کرتے تھے۔ گوشت کی ہمیشگی سے بچتے رہو۔ کیونکہ اس کی لت شراب کی سی ہے[۳]۔

سالم انتہائی بے پرواہ اور سوال سے بچنے والے تھے۔ ایک دفعہ ولی عہد ہشام بن عبدالملک کعبہ اقدس میں داخل ہوئے تو وہاں سالم کو پایا۔ سالم سے بولے کچھ مانگنا ہے تو مانگو۔ بولے اللہ کے گھر میں مجھے غیر اللہ سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پھر جب دونوں بیت اللہ سے باہر آگئے تو ہشام بولے اب ہم نکل آئے ہیں۔ اب مجھ سے مانگ سکتے ہو۔ فرمایا دنیوی ضرورت کی چیزیں مانگوں یا آخروی ضرورت کی چیزیں۔ بولے دنیوی ضرورت کی چیز مانگو۔ فرمایا۔ دنیوی ضرورت کی چیز تو میں اس سے بھی نہیں مانگتا جو مالک ہے۔ بھلا میں اس سے کیسے مانگ سکتا ہوں جو مالک بھی نہیں[۴]۔

۱: وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۲۴
۲: صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۴۹
۳: وفیات الاعیان ج ۲ ص ۹۴ - ۴: صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۵۱

عمرؒ نے سعید بن مسیب کو ان کے ضعف و کبر سنی کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ ان کے اور ولید و بنی امیہ کے درمیان خصوصیت تھی چھوڑ کر باقی چھ علماء سے مشورہ کرنا چاہا۔ اور ان چھ کے ساتھ چار چوٹی کے عابد پارسا اور علماء (یعنی عروہ بن زبیرؒ، ابوبکر بن سلیمان بن خیثمہ، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ) کو اور بلا لیا۔ اب یہ دس چوٹی کے علماء ہو گئے۔

دنیا میں ان سے زیادہ عبادت گذار عالم اور خشیتِ الٰہی رکھنے والا کوئی نہ تھا بجز اس کے جو اپنی کبر سنی اور کمزوری کی وجہ سے عمرؒ کی دعوت پر لبیک کہنے پر قادر نہ تھے۔ سوا علی بن حسین (زین العابدین) کے۔ پھر عمرؒ ان دس اکابر کو مشورے کے لئے بلا لیتے ہیں تاکہ ان کی رایوں کے مطابق کوئی قدم اٹھایا جائے۔

علماء مجلسِ شوریٰ میں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ عمرؒ انھیں اپنے عزائم سے آگاہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے آپ حضرات کو ایک ایسے کام کے لئے بلایا ہے جس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ اور آپ حق پر مددگار ثابت ہوں گے۔ اور میں آپ سب کے یا حاضرین کے مشورے کے بعد ہی کسی کام کا فیصلہ کرسکتا ہوں۔ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مظالم کی چھان بین کریں اور مجھے اطلاع دیں چنانچہ علمائے مجلسِ شوریٰ عمرؒ کو دعائیں دیتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔

عمرؒ کے رجحانات

عمرؒ نے ان صالح علماء کو اس لئے بلایا تھا کہ یہ عمر کی اعانت کریں۔ اور انھیں صحیح مشورہ دیں۔ لیکن ان علماء نے جس راہ کی نشاندہی کی تھی اور جو متفقہ مشورہ دیا تھا۔ عمر اس کی طرف پورے پورے مائل نہیں ہوئے۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ عمر ان سے یا کسی اور سے طعن و تشنیع کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ اور یہ امر بھی ظاہر تھا کہ عمر ان کے علم کے بچپن ہی سے قائل تھے۔ اور ان سے متاثر تھے۔ جب مدینہ میں بچپن میں تعلیم و تربیت پایا کرتے تھے۔ اس لئے یہ عمدہ مثال ان کے لئے عظیم تھی۔ اور یہ صالح نمونہ ان کی نگاہ میں جلیل القدر اور مقدس تھا۔ آپ کی نگاہ میں ابن ہبیرہ اونٹوں کے ایک شفیق چرواہے کی مانند تھے۔ کہ وہ ان کے ساتھ سنگدلی سے اس لئے پیش آتا ہے کہ انھیں ہلاکت گاہوں سے بچائے اور ان کی نگاہ میں قاسم تمام لوگوں میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ اور زین العابدین لوگوں کے سردار تھے۔ نئی پود کے لئے جو ناتجربہ کار ہوتے ہیں اور عملی زندگی میں پہلا قدم رکھتے ہیں نمونہ اور مثال کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ تجربہ کار جوان اور معمر حضرات تجربات و نمونہ کو نہیں دیکھتے۔ لیکن جب ایک ناتجربہ کار مقتدی لوگوں کا حاکم بن جاتا ہے تو معاملہ الٹ جاتا ہے۔

باوجودیکہ عمرؓ نے ان علماء کے بارے میں اپنی رائے نہیں بدلی تھی۔ اور آپ ان کے مشوروں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن تاریخ خاموش ہے اور یہ نہیں بتاتی کہ عمرؓ کو ان اکابر علماء نے کیا کیا مشورے دئے۔ اور عمرؓ نے ان پر کہاں تک عمل کیا۔

علماءؒ کی رائے سے قدرے انحراف

اس حال میں کہ عمرؓ ان علماءؒ کے مشوروں کی طرف مائل تھے۔ ان سے اعراض کر کے دوسری طرف بھی جھک گئے تھے۔ اور خاص طور سے اپنی ذات میں ان کی راہ سے قدرے ہٹے ہوئے تھے اور اس راہ پر بھی گامزن تھے۔ اور دوسری راہ پر بھی۔ اور آپ نے اپنے لئے کوئی مخصوص و خالص راہ مقرر نہیں کی تھی کہ اس سے چپٹے رہتے۔ بلکہ علم کے ساتھ روایت شعر بھی جمع کر لیتے تھے اور فقہ کے ساتھ غزلیں گیت اور علم موسیقی بھی ملا دیا کرتے تھے۔

اشعار سے دلچسپی

اخطل سے مروی ہے کہ عمرؓ نے عبدالملک کے سامنے اشعار پڑھے اور ابن خلیم سے بھی یہی منقول ہے۔[1] آپ نے شعراءؒ اور ادباءؒ کو اشعار سُنانے کے لئے اندر آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ چنانچہ دکین راجز نے آپ کو اشعار سنائے اور آپ نے اسے عمدہ اونٹوں میں سے پندرہ اونٹ انعام میں دئے۔[2] آپ کے پاس نغیب مسجد میں پہنچتا ہے آپ اس کو حکم کرتے ہیں کہ میرے محترم والد کی وفات پر اشعار بنا۔ نغیب عرض کرتا ہے کہ یہ حکم نہ فرمائیے۔ آپ کو صدمہ ہوگا۔ پھر آپ کہتے ہیں اچھا تو غزل پڑھ کر سنا چنانچہ وہ آپ کو غزل سُناتا ہے۔ اور آپ اسے انعام دیتے ہیں۔ پھر آپ کے پاس حمید اعجمی جو کثرت شراب پینے کی اور اس کے وصف کی وجہ سے شراب کے بھائی (اخوالخمر) کے لقب سے مشہور ہے آتا ہے۔ آپ اسے دھتکارتے نہیں اور اس کے اشعار سنتے ہیں۔[3] (یہ حال عمرؓ کی جوانی کے زمانے کا ہے جب کہ آپ مدینہ منورہ پر حکمران تھے۔ آپ نے یہ تمام لغو باتیں خلافت سے پہلے ہی چھوڑ دی تھیں)

اشعار سے تاثر و مسرت

عمرؓ مختلف اور دل پسند الحان سن کر تڑپ اُٹھتے ہیں۔ اور انتہائی محفوظ ہوتے ہیں۔ اور دیر تک ہاتھ اور پیر ہلاتے رہتے ہیں۔ پھر

---

[1] : الموشح ص۱۳۷

[2] : اغانی جلد ص۱۴۹

[3] : معجم البلدان ص۳۳

خوش الحانی سے گانے گتے ہیں۔ لیکن آپ نے علم موسیقی کو حقیر و رذیل کاموں کے لئے استعمال نہیں کیا۔ بلکہ طبیعت حساس پائی تھی۔ اور اظہار علم مقصود تھا تاکہ آپ پر ترکیب نسبتیں منکشف ہو جائیں اور ان کی حکمتیں ظاہر ہو جائیں۔ اس لئے آپ کا کسی اس قسم کے کام پر دیر تک قائم رہنا اچھا اور قابل ستائش تھا۔ اگرچہ صلحا کے نزدیک اس عادت سے شرع سے تعدے بغاوت ہے۔ عمرؒ بھیگی ہوئی آواز و خوش الحانی سے گاتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا پر سوز لہجہ بعض نمازیوں کو بھی نماز سے غفلت میں ڈال دیتا تھا۔

مسجد میں بلند آواز سے تلاوتِ کلام پاک

کہا جاتا ہے ایک دن آپ مسجد میں گئے اور سعید بن مسیب کے قریب نماز پڑھی اور بلند آواز سے تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو گئے۔ سعید نے اپنے غلام برد سے کہا۔ برد اہمارے پاس سے اس قاری کو ہٹا دے کیونکہ یہ اپنی نماز سے ہمیں ایذا پہنچا رہا ہے۔ لیکن عمرؒ نماز و تلاوت میں برابر مشغول رہے۔ سعید اپنے غلام سے دوبارہ کہتے ہیں۔ برد! اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم سے یہ قاری ہٹا دے۔ لیکن غلام امیر سے بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا اس نے بلند آواز سے سعید سے کہا مسجد ہماری نہیں ہے۔ عمرؒ سعید کی یہ بات سن کر معاملہ بھانپ گئے۔ اور جوتے لے کر ان کے پاس سے ہٹ کر مسجد کے ایک گوشے میں چلے گئے۔ اور آپ نے وہاں جاکر نماز پڑھی[1]۔

قرآن پاک کی تلاوت سننے میں دلچسپی

عمرؒ بنا سنوار کر تلاوت پسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے مسلم بن جندب سے جو مسجد کے واعظ و قاری تھے۔ قرآن سنا۔ جو قرآن پاک بہترین ترتیل سے پڑھ رہے تھے آپکو ان کی قرأت بہت اچھی معلوم ہوئی اور فرمایا اگر کوئی قرآن کو تر و تازہ سننا چاہے تو مسلم بن جندب کی قرأت سنے[2]۔

عمرؒ میں ایک تیسرا رجحان

لیکن عمرؒ میں ان دونوں رجحانوں کے درمیان ایک تیسرا رجحان بھی پایا جاتا تھا۔ اور وہ مذاق و خوش طبعی کا

---

[1] : ابن عبدالحکم ص ۲۲

[2] : والبیان التبیین ج ۱ ص ۲۴۶، تاریخ آداب العرب ج ۱ ص ۲۹۶

رحجان تھا۔ لیکن آپ اس میں درمیانی راہ پر قائم رہتے تھے اور نکتہ اعتدال سے اور خصوصاً وقار سے نہیں ہٹتے تھے۔

ایک عالم پر غصہ

علماءٔ کے مشورے کی طرف رحجان عمرؒ کے حق میں اچھا تھا۔ علما انہیں ان کی خواہشوں میں شتر بے مہار کی طرح چھوڑنے والے نہ تھے بلکہ ہر عالم انہیں مناسب نصیحت فرمایا کرتا تھا۔ تاکہ وہ برے کام سے دست بردار ہو جائیں اور صحیح راہ اختیار کرلیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ ولایت کے زمانے میں مدینہ میں کپڑا گھسیٹتے ہوئے اور دامن زمین پر لٹکائے ہوئے گذر رہے تھے۔ محمد بن کعب قرظی نے آپ کو آواز دے کر فرمایا عمرؒ! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔" جو کپڑا ٹخنوں سے آگے بڑھ جائے۔ وہ آگ میں ہے"۔ عمرؒ نے غصہ میں بھر کر انھیں سختی سے جواب دیا: ابن کعب! اللہ سے ڈرجایئے اور وہ چراغ نہ بنیئے جو دوسروں کو تو روشنی پہنچاتا ہے مگر خود کو جلاتا ہے۔" پھر دونوں الگ ہو گئے۔[1]

عمرؒ نے قرظی کی نصیحت کا اثر کیوں نہیں لیا

عمرؒ اپنی عمری چال میں ایک لمبے کپڑے میں جس کا دامن گھسٹ رہا تھا فخر و خودداری سے اٹھلا اٹھلا کر چل رہے تھے آپ اس رفتار میں تکلف یا امتیازی شان ظاہر نہیں فرما رہے تھے۔ بلکہ یہ تو آپ کی بچپن کی عادت تھی اور اس میں تکلف و تصنع کو اور تکلیف کو ذرا بھی دخل نہ تھا۔ اسی بنا پر آپ نے محمد بن کعب قرظی کی نصیحت کو اچھا نہیں سمجھا۔ اور اس سے برا مانا۔

قرظی کی نصیحت خیر خواہی پر مبنی تھی

قرظی عمرؒ کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی نصیحت خیر خواہی پر مبنی تھی۔ تاکہ عمر بھی اس سنت پر عمل کر کے خیر میں داخل ہو جائیں۔ اور انھیں یہ تڑپ تھی کہ عمرؒ بھی ارباب فضل کی سی ہیئت بنالیں جو ان کے لئے سنت نے وضع کی ہے۔ اور شریعت نے ان پر فرض کی ہے خصوصاً عہدِ ولایت میں کیونکہ لوگ ان کی پیروی کریں گے۔ اور یہ لوگ مدینہ والے ہی ہوں گے۔ کیونکہ اب مدینہ میں یہی باقی ہیں۔ غالباً عمرؒ کو بھی معلوم تھا کہ قرظی کی نیت بخیر ہے۔ اور انھوں نے حق

---

[1] : ابن عبدالحکم صفحہ ۱۴۶

وصداقت کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن انھوں نے جلدی میں گرم ہو کر قرظی کو برا بھلا کہا۔

عمر اپنی ذات پر حملے برداشت نہیں کر سکتے تھے

غرضیکہ قرظی نے جب عمر کو دامن گھسیٹنے سے منع کیا تو عمرؒ ان سے اکتا گئے۔ اور اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ عمر علماً سے یہی چاہتے تھے کہ وہ انھیں مظالم کی اطلاع دیں اور مشورہ کے وقت صحیح صحیح مشورہ دیں۔ لیکن ان کی ذاتیات سے تعرض نہ کریں۔ کیونکہ وہ ذاتیات پر حملے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

امیر امیر

لوگ جب کبھی باتیں کرتے تو عمر کو امیر کے نام سے پکارتے تھے۔ جو آپ کے پاس آتا یا آپ کی مجلس میں بیٹھتا۔ یا آپ کے بارے میں کوئی اطلاع دیتا تو وہ آپ کو امیر ہی کے لقب سے یاد کرتا تھا۔ حتیٰ کہ عمر کا نام دب کر رہ گیا اور آپ پر امیر کا لقب غالب آگیا۔ مگر مزاحم بن ابی مزاحم مولیٰ عمر کا دل اس کے انجام کو سوچ کر بھینچنے لگا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ عمرؒ اپنی ذات کے لئے اور لوگ عمرؒ کے لئے غلو کرتے ہیں تو وہ مناسب وقت کا انتظار کرتے رہے۔

چنانچہ جلد ہی مناسب وقت آگیا۔ کیونکہ عمرؒ نے ایک شخص کو قید کر دیا تھا۔ اور واجبی سزا سے زیادہ اسے بند رکھا تھا۔ مزاحم نے عمرؒ سے اس کی رہائی کے بارے میں بات چیت کی۔ عمرؒ بولے کہ میں اسے نہیں چھوڑوں گا جب تک گذری ہوئی مدت سے زیادہ اسے بند نہ رکھوں۔ مزاحم نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور دیکھا کہ معاملہ حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اور عمرؒ سے غصہ کی حالت میں کہا عمر! میں تم کو اس رات سے ڈراتا ہوں جس کی صبح کو قیامت آئے گی۔ عمر! میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا نام ہی بھول گیا کیونکہ میں لوگوں کو کثرت سے یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں۔ امیر نے کہا۔

عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مجھے مزاحم نے ہی بیدار کیا جوں ہی انھوں نے یہ بات کہی مجھے ایسا معلوم ہوا گویا میرے چہرے سے پردہ ہٹا دیا گیا ہے[1]۔

مدینہ کی مسجد (مسجد نبویؐ)

عمرؒ کے پاس ولید کا حکم پہنچا کہ مدینہ کی مسجد وسیع کی جائے اور امہات المومنین کے حجرے مسجد میں ملا دئے جائیں اس سے پہلے ولید کے والد عبدالملک نے مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا تھا۔ مگر پھر وہ اس رائے

---

[1] : ابن جوزی ص ۱۴۰

سے رُک گئے تھے کیونکہ جب مدینہ والوں کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو وہ چیخ پڑے تھے اور گھبرا گئے تھے۔ اب ولید نے دیکھا کہ موقع آگیا ہے کیونکہ عمر مدینہ کے حاکم ہیں۔ اور ان کی ان کے ماموؤں کے دلوں میں آل خطاب کی بڑی عزت ہے۔ پھر عمر کے پاس علما بھی آتے جاتے ہیں جب عمر توسیع کا ارادہ کریں گے تو علماء انھیں جو توسیع سے راضی نہیں ہیں راضی کرلیں گے آخر کار عمرؒ نے ولید کا فرمان لوگوں کو صاف صاف سُنا دیا۔[1]

صحابہ کو امہات المومنین کے حجروں کے مٹائے جانے کا صدمہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نو تھے۔ بعض کھجور کی ٹہنیوں پر مٹی ڈال کر پاٹ دیا گیا تھا۔ اور بعض بھاری بھاری اور تلے اوپر رکھے ہوئے پتھروں کے تھے۔[2] اور ان کی چھتیں کھجور کی ٹہنیوں کی تھیں۔ ہر گھر میں ایک حجرہ تھا جو بالوں والے کمبلوں سے بنایا گیا تھا۔ اور سرد کی لکڑیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ پھر جب امہات المومنین فوت ہو گئیں اور عبدالملک نے ان کے کمرے مسجد میں شامل کرنے چاہے تو مدینہ والے اسی طرح پھوٹ کر روئے جس طرح آپ کی وفات حسرت آیات کے دن زار زار روئے تھے۔ آخر کار عبدالملک اس ارادے سے رُک گئے۔ اور آپ نے اپنی رائے منسوخ کر دی۔[3]

مسجد کی توسیع

جب ولید کا فرمان شاہی مدینہ پہنچا تو عمرؒ نے شہر کے ممتاز حضرات کو اور چوٹی کے علماء کو جمع کیا۔ بالاتفاق سب نے یہی فیصلہ کیا کہ مسجد میں توسیع ہونی چاہیئے۔ آخر کار عمرؒ مع اپنے معاونین کے اس کام کے لئے تیار ہو گئے اور سب مسجد نبوی میں پہنچے کہ مسجد کی نشاندہی کریں۔ اور اس کا اندازہ لگائیں اور اس کی بنیاد رکھ دیں۔[4]

غرضیکہ عمرؒ نے حجرے مسجد میں شامل کر دئے۔ اور مسجد کے چاروں طرف جو زمین تھی اسے بھی خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔ پھر مسجد ہو گئی وسیع اور خوبصورت بنوائی اور قبلہ اور

---

[1] : طبری جلد ۵ ص ۲۲۲

[2] : یعنی بغیر چنے تلے اوپر پتھر رکھ دئے گئے تھے۔

[3] : مسالک الابصار جلد ۱ ص ۱۲۶

[4] : طبری جلد ۵ ص ۲۲۲

اور جوف محراب آگے کو بڑھا دیا۔ اور منارا بلند بنوایا۔ عمر پہلے وہ شخص ہیں جس نے مسجد میں محرابوں کی تجویف ایجاد کی[۱]۔ اور جب اذان دینے کا منارا بنایا گیا تو آپ کے بعد مسلمانوں کے شہروں میں بہت سے منارے اذان کے لیے بنائے گئے۔ اور شام کے مناروں کی نقل کی گئی[۲]۔

عمرؒ نے اس کام کا آغاز مدینہ کے مزدوروں سے کیا۔ معاونین میں اعانت کے لیے سب سے پہلے آپ کے مؤدب و معلم، عالم و محدث، صاحب مروت و دین صالح بن کیسان نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ چنانچہ عمرؒ نے آپ ہی کو اس کام کا منتظم مقرر فرمایا۔ یہ حضرات لگاتار کام کرتے رہے۔ حتیٰ کہ شام و مصر کے کاریگروں کی مدد آگئی۔ پھر روم کے حکام نے بھی مدد کی انھوں نے ماہر کاریگر بھی بھیجے۔ اور نقدی سے بھی مدد کی۔ اور سنگِ مرمر سے رنگ برنگ کے جڑے ہوئے پتھروں کے بوجھوں سے بھی امداد کی[۳]۔

متفرق اصلاحات

پھر ولید نے عمر کو لکھا کہ گھاٹیاں آسان بنائی جائیں اور جگہ جگہ کنویں کھدوائے جائیں۔ اور حاجیوں کے راستے میں ہوٹل اور سرائیں بنوائی جائیں۔ اور سرائیں خراسان کے راستے پر کثرت سے بنوائی جائیں۔ تاکہ اس سے گذرنے والے پرامن رہیں اور اس پر جگہ جگہ ضرورت کی چیزیں فراہم کی جائیں پھر فرمان بھیجا کہ مدینہ منورہ میں فوارہ بنوایا جائے۔ عمرؒ نے ان احکامات کی تعمیل کی اور فوارہ بنوا دیا۔ اور اس کے گھر میں پانی چھوڑ دیا۔ اس فوارہ کا منظر دل خوش کن اور اپنی صنعت میں حیرت انگیز و مسرت خیز تھا[۴]۔

پھر جب عمرؒ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو ولید نے آپ کو ان کاموں کے صلے میں مکہ معظمہ کا بھی اور طائف کا بھی حاکم بنا دیا۔ پھر سنہ ۹۰ھ میں آپ کو تمام صوبہ حجاز کا والی بنا دیا گیا۔

---

۱ : النجوم والزاہرہ ج ۱ ص ۲۱۵
۲ : تاریخ العرب المطول ص ۲۳۱
۳ : طبری ج ۸ ص ۲۲۳، فتوح البلدان للبلاذری ص ۱۳
۴ : طبری ج ۸ ص ۲۲۴

ولید کا استقبال

۹۱ھ میں ولید نے حج کا ارادہ کیا۔ اور اپنے ارادے سے عمرؓ بن عبدالعزیز کو آگاہ کیا۔ عمرؓ نے خلیفہ کے اس نیک ارادے پر خوش آمدید کہا۔ پھر جب ولید حج کے لئے چل پڑا تو عمرؓ ایک عظیم جلوس میں خلیفہ کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ اس جلوس میں مدینہ کے خواص و اکابرین سے بیس حضرات شامل تھے۔ یہ لوگ سویداء تک جو عمرؓ کا ایک قطعہ تھا پہنچے اس جلوس کے ساتھ اونٹوں اور گھوڑوں پر لدا ہوا کافی سامان بھی تھا۔

ولید سواری پر تھے۔ ولید کو دیکھ کر اصحاب جلوس سواریوں سے اُترے نہیں۔ خلفاء کے آداب میں یہ بات بھی تھی کہ اگر لوگ سوار ہوں تو انھیں دیکھ کر سواریوں سے اُتر جائیں۔ اور اگر بیٹھے ہوں تو کھڑے ہو جائیں[1]۔ لیکن لوگوں نے جب ولید کو دیکھا تو سواریوں سے نہیں اُترے اور اس سے سواریوں پر ہی ملاقات کرنی چاہی۔ پھر تیزی سے ولید کا حاجب آگے بڑھا اور لوگوں کے قریب آکر اس نے کڑک کر کہا۔ امیرالمومنین کے لئے اُتر جاؤ! آخر کار لوگ سواریوں سے اُتر پڑے۔ پھر ولید نے انھیں سوار ہونے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ سوار ہو گئے۔ پھر ولید نے اپنے پاس صرف عمرؓ کو بلایا اور ان کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ ذی خشب میں اُتر گیا۔ یہ مقام مدینہ سے ایک دن کے فاصلے پر ہے[2]۔ پھر عمرؓ نے اپنے رفقاء کو بلا لیا اور ولید نے ایک ایک سے ملاقات کی۔ اور ہر ایک سلام کر کے چلا آیا۔ اور ولید نے ان سب کو دوپہر کا کھانا کھلایا۔

ولید مدینہ میں داخل ہوتے ہی فوراً مسجد نبویؐ میں گئے۔ تاکہ عمارت کو دیکھیں۔ مسجد نبویؐ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی خالی کرالی گئی تھی۔ تمام لوگوں نے بجز سعید بن مسیب مسجد خالی کرنے کے سلسلے میں عمرؓ کے حکم کی تعمیل کی۔ سعید قبلہ رُخ پہلی صف میں محراب امام کے قریب اپنی عادت کے مطابق بے پروائی سے بیٹھے رہے اور انھیں نکالنے کی کسی پہرے دار کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ پچاس سال سے سعید نے پنجگانہ نمازوں میں کبھی تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ نہیں چھوڑی تھی۔ سعید دو معمولی چادریں اوڑھے ہوئے جو پانچ درہموں سے زیادہ کی نہ تھیں اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ لوگ سعید کے پاس آ آکر کہتے تھے کہ مسجد خالی کر دو اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہو حتیٰ کہ خلیفہ آکر چلا جائے۔ لیکن سعید یہی جواب دیتے رہے کہ جب تک میرے کھڑے ہونے کا وقت نہیں آئے گا میں کھڑا نہیں ہوں گا۔ اور ولید و سعید کے

---

[1] : العقد الفرید ج ۴، صـ ۹۲

[2] : معجم البلدان ج ۳ صـ ۴۴۰

کے درمیان کچھ خصوصیت کا معاملہ تھا۔

سعید بن مسیب

مصر پر چوبیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۵ھ میں عبدالعزیز بن مروان فوت ہوئے۔ عبدالملک کے بعد آپ ہی ولی عہد تھے۔ مروان نے عبدالملک کے بعد عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا تھا۔ عبدالعزیز کی وفات کے بعد عبدالملک نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنایا اور ہشام بن اسماعیل مخزومی کو جو مدینہ کا حاکم تھا حکم دیا کہ لوگوں کو ولید و سلیمان کی بیعت کی دعوت دے۔ تمام لوگوں نے بیعت کر لی مگر سعید بن مسیب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں بیعت نہیں کروں گا۔

ابو محمد سعید بن مسیب بن حزن مخزومی مدنی اس وقت دنیا کے چوٹی کے علماء میں ایک تھے۔ اور تابعین کے سردار تھے اور علمائے ہفت گانہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی رائے کے بموجب دنیا کے خرچ کے لئے چار سو دینار کافی تھے۔ پھر جب آپ نے چار سو دینار جمع کر لئے تو آپ نے زیتون کی تجارت کی۔ اسی سے آپ کا خرچ چلتا تھا۔ آپ نے اپنے علم کے ذریعہ مال نہیں کمایا اور نہ آپ نے بخشش کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ جب عبادلہ فوت ہو گئے تو تمام اسلامی علاقوں میں علم آزاد کردہ غلاموں میں چلا گیا۔ البتہ مدینہ کے عالم سعید تھے۔ آپ حدیث تفسیر فقہ تقویٰ اور عبادت میں جامع علم و عمل تھے۔ آپ نے چالیس حج کئے۔

لیکن یہ ساری چیزیں اس لئے نہ تھیں کہ سعید عبدالملک کے غصہ سے اور ہشام کی ناراضگی سے محفوظ رہیں۔ جب کہ آپ بیعت سے رک گئے تھے اس زمانہ میں برا بھلا، طعن و تشنیع، کوڑوں کی سزائیں تشہیر اور قتل خصوصاً عبدالملک کے زمانے میں علماء کے لئے سزائیں مقرر تھیں۔ اور جاہ و علم و عبادت کے کتنے ہی اونچے مقام پر کوئی پہنچا ہوا کیوں نہ ہوتا۔ اس وقت کوئی ایسا شخص نہ تھا جس کی خاطر اس کا قصور معاف کیا جا سکے۔ اگر اس سے خلیفہ راضی نہ ہو یا امیر خوش نہ ہو۔ حجاج نے اپنی نگاہ میں مجرموں کے لئے طرح طرح کی طعن و تشنیع، قسم قسم کے عذاب اور قید و قتل کی سزائیں گھڑ رکھی تھیں۔ حجاج ہی نے سعید بن جبیر کو ان سے جھگڑنے کے بعد قتل کرایا تھا۔ ایک معمولی سی بات سعید بن جبیر نے حجاج سے کہی تھی کہ چٹانیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور پہاڑ گر پڑیں گے کہ حجاج نے اس حال میں اس کا منہ قبلہ کی طرف تھا اور نماز میں تھے۔ ان کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔

حکومت اسی راہ پر چل رہی تھی۔ جب سعید بن مسیب نے عبدالملک کا اور حاکم مدینہ ہشام کا حکم ٹھکرا دیا۔ تو عبدالملک نے ہشام کو سعید کو پٹوانے کا حکم دے دیا۔ پھر ہشام کے حکم سے سعید کے ساتھ

کوڑے مارے گئے۔ اور انھیں لوگوں میں گھمایا گیا جب کہ آپ کے جسم پر کمبل کا ایک جانگیہ اور ایک ٹاٹ تھا۔ حتیٰ کہ جب لوگ انھیں لے کر اس گھاٹی پر پہنچے جہاں مجرم قتل کیے جاتے تھے۔ تو وہاں سے انھیں زندہ لوٹا لائے۔ اس سے سعید کو صدمہ ہوا کیونکہ آپ کا گمان تھا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا انھیں ٹاٹ اور جانگیے سے نفرت نہیں ہوئی۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ میں زندہ لوٹا دیا جاؤں گا تو وُہ ان کا پہننا چھوڑ دیتے۔ پھر جب عبدالملک کو خبر پہنچی تو لولا اللہ ہشام کو غارت کرے اسے پہلے سعید کو بیعت کی دعوت دینی تھی۔ اگر انکار کرتے تو ان کی گردن اُڑا دیتا یا نہ اُڑاتا[1]۔ جیسا مناسب ہوتا کرتا۔

ولید سعید کو پہچانتا تھا

ولید انھیں مسائل کے ذریعے سعید کو پہچانتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس سے پہلے سعید میری بیعت کا انکار کر چکے ہیں۔ ولید کی تو یہ تمنا تھی کہ مسجد میں تمام حضرات ہوتے بس سعید نہ ہوتا۔ اسی بنا پر عمرؒ کی خواہش تھی کہ کاش خلیفہ کی راہ سے سعید ہٹ جائے۔ حتیٰ کہ خلیفہ چلا جاتا۔ لیکن عمرؒ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ کیونکہ سعید کی اس عادت پر پچاس سال گذر گئے ہیں کہ پنجگانہ نمازوں میں سے جس نماز کے لئے بھی اذان دی جاتی ہے۔ سعید اذان سے پہلے سب سے پہلے نماز میں موجود ہوتے ہیں[2]۔ اسی لئے جب سعید سے مسجد سے نکل جانے کے لئے یا اپنی جگہ سے ہٹنے کے لئے کہا گیا تو انھوں نے انکار کیا اور انھوں نے کہا۔ میں کھڑا نہیں ہونے کا جب تک وہ وقت نہ آجائے جس میں میں کھڑا ہوا کرتا ہوں۔

مسجد نبوی میں ولید کی آمد

ولید مسجد میں آتا ہے اور وہاں کسی کو نہیں دیکھتا اور جانتا ہے کہ مسجد اس کے لئے خالی کرا لی گئی ہے۔ پھر اچانک اس کی نگاہ سعید پر پڑ جاتی ہے۔ کہ وہ قبلہ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر عمرؒ کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ ولید پہچان جاتا ہے کہ سعید نے ہٹنے سے انکار کر دیا ہے۔ عمرؒ چاہتے تھے کہ بات آئی گئی کر دی جائے۔ اگر قبلہ کے علاوہ سعید کسی اور جگہ مسجد میں بیٹھے ہوتے تو پھر بھی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ ولید قبلہ ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ قبلہ اور منارۂ اذان ولید و عمرؒ کی جدت تھی اور یہ منارہ شام کے مناروں کے مشابہ بنایا گیا تھا۔

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۰۹

[2] صفۃ الصفوہ ج ۲۔ ص ۴۴

عمرؓ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ میں ولید کو مسجد کے ایک گوشے کی طرف ہٹا کے لے جانے لگا تاکہ وہ سعید کو نہ دیکھیں۔ لیکن ولید نے قبلہ کی طرف ایک نگاہ ڈال کر کہا۔ یہ شیخ کون ہیں؟ کیا یہ سعید ہیں؟ میں بولا ہاں یہ وہ ہیں جن کا حال اس اس طرح ہے۔ اور میں سعید کی طرف سے عذر کرنے لگا۔ میں نے کہا اگر انھیں آپ کی جگہ معلوم ہوتی تو یہ اُٹھ کر آتے اور آپ کو سلام کرتے۔ مگر ان کی نگاہ کمزور ہے۔ ولید نے کہا ہمیں ان کا حال معلوم ہے۔ ہم ہی ان کے پاس جاتے ہیں۔ سعید کی نگاہ کمزور ہو گئی تھی۔ ولید مسجد میں گھوم گھام کر سعید کے پاس پہنچا ہے۔ اور کہتا ہے۔ شیخ آپ کا کیا حال ہے؟

اللہ کی قسم سعید نے ذرا بھی حرکت نہیں کی ہاں یہ جواب دے دیا کہ الحمدللہ میں خیریت سے ہوں۔ امیرالمومنین کا کیا حال ہے؟ عمرؓ کہتے ہیں ولید پھر یہ کہتے ہوئے واپس آ گئے کہ لوگوں میں یہ باقی ہیں۔ میں بولا۔ ہاں امیرالمومنین[1]۔

ولید کا خطبہ

ولید نے آج جو کچھ دیکھا اس سے بہت محفوظ و خوش ہوا۔ یا اس نے خوش ہو کر اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے مدینہ میں کثرت سے عجمی غلام سونے چاندی کے برتن اور دیگر چیزیں بانٹیں۔ اور کافی دیر تک ٹھہر کر وہ فوارہ دیکھا جو عمرؓ کے ذہن و فکر کا نتیجہ تھا۔ اس نے فوارے کے پانی کا حوض دیکھا۔ اور اس سے پانی اچھلنے کا منظر مشاہدہ کیا جو اسے بہت پسند آیا اور حکم کیا کہ اس کے لئے ملازم رکھے جائیں جو اس کی دیکھ بھال رکھیں۔ اور مسجد والوں کو یہیں سے پانی پہنچایا جائے[2]۔

لیکن جلد ہی ولید کو خیال آیا جس نے اس کی ساری خوشی پر پانی پھیر دیا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کے اور اس کے خاندان والوں کی طرف سے مدینہ والوں کے کیا کیا خیالات ہیں یہ تصور کر کے وہ بھڑک اُٹھا اور اپنے غیظ و غضب کو دبا نہ سکا اور جمعہ کا منتظر رہا۔ پھر جمعہ کے دن مسجد میں جا کر لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور تقریر کی۔ اور مدینہ کے باشندوں کو دھمکایا۔ اور خطبہ میں ایک نئی چیز کا اضافہ کیا۔ یعنی سنت و عادت کے خلاف منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ اور پھر جلد ہی مدینہ سے چلا گیا۔

---

[1]: النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۲۳، الیعقوبی ج ۲ ص ۱۹، طبری ج ۵ ص ۹۱

[2]: طبری ج ۵، ص ۲۲

ولید کے خطبہ سے سلگتے ہوئے انگارے بھڑک اُٹھے

ولید کا یہ خطبہ گویا سلگتے ہوئے ایندھن میں ایک پھونک تھی جس سے انگاروں کی اوپری راکھ اُڑ گئی۔ اور وہ بھڑک اٹھے۔ اب اہل مدینہ کھلم کھلا اسے پہلے سے زیادہ بُرا بھلا کہنے لگے۔ اہل مدینہ کا اس پر غصہ قدیم غصہ پر ایک جدید غصہ تھا۔ جدید غصہ تو اس لئے تھا کہ اس نے سنت کے خلاف بیٹھ کر خطبہ دیا۔ تاکہ مدینہ والوں پر اپنے کبر و غرور کا اور تشدد کا اظہار کرے اور اکابر مدینہ کو سواریوں سے اُتروایا اور انھیں اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کیا تھا کہ لوگوں کو ذوخشب میں لے جاکر کھانا کھلایا اور اپنے آنے کے لئے لوگوں کو مسجد سے نکلوا دیا۔ اس لئے سعید کے مسجد سے نہ نکلنے کو خوب سراہا گیا۔

ولید نے بڑے بڑے لوگوں میں اور سرداروں میں چیزیں بانٹی تھیں تاکہ وہ اس سے خوش رہیں اور فقراء کو کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ کیونکہ ان کی اسے پرواہ نہ تھی۔ غرضیکہ مدینہ میں غیظ و غضب کے شعلے بلند ہوگئے۔ اور مدینہ کے دروازے ان کے لئے کھل گئے جن کو حجاج بھگا دیتا تھا یا وہ اس سے بھاگ آتے تھے۔ خواہ وہ تنہا بھاگ کر آئے ہوں یا اجتماعی صورت میں ان لوگوں کا مدینہ والے استقبال کیا کرتے تھے۔ اور اپنی عادتوں کے مطابق انھیں اپنے نفسوں پر ترجیح دیا کرتے تھے عمرؓ بھی لوگوں کے اس سیلاب میں بہہ گئے اور ان کی طرح حجاج سے ناراض ہو گئے اور آنے والوں کو ترحم کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ پھر آپ نے اُن کی طرف احسان کا ہاتھ پھیلایا اور ان کے لئے روئے اور ان کے سروں پر دستِ شفقت رکھا۔ اور ولید کو حجاج کے ظلم و ستم کی اور خوں ریزی کی اطلاع دی۔ اور اہلِ عراق سے جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کے بُرے نتائج کی بھی[1]

۹۲ھ میں ولید کی طرف سے حجاج کو امیر الحاج بنایا گیا

۹۲ھ میں ولید نے حجاج بن یوسف کو امیر الحاج بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ مدینہ میں بھی جائے اور حجاج کے آنے کی اطلاع عمرؓ کو بھی دے دی۔ یہ خبر مدینہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور اہلِ مدینہ جوش میں آگئے۔ عمرؓ نے خلیفہ کو لکھا کہ براہ کرم حجاج کو مدینہ نہ بھیجیں کیونکہ لوگ اس سے سخت ناراض ہیں۔ ولید کو ڈر ہوا کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے اس لئے اس نے حجاج کو لکھا کہ راستہ سے مدینہ سے ہٹ کر گذر جائے۔ اور دوسرے راستے سے مکہ معظمہ

---

[1] : النجوم الزاہرہ ج ۱، ص ۲۲۶

چلا جائے[1]

عمرؓ کی طرف سے حجاج کے دل میں کدورت

اس طرح ولید نے جس کام کا ارادہ کیا تھا۔ اسے آدھا ہونے دیا۔ کیونکہ حجاج کو اس نے امارت حج سے معزول نہیں کیا۔ ہاں مدینہ میں جانے سے روک دیا اسی لئے اس کے دل میں عمرؓ کی طرف سے ایک چیز کھٹکتی یا ان کی طرف سے جو کھٹک اس کے دل میں تھی جم گئی اس کے دل میں یہ کھٹک اس وقت پیدا ہوئی جب پچھلے سال یہ مدینہ گیا تھا۔ اور اپنے اوپر مدینہ والوں کا غیض و غضب دیکھا تھا اور سعید مسجد سے باہر نہیں گئے تھے۔ اور عمرؓ نے سعید کی طرف سے معذرت کی تھی۔ پھر عمرؓ کے اس خط نے اس کے دل میں یہ کھٹک جما دی اور وہ مناسب وقت کا انتظار کرتا رہا۔

حجاج ولید کو عمرؓ کے خلاف اکساتا ہے

عمرؓ کے اس خط کی حجاج کو بھی خبر لگ گئی اور وہ بھی ان سے کینہ رکھنے لگا اور ان سے اپنے سینہ کو بھینچنے لگا۔ پھر جب حجاج واپس لوٹا تو چونکہ اس کے دل میں عمرؓ کی طرف سے کینہ اور تنگی تھی۔ اس لئے اس نے ولید سے ان کی شکایت کی اور عمرؓ کے خلاف اس کے کان بھرے اور اسے ابھارا اور کہنے لگا بہت سے عراق کے باغی جن کو وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا ہے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ یہ ایک قسم کا حکومت میں ضعف ہے اور اس کی کمزوری ہے۔ غرضیکہ حجاج ولید کے برابر کان بھرتا رہا۔ حتیٰ کہ ولید نے اس کی بات مان لی اور اس سے مشورہ کیا کہ عمرؓ کو معزول کر کے حجاز کا کس کو حاکم بنایا جائے؟

دور اندیشی

عمرؓ معاملہ کی تہ کو نہ پہنچ سکے البتہ اس نے ولید کے دل میں تلخی محسوس کی اور اسے راضی کرنا چاہا۔ تاکہ ولید اس حاصل کردہ رضا کے سایوں میں چلنے دے جو راہ آپ نے حجاز میں اختیار کر لی ہے۔

ولید عمرؓ کو آزماتا ہے

اور ولید عمرؓ کو آزماتا رہا تاکہ معلوم کرے کہ وہ اس کے تمام حکموں کو نافذ کرتے ہیں اور اسے خوش کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن عمرؓ اس کا ہر حکم نافذ کرتے رہے۔ اس نے حکم بھیجا کہ مدینہ سے ایک دستہ مرتب کر کے بھیجیں عمرؓ نے

---

[1] ابن عبدالحکم صفحہ ۲۴۲

اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ اور دو ہزار جوانوں کا ایک دستہ مرتب کر کے جنگ پر بھیج دیا۔ پھر ولید نے لکھا کہ فلاں شخص کے سو کوڑے مارے جائیں عمرؒ نے اس کی بھی فوراً تعمیل کی اور اس شخص کے سو کوڑے لگوائے اور ذرا سی بھی رعایت نہیں کی حالانکہ وہ آپ کا ایک رفیق تھا اور اس کے خاندان والے آپ کو معزز و محبوب تھا۔ اور اس میں اس سزا یافتہ شخص کو یا عمرؒ کو بُرا حصہ نصیب ہوا۔ اگرچہ عمرؒ کے دل میں اس کی طرف سے کینہ تھا۔ لیکن ایک زمانے سے اس کی آگ بجھ چکی تھی کیونکہ اس شخص نے جب اس سے قبل عمرؒ کو غصہ دلایا تھا تو عمرؒ کی ذاتیات پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اس چیز میں انھیں داخل کرنے لگا تھا۔ جو اہلِ دمشق کو غصہ دلائے اور حد سے آگے بڑھ گیا تھا جس سے خلیفہ ناراض ہو گیا تھا اور تمام بنوامیہ بھی۔ اور جب اسے مارنے کے لئے خلیفہ کا حکم آیا اس وقت عمرؒ اور حجاج کے درمیان خصومت کی آگ کا شعلہ بھڑک رہا تھا اور عمرؒ کے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے اور ولید کے درمیان خصومت کی یہ خلیج گہری اور وسیع ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس لئے عمرؒ نے اسے مارے بغیر چارہ نہیں دیکھا تاکہ خلیفہ کے کینے کی آگ بجھا سکیں اور خلیفہ کا غصہ نرم پڑ جائے۔ اور خلیفہ اس سلسلے میں حجاج کی رائے کو جھٹلا دیں۔ اس لئے تمام معاملہ غلطی تیزی اور بُرے حصے کی طرف جھک گیا۔ عمرؒ نے اس شخص کو پٹوایا اور اس پر ٹھنڈا پانی بہایا گیا۔ جب کہ اس کا جسم بخار سے بھڑک رہا تھا۔ آخر کار وہ بیچارا کپکپا کر فوت ہو گیا۔

انہدام حجرات امہات المومنین سے اہل مدینہ کو صدمہ

جس دن ولید نے عمرؒ بن عبدالعزیز کو مسجد نبویؐ کو منہدم کرنے کا اور امہات المومنین کے حجرے اس میں شامل کرنے اور اس کی تعمیر و توسیع کا حکم بھیجا اور عمرؒ نے خلیفہ کے حکم کی فوراً تعمیل کی اور حجروں کو ہدم کرنا شروع کر دیا۔ اس دن مدینہ والوں کو انتہائی صدمہ ہوا تھا۔ باوجودیکہ عمرؒ کے ساتھ چوٹی کے علماء تھے۔ لیکن امہات المومنین کی یادگار اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکانات اس قدر جلدی ڈھلنے پر عوام نے عمرؒ کو معاف نہیں کیا اور وہ مہر بلب رہ گئے۔ لیکن خبیب بن عبداللہ بن زبیر عمرؒ کے پاس آئے اور آپ نے ان سے فرمایا۔ عمرؒ خدارا تم قرآن پاک کی یہ آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ) یعنی جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عقل سے کورے ہیں۔ نہ مٹاؤ یعنی

لہ : الیعقوبی ج ۲، ص ۲۹

حجرے باقی رکھے جائیں۔ کیونکہ یہ آیت ان کی شہادت دے رہی ہے۔ تمام اہل مدینہ خبیب کے ہم خیال تھے۔ اور خبیب ہی کے ساتھ سب کے دل دھڑک رہے تھے۔ کیونکہ باوجودیکہ امہات المومنین کے حجرے بوسیدہ اور کھنڈر تھے تاہم اہلِ مدینہ کے دلوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ انھیں ان کی حالت ہی پر چھوڑ دینے کے متمنی تھے۔ کہ وہ باقی رہیں اور انھیں نہ چھوا جائے۔ اور ان کی محبوب ترین چیز کو حسبِ حال رہنے دیا جائے کیونکہ وہ ان حجروں کے ہم عصر ہیں۔ اگر یہ حجرے چھوڑ دئے جاتے حتیٰ کہ زمانہ زیادہ گذر جاتا اور دور ہو جاتا اور یہ بزرگ یادگاریں فراموش ہو جائیں تو پھر اگر حکام انھیں ڈھا دیتے تو ان پر کوئی بھی ان کی خدمت نہ کرتا۔ اور نہ کوئی گرفت کرتا لیکن ہم عصروں کو صدمہ ہوا اور خبیب کو تو انتہائی صدمہ تھا۔ اور وہ تھے بھی انتہائی جری اور بلند حوصلہ چنانچہ وہ امیر کی ڈانٹ کی طرف چل پڑے۔ اور امیر کی تیزی طبع نے انھیں اس کام سے باز نہیں رکھا۔ پھر ایسے کلمات ادا کئے جن سے امیر کی حقارت ہوتی تھی۔ واعظانہ رنگ اختیار نہیں کیا۔ جیسا کہ اس سے پہلے قرظی نے اختیار کیا تھا۔ اور نہ انھیں اس بات نے خوف دلایا کہ عمرؓ اسالیب کلام خوب پہچانتے تھے اور ان پر خوب قادر ہیں۔ عمرؓ کے لئے ملامت و تحقیر ناقابل برداشت تھی جب خبیب نے عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ اللہ کی کتاب سے حجرات کی آیت مٹا دیں تو عمرؓ پر زیادتی کی کیونکہ مسجد میں حجروں کو شامل کر دینا حجروں کے لئے افضل ہے اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے پائیدار بھی بن جاتے ہیں۔ لیکن عمرؓ نے خبیب کا تحکم خاموشی سے اور صبر سے برداشت کر لیا اور سزا کے موقع کے منتظر رہے۔ پھر جب حجاج و عمرؓ کے درمیان رنجش ہوئی اور ولید و عمرؓ کے درمیان بھی اور خلیفہ کا حکم آ گیا کہ خبیب کے سو کوڑے لگائے جائیں۔ تو آپ کے حسبِ حکم ان کے سو کوڑے لگوائے۔

یہ خبیب کون تھے؟

خبیب ابنِ زبیر کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ آپ نے علماء کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا اور کتابیں پڑھی تھیں لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے بہت سے علوم غریبہ بھی سیکھ لئے تھے جو علم نجوم کے مشابہ تھے اور لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ خبیب کسی چیز پر کوئی حکم لگاتے تھے تو وہ اسی طرح واقع ہو جایا کرتی تھی اس کے باوجود آپ عبادت گذار کم بولنے والے اور نماز کے بعد کافی دیر تک ذکر اللہ کرنے والے تھے اور اللہ کے نزدیک نیک اور صالح بندے تھے۔

مدینہ پر حکمرانی کے زمانے میں عمر قابل ذکر عابد و پارسا نہ تھے

مدینہ پر حکمرانی کے زمانے میں اور مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کے وقت عمرؒ بن عبدالعزیز علماء کے مشوروں کے باوجود اس حالت میں نہ تھے کہ لوگ آپ کی عبادت و پارسائی کا چرچا کریں۔ یعنی اس وقت آپ قابل ذکر عابد و پارسا نہ تھے[1]۔ بلکہ اپنی زینت و بناؤ سنگھار کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اس وقت آپ کا بدن بھرا ہوا شاداب اور تر و تازہ تھا۔ یونس بن ابی شعیب کہتے ہیں۔ میں نے عمرؒ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کی پیٹ کی سلوٹ میں آپ کے تہبند کا کنارا چھپا ہوا تھا[2]۔

خبیب پر عمرؒ کی ناراضی

پھر جب آپ سے خبیب نے ازراہِ تحکم آیت حجرات مٹانے کو کہا تو آپ ناراض ہو گئے لیکن آپ نے غصہ کا اظہار نہیں کیا خبیب اپنے جوش میں کہتے رہے۔ حتیٰ کہ انھوں نے یہ حدیث بھی بیان کر دی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ • جب ابوالعاص کے تیس بیٹے ہو جائیں گے تو وہ اللہ کے بندوں کو خادم اور اللہ کے مال کو اپنا مال بنا لیں گے۔

خبیب کی باتوں سے ولید کی بے قراری

لوگوں نے مدینہ میں خبیبؓ کی باتیں سنیں اور ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ کیونکہ ان میں خبیب جیسے اور بھی تھے۔ لیکن یہ باتیں اڑ کے ولید کے کان میں بھی جا پہنچیں اور انھوں نے اس کا بستر روند ڈالا اور وہ بیقرار ہو گیا۔ اور خبیب کی طرف سے گھبرا گیا۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ لوگوں نے یہ باتیں زمین کے گوشہ گوشہ میں سن لی ہیں۔ آخر کار اس نے خبیب کے لئے سزا تجویز کر لی اور غیظ و غضب کی حالت میں عمرؒ کو لکھا کہ خبیب کے سو کوڑے لگوائے جائیں پھر انھیں قید کر لیا جائے۔ اگر ولید خبیب کی باتوں سے گھبراتا نہیں تو ان کی باتوں کی اتنی اہمیت نہ ہوتی جتنی بعد میں ہو گئی۔ کیونکہ خبیب کی سزا دنیا

---

[1]: ابن جوزی ص ۳۴

[2]: تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۱۲

[3]: صفۃ الصفوۃ ج ۲، ص ۶۷

میں پھیل گئی اور اس کے ساتھ ان کی باتیں بھی۔ اور یہ واقعہ لوگوں کی مجلسوں میں ہر جگہ دہرایا جانے لگا۔

اگر عمرؓ کو معلوم ہوتا کہ حجاج نے ولید کو عمرؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اور ان کے بعد حکمران بھی نامزد کر دیا ہے تو وہ خبیب کی سزا کو نافذ نہ کرتے لیکن انھیں کچھ خبر نہ تھی چنانچہ خبیب کو بلوا کر ان کے سو کوڑے لگوائے گئے اور خبیب فوت ہو گئے۔ اگر عمر اس سلسلے میں خلیفہ سے بات چیت کرتے یا انھوں نے مدینہ کی امارت کے وقت جو شرطیں پیش کی تھیں ان کی طرف رجوع کرتے یا یہ تدبیر کرتے کہ ہلکے ہاتھوں سے لگواتے تو خبیب فوت نہ ہوتے لیکن حجاج کی وجہ سے اپنے اور ولید کے درمیان قطع رحمی کا خیال ان کے پیش نظر تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ کہیں عراق والے ولید کے دشمنوں کو پناہ دینے کا الزام نہ لگائیں۔ اِس لئے آپ کی تیزی طبع پورے جوش پر تھی۔ اور آپ ایک ایسے کام میں پڑ گئے جو مبہم تھا۔ اور بھول گئے اور الزام ہٹانے کے لئے پوری سرگرمی سے کام لیا اور خبیب کو پٹوایا۔ اور ان پر سزا جاری کی اور بے رحمی سے کام لیا

خبیب کو شدت بخار کی حالت میں سزا دی گئی

جب خبیب کو پٹوایا ہے تو عمرؓ کو معلوم تھا کہ یہ بیچارے شدت بخار میں مبتلا ہیں۔ لیکن عمر نے انھیں بلوایا اور ان کے لئے ایک گھڑے میں پانی ٹھنڈا کیا گیا اور جاڑے کی ایک ٹھنڈی صبح کو مسجد کے آگے وہ پانی ان پر ڈالا گیا جس سے بیچارے ٹھٹھر گئے اور گر کر بیہوش ہو گئے۔ اور نزع کی حالت میں مبتلا ہو گئے۔ پھر آپ کو عمرؓ کے حکم سے عمر بن مصعب کے گھر جو بقیع میں تھا بھجوا دئے گئے اور عمر مروان کے گھر چلے گئے۔

خبیب کو سزا دلوا کر عمر کی بیقراری اور خبیب کی وفات

اِس حال میں کہ خبیب کے خاندان والے ان کی لاش کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے پاس عمرؓ کا ایک خاص آدمی جسے ماجشون کہا جاتا تھا (ماجشون کا دادا اصفہان کا تھا جو ایک جماعت میں مدینہ منتقل ہو گیا تھا۔ اس جماعت کا جب کوئی آدمی اپنے ساتھی سے ملاقات کرتا تھا تو شوں شوں کیا کرتا تھا۔ یعنی آپ کا کیا حال ہے۔ کم خور کاران کا لقب ماجشون پڑ گیا) اور اندر آنے کی اجازت مانگتا ہے۔ خبیب کی لاش پر کپڑا ڈھکا ہوا ہے۔ عبداللہ بن عمرو

لہ: طبری ج ۵، ص ۲۵۶

کہتے ہیں اسے اندر آنے دو۔ جب وہ شخص اندر آتا ہے تو عبداللہ کہتے ہیں گویا تیرے ساتھی (عمر) کو ان کی موت کا شک ہے۔ ان کے منہ سے چادر ہٹا کر اسے دکھا دو۔ لوگوں نے ان کے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ اور پھر خبیب کو ماجشون نے مردہ دیکھا تو مروان کے گھر لوٹ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہو گیا۔ اور عمر کو بے قرار پایا کہ کبھی بیٹھتے ہیں کبھی کھڑے ہوتے ہیں۔ ماجشون سے عمرؒ نے پوچھا کیا خبر لائے ہو؟ بولا وہ تو مر گئے۔ یہ سن کر عمرؒ گھبرا کر زمین پر گر جاتے ہیں پھر سر اٹھا کر انا للہ پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہو گیا ہے اس پر اظہار ندامت کرتے ہیں۔

عمرؒ کی معذولی

عمر خبیب کی موت سے اس قدر نادم ہوئے کہ آپ کا نعمتوں والا عیش بھی مکدر ہو کر رہ گیا۔ اور آپ نشتر دن تک خوفزدہ رہے اور ٹاٹ لپیٹے رہے اور آپ پر جنون اور خود فراموشی کے دورے پڑنے لگے۔ اور اس قدر عظیم صدمہ ہوا کہ موت کے قریب ہو گئے۔

لوگوں نے قتل خبیب کو خوب ہوا دی

اگرچہ آل خبیب نے عمر کے اس فعل پر گرفت نہیں کی اور اسے قتل خطا میں شمار کیا۔ لیکن لوگوں نے خصوصاً آپ کے دشمنوں نے اسے خوب ہوا دی اور آپ کی بہت بڑی غلطی شمار کی۔ چنانچہ جب کوئی عمر سے ناراض ہوتا تو خبیب کا واقعہ پیش کر دیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی عمر آل خبیب کے ساتھ سلوک کرتے تو لوگ کہا کرتے کہ یہ خبیب کی دیت ہے۔ جب عمرؒ کوئی نیک کام کرتے اور آپ کے رفقاء آپ کو ثواب و جنت کی بشارت دیتے تو عمرؒ ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے یہ کیونکر ممکن ہے؟ خبیب تو راہ میں حائل ہیں۔

پھر جب عمرؒ صدمہ کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو گئے اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کو آپ کے صدمہ کی اور گہرے غم کی خبر لگی تو وہ آپ کا غم ہلکا کرنے کے لئے اور آپ کا غم دور کرنے کے لئے عمر کے پاس آئے اور آپ نے انہیں توبہ و استغفار کی طرف مائل کیا۔ اور بہترین طریقے سے صبر کی تلقین کی اور منجملہ نصیحتوں میں سے آپ نے ایک نصیحت یہ بھی کی کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہمارے سلف جو اللہ کو پیارے ہو گئے مصائب کا استقبال خندہ پیشانی سے اور صبر سے کیا کرتے تھے۔ گویا عمرؒ تعزیت و تسلی کے منتظر تھے اور تسلی کے الفاظ سن کر غم و حزن سے قطعی علیحدہ ہو گئے۔ آخر کار آپ نے غم کے کپڑے اتار پھینکے۔ اور اس دن کی شام کو یمنی منقش چادریں

اوڑھ لیں جن کی قیمت ۸ سو دینار تھی۔

حجاج نے حجاز کی امارت کے لئے دو آدمی پیش کر دئے

اپنی شان و شوکت اور زینت کے حال ہی میں تھے کہ حجاج کا ایک خط ولید کے پاس پہنچا جس میں وہ دو شخصوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو عمرؓ کے بعد حجاز کی امارت کے اہل و حقدار ہیں۔ مکّہ کی امارت کے لئے خالد بن عبداللہ قسری اور مدینہ کی امارت کے لئے عثمان بن حیان مرّی۔ ولید نے حجاج کے مشورہ کو بنظر استحسان دیکھا اور اپنی گمراہی اور زیادتی پر قائم رہا۔ اور مدینہ سے عمرؓ کو معزول کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ چنانچہ عمرؓ معزول کر دئے گئے۔ اور خبیب کی موت نے انھیں نفع نہیں پہنچایا۔

نیا دور

عثمان کا مدینہ میں خطبہ

عثمان بن حیان مرّی، مدینہ منورہ کا حاکم بن کر آتا ہے۔ مدینہ والوں کو دھمکاتا ہے اور ان سے کہتا ہے

مدینہ والو! مجھے تمہارے اختلافات کی خبر ہے۔ اور اللہ کی قسم تم جنگ جو قوم نہیں ہو۔ اس لئے اپنے گھروں کی ٹاٹ سے چپٹے رہو اور انہیں دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ کیونکہ میں نے تمہاری مجلسوں میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ جو مجھے تمہاری منٹ منٹ کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں۔ دیکھو تم فضول باتوں میں مشغول رہتے ہو۔ حالانکہ وقار کی باتیں تمہاری شایانِ شان ہیں۔ اس لئے حاکموں پر عیب لگانے چھوڑ دو کیونکہ نظم آہستہ آہستہ ٹوٹتا ہے حتیٰ کہ ایک فتنہ بن جاتا ہے۔ اور فتنہ ایک قسم کی معیبت ہے۔ اور فتنے دین مال اور اولاد سب کچھ غارت کر دیتے ہیں[1]

عثمان پناہ گزینوں کو نکال دیتا ہے

پھر عثمان بن حیان پناہ گزین عراقیوں کی طرف اپنی خواہش کو ترجیح دیتے ہوئے متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کو بھی شہر سے نکالے بغیر نہیں چھوڑتا۔ خواہ وہ تاجر ہو یا غیر تاجر۔ حتیٰ کہ وہ بے چارے مسجدوں میں اور راستوں پر آپڑتے ہیں اور عثمان قسم کھا کر کہتا ہے کہ اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا جائے گا جس نے ان میں سے کسی کو پناہ دی ہوگی یا کرایہ پر مکان دیا ہوگا تو میں اس کا مکان منہدم کرا دوں گا۔ اور اسے قرار واقعی سزا دوں گا[2]

پناہ گزینوں کے سلسلے میں عثمان کی طرف سے منادی

سعید بن عمرو انصاری کہتے ہیں میں نے عثمان کے منادی کو دیکھا کہ وہ ہمارے پاس اعلان کر رہا تھا۔ آہ بنوامیہ اللہ کا ذمہ اس سے بری ہے جو کسی عراقی کو پناہ دے۔

---

[1] : طبری ج ۵ ص ۲۵۹

[2] : طبری ج ۵ ص ۲۵۹

ہمارے پاس ایک صاحب فضیلت بصری تھا جسے ابن سوادہ کہتے تھے۔ اور بڑا عبادت گذار تھا اور وہ بولا تمہارے لئے مصیبت بننا نہیں چاہتا۔ مجھے میری امن کی جگہ پہنچا دو۔ میں بولا۔ باہر نکلنے میں تمہارے لئے بھلائی نہیں اللہ تعالٰے ہم سے اور تم سے مصیبت دفع فرما دے گا۔ کہتے ہیں پھر میں نے اسے اپنے گھر میں پناہ دے دی۔ اس بات کی عثمان کو بھی خبر لگ گئی۔ اور اس نے اپنے چوکیدار بھیج دیئے۔ میں نے اسے اپنے بھائی کے گھر بھیج دیا۔ چنانچہ پہرے دار ذرا سا بھی کھوج نہ لگا سکے جس نے چغلی کھائی تھی وہ میرا دشمن تھا۔ اس نے امیر سے کہا۔ اللہ تعالٰے امیر کی اصلاح کرے۔ وہ شخص جھوٹ لے کر آتا آپ جھوٹی باتوں پر ہمیں سزا نہ دیں۔ فرماتے ہیں پھر اس نے چغل خور کے بیس کوڑے لگوائے اور ہم نے عراقی کو باہر نکال دیا۔ وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا۔ اور ایک دن بھی غیر حاضر نہ رہتا تھا۔ اس پر ہمارے گھر والے بڑے مہربان تھے اور کہا کرتے تھے تمہاری خاطر ہم اپنی جانیں دے دیں گے۔

عثمان نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔

عثمان نے جو کچھ کہا تھا وہ محض بات ہی نہ تھی۔ بلکہ وہ پہرے داروں اور سپاہیوں کو لوگوں کی کرید و تفتیش کے لئے بھیج دیا کرتا تھا۔ جو لوگوں کو جیلوں میں لے آتے تھے۔ اگر وہ کسی عراقی کی جھلک پاتے تو اسے بجلی کی طرح اچک لیا کرتے تھے۔ اور اگر کسی ایسے شخص کی اطلاع ملتی جس نے کسی عراقی کو پناہ دی ہے تو اس پر یکایک ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور اسے گرفتار کر کے قید کر دیا کرتے تھے۔ عثمان نے جو کچھ مدینہ میں کیا وہی سب کچھ خالد قسری نے مکہ میں کیا۔ غرضیکہ اس طرح حجاج کا ہاتھ حجاز تک پہنچ گیا اور لوگ عمرؒ کے ایام میں سے ایک ہی دن کی تمنا کرنے لگے۔ لیکن ایسا ایک دن بھی انہیں نصیب نہیں ہوا۔

منزلِ سویداء

ایک رات کا سفر

عمرؒ کو جب مدینہ منورہ سے معافی دی گئی یا آپ معزول کر دئیے گئے تو مدینہ سے نکل کر گویا آپ چھپنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ شعبان ۹۳ھ میں مدینہ سے تیس اونٹ والے جلوس کو چھوڑ کر نکلے۔ جس جلوس کے ساتھ اس دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے جس دن حاکم بن کر آئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے آپ کے آزاد کردہ غلام پارسا اور عالم وصالح مزاحم بن ابی مزاحم تھے جب عمرؒ مدینہ سے نکلے ہیں تو آپ کے ذہن میں سارا مدینہ منعکس تھا اور ان کی آنکھوں کے سامنے جھلملا رہا تھا اور اس پر آپ کا دل رو رہا تھا۔ اگر مدینہ سے دن میں نکلتے تو وہ آپ کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتا جب تک آپ آنے والے جنگل کی بھنور میں ڈوب نہ جاتے۔ لیکن آپ تو رات میں نکلے تھے۔ جب مدینہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور مدینہ کے نشانات نظر نہ آتے تھے اگرچہ مدینہ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی مگر پھر بھی وہ آپ سے غائب نہ تھا۔ اور آپ کے سینے میں پورا مدینہ موجود تھا۔ آپ اس کی ایک ایک قوم کو، ایک ایک قبیلہ کو، ایک ایک گھر کو، شرفاء کو، غلاموں کو، تاجروں کو، حکمرانوں کو، پتوں کو اور ترشیدں کے بیچنے والوں کو اور تمام لوگوں کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے۔

ہنوز آپ کے قدم وہاں سے ہٹے نہ تھے کہ آپ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی۔ آپ نے فرمایا "اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی مدینہ سے اس سے اعراض کر کے نہیں نکلے گا۔ مگر اللہ تعالٰی اس کے عوض اسے بہترین جگہ دے گا۔ یا اس کے ہم مثل کر دے گا" اور آپ کو یہ حدیث یاد آئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "مدینہ بھٹی کی طرح ہے کہ گندگی نکال باہر کرتا ہے" آپ کے دل میں ایک قسم کی بے چینی ہوتی۔ اور آپ اپنے غلام مزاحم کی طرف ان سے یہ کہتے ہوئے مڑے۔ مزاحم، ہمیں ڈر ہے کہ ہم ان میں سے نہ ہوں جنہیں مدینہ نکال دیتا ہے[1]۔

مزاحم شگون کے قائل تھے

مزاحم نے جو شگون کے قائل تھے اور اوہام کے دریا میں تیرتے رہتے تھے غلطی کی کہ انھوں نے اپنی قسمت اور عمرؒ کی قسمت عروج قمر میں اور ستاروں کے مطالعہ میں دیکھنی چاہی۔

چاند کا منزل دبران میں ہونا نحوست کی علامت

رات میں بدر نکل آیا تھا۔ کیونکہ چودھویں کا چاند تھا اور رات دن بنی ہوئی تھی۔ لیکن آج چاند اپنی منزل دبران

---

[1] : طبری ج ۵ ص ۵۶

میں تھا۔ لوگوں کے پرانے اوہام میں سے ایک وہم یہ بھی تھا کہ چاند کا دبران میں ہونا نحوست اور شکست و پسپائی کی علامت ہے۔ عمرؒ اور مزاحم اس راستے پر گامزن تھے جسے اس سے پہلے عمرؒ نے تجویز کر لیا تھا۔ اور اس کی گھاٹیاں درست کر لی تھیں اور درے ٹھیک ٹھاک کر لیے تھے کہ اچانک مزاحم کی نگاہ چاند پر پڑ جاتی ہے۔ اور وہ چاند کی منزل کو پہچان جاتے ہیں۔ اور ان کے دل میں بدقسمتی کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔ لیکن مزاحم اپنی گھبراہٹ عمرؒ سے چھپاتے ہیں اور عمرؒ کو باتوں میں لے کر ان کو اس کی خبر نہیں کرنا چاہتے اور خیال کرتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ عمرؒ کی چاند پر نگاہ پڑ جائے گی تو وہ یہ منزل پہچان جائیں گے اور ان کے صدمہ میں اضافہ ہو جائے گا۔ آخرکار مزاحم نے عزم کر لیا کہ چاندنی پر نگاہ جما دینی چاہیئے اور چاند کے مکمل دائرے پر اور اس کے چہرے کی خوبصورتی پر نظر رکھنی چاہیئے۔ تاکہ عمرؒ کا دل چاند کی بہاروں میں مصروف رہے اور ان کا دھیان منزل کی طرف نہ جائے۔ یہ سوچ کر مزاحم عمرؒ سے کہتے ہیں۔ آپ چاند کو نہیں دیکھتے۔ آج رات اس کا پورا دائرہ کتنا خوبصورت ہو رہا ہے؟ عمرؒ چاند کو دیکھتے ہیں اور مزاحم کے دل میں بھی جھانک آتے ہیں۔ عمرؒ منزلِ قمر سے ناآشنا نہ تھے اور نہ مزاحم کی گھبراہٹ سے۔ مزاحم کے دل میں ایک قسم کی بے چینی پریشانی اور غم کے آثار تھے۔ اور پریشان آدمی چیزوں کو اپنی نگاہوں سے ہی دیکھا کرتا ہے عمر مزاحم کے دل کا راز بھانپ جاتے ہیں۔ جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور ان سے فرماتے ہیں۔ گویا آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چاند اپنی دبران والی منزل میں ہے؟ لیکن مزاحم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ عمرؒ نے کہا! مزاحم، ہم سورج کے ساتھ نہیں نکلتے اور نہ چاند کے ساتھ ہم تو واحد و قہار اللہ کے ساتھ نکلتے ہیں۔[۲]

عمرؒ نے مزاحم کے دل سے اوہام نکال دیئے

عمرؒ اپنے رفیقوں کے اوہام میں حائل ہو گئے اور ان کے دل سے شگون و مطالع کواکب کے اوہام نکال پھینکے۔ اگر دنیا کے کام سعادت و نحوست کے رہینِ منت ہوتے تو یہودی آدام کرتے اور دل بجھ جاتے۔ عمر مدینہ سے ایک ایسے کام کے لئے نکلے تھے کہ ایک پرسکون رات میں اس پر غور کر سکیں اور وہ اسے کسی طرح بھی ملتوی نہ کریں حتیٰ کہ اگر چاند دبران میں اتر آئے اور قیامت

---

[۱] : الارمنہ والامکنہ ج ۱ ص ۱۸۶، ص ۱۸۸، ص ۳۱۵

[۲] : ابن عبدالحکم ص ۲۸

تک اسی میں رہے تو بھی وہ اپنا کام موقوف نہ کریں۔

اسلام میں شگون کی حقیقت

عمرؓ کو معلوم تھا کہ شگون کا اثر شگون لینے والے پر ہی ہوتا ہے۔ یہ تو ایک ایسی بات ہے جو کبھی کبھی موافق بھی پڑ جاتی ہے۔ لیکن اس کا اکثر بلکہ کل باطل ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ اسلام نے اچھی فال ثابت کی ہے۔ اور اسے اچھا سمجھا جاتا ہے اور بدشگون کو باطل قرار دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔ باوجودیکہ تھوڑی سی دیر کے لیے لوگوں کی طبیعتیں ایک باطل چیز کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور انھیں اوہام مضبوط پکڑ لیتے ہیں مگر عمرؓ کو پیش آنے والے حوادثات نے ان کے دل سے اشکالِ فلک سے فال و رجز کا شوق مٹا دیا تھا۔ اگر اس وقت عمرؓ تاروں کی مختلف گردشوں سے مختلف احکام پر استدلال کے قائل ہو جاتے اور کہانت کی طرف مائل ہو جاتے تو بہت سی باطل اور وہمی قوتوں کی تصدیق فرما دیتے لیکن آپ نے تو مدینہ سے ان تمام چیزوں سے قطع نظر کر کے کسی اور ہی مقصد کے لیے نکلے تھے۔ آپ تو اس لیے نکلے تھے کہ ایک پرسکون ماحول میں اپنے تجربہ کو بروئے کار لائیں اور اپنے فکر کو آزادانہ استعمال کریں۔ اور آپ کے مقصد کے لیے مفید یہی ارادہ ہو سکتا ہے کہ برابر آپ کے ساتھ ہاتھ کھیلتے رہیں اور آپ کو دل اور آنکھیں حقیر سمجھتی رہیں۔

عمرؓ حق پر تھے اور مزاحم غلطی پر

یہیں سے مزاحم غلطی پر تھے اور عمرؓ حق پر۔ کیونکہ معزول حاکم اپنی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیتا ہے اور اپنی نیند سے بیدار ہو جاتا ہے۔ پھر آپ ان گھاٹیوں کو درست کرتے ہیں جو ٹھیک نہیں کی گئیں۔ اور ان دروں کو توڑتے ہیں جو ناقابلِ تسخیر تھے۔ لیکن کافی صبر و تحمل کے اور تکلیفیں اٹھانے کے بعد پھر آپ ایک بڑی فہم حاصل کرتے ہیں جو اب سے پہلے آپ نے نہیں سیکھی تھی۔ کیونکہ چھوٹی فہم والا اِنسان جاہل کی طرح چٹانوں کو کھلیوں سے ریزہ ریزہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر ان سے ہلکا بن کر نہ پھاندے یا ان سے اُڑ کر عبور نہ کرے۔

عمرؓ کا سویدا میں خلوت میں گذرے ہوئے واقعات پر غور و فکر

عمرؓ اور مزاحم ایسے راستے پر جا رہے تھے۔ جو ملک شام کو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دونوں قلعہ سویداء پہنچ جاتے ہیں۔ اور عمرؓ اپنے گھر میں اُتر جاتے ہیں جو سویداء میں بنا ہوا ہے۔ پھر اس میں علیحدگی میں گذرے ہوئے واقعات کو یاد

کر کے ان پر برابر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ غالباً یہاں آکر سب سے پہلے آپ کو اپنے مرحوم والد عبدالعزیز کی نصیحت یاد آتی ہے۔ کیونکہ انھوں نے فرمایا تھا کہ بیٹا اللہ سے ڈرتے رہنا اور حسن تدبیر سے اپنے مال کی حفاظت کرنا کیونکہ اس کے پاس مال نہیں رہتا جو اسے اپنی حسن تدبیر سے نہیں سنبھالتا اور اپنے معاملات میں نرمی برتنا کیونکہ جس میں نرمی نہیں ہوتی اس کی زندگی خوشگوار نہیں ہوتی بلکہ تلخ ہوتی ہے اور مقدور بھر اپنی خواہش مختصر رکھنا کیونکہ وہ دانش مند نہیں جس پر اس کی خواہش غالب آجائے۔[1]

چھوٹا اور معمولی فقہ

عمرؒ نے مدینہ کیوں چھوڑا؟

عمرؒ نے اس لئے مدینہ میں رہنا نہیں چاہا کہ ولید کی مکاری سے دوچار نہ ہوں۔ یا لوگوں کی اڑائی ہوئی افواہیں نہ سنیں۔ یا اپنی آنکھوں سے عراقیوں یا حجازیوں کی بری گت بنتی نہ دیکھیں۔ جس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہوں۔ اس لئے انھوں نے مدینہ سے باہر جانا ہی مناسب سمجھا۔ تاکہ پرسکون خلوت میں واقعات پر غور و فکر کا موقع مل سکے۔ اور موجودہ پریشانیوں کا کوئی آسانی سے حل نکل آئے۔ عمرؒ اس سے پہلے عالم فقیہ محدث اور مجتہد تھے۔ اور اکثر فقہائے حجاز اور تمام فقہائے شام و عالم اسلام میں آپ سے کم ہی تھے۔ لیکن فقہ علم اور اجتہاد غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ نہیں رکھتا خصوصاً جب فقہ حکمرانی کی حیثیت میں ہو اور گہرا علم حکومت کی چادر زیب بدن کئے ہوئے ہو اور اقتدار کا ڈنڈا سنبھالے ہوئے ہو۔

عمرؒ ان تمام علوم کو چھوٹا اور معمولی فقہ سمجھا کرتے تھے۔ آپ جدل مناظرہ اور خصومت سے واقف تھے۔ رائے قائم کرنے میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ اور سزا نافذ کرنے میں بے رحم بن جاتے تھے۔ لیکن اس سے بڑے فقہ کی ایک حرف سے بھی آشنا نہ تھے۔ جسے آپ نے بعد میں پہچانا۔ اور لوگوں کو حکم کرتے تھے کہ اسے اپنی اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ یعنی قناعت کرنا اور ایذا سے باز رہنا۔[2]

---

[1] : الحکمۃ الخالدہ ص ۱۸۵

[2] : ابن جوزی ص ۲۳۹

ہمہ گیر ظلم کا دور دورہ

عمرؒ نے اپنے دل میں جھانکا

جب عمرؒ نے اپنا دل جھانک کر دیکھا تو اسے زنگ آلود اور پرانے آئے کی طرح پایا جو گردش کرنے کے قابل نہیں جب تک اس کا زنگ دُور نہ کر دیا جائے اور اسے روغن سے تر نہ کر لیا جائے چنانچہ آپ نے نصیحتوں اور عظتوں سے ان معانی کو سمجھ لیا جن کو اب سے پہلے آپ نہ سمجھ سکتے تھے جب آپ نے اپنے مرحوم و محترم والد کی نصیحت پر غور کیا تو اس کے لیئے آپ نے کسی راستہ کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ نہ اس پر عمل کرنے کے لیئے کوئی راہ تجویز کی تھی۔ اور نہ عمل کرنے کی نیت کی تھی۔

کیا عمرؒ نے اپنے والد کی نصیحتوں پر عمل کیا

پھر آپ نے سوچا میں نے تو حسنِ تدبیر سے اپنے مال کی کبھی حفاظت نہیں کی کیونکہ میں تو اپنا تمام پیسہ کپڑوں اور خوشبو پر خرچ کر دیتا ہوں۔ بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ کمر توڑنے اور بے چین بنانے والی ایک چیز ہے کہ اس پیسہ میں جسے میں اپنی ذات پر خرچ کرتا ہوں میرا حق نہیں ہے۔ پھر آپ غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے جن سے معاملہ کیا۔ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک نہیں کیا اور سنگ دلی کی حد کر دی۔ اور مدینہ منورہ پر لشکر بٹھا دئے۔ پھر خبیب کو قتل کر دیا۔ پھر آپ سوچتے ہیں کہ میں نے اپنی ضرورتوں کو کبھی مختصر نہیں کیا۔ اور خواہش نہیں دبائی میں گاتا بجاتا ہوں تالیاں پیٹتا ہوں زمین پر لوٹ جاتا ہوں۔ اور میں نے قرظی کی نصیحت بھی ٹھکرا دی تھی جب انھوں نے دامن گھسیٹنے پر مجھے نصیحت فرمائی تھی پھر میں نے ولید کو خوش کرنے کے لیئے کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

تصوّر میں مدینہ کی سیر

پھر عمر کا نفس اپنی ... کھڑکی سے روانہ ہوتا ہے۔ اور اپنی تنگ ذات سے باہر نکل کر آتے ہیں۔ اور اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہیں اور اپنے تصوّر میں مدینہ جاتے ہیں۔ اور وہاں دیکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ بے رحم و سنگدل حکام کے قدموں کے نیچے روندا جا رہا ہے یا پورے حجاز سے اس کی روح نکل گئی ہے۔

تصوّر میں عالمِ اسلام کی سیر

پھر آپ عالمِ اسلام کے ایک ایک شہر پر سورج کی طرح نگاہ ڈالتے ہیں۔ اور ہر ایک شہر کو انتہائی غور و فکر سے

سے دیکھتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ تمام شہروں میں مظالم کی ہولناک آگ بھڑک رہی ہے اور مصائب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ اور پورا عالم انسانیت ان کی لپیٹ میں آنے کی وجہ سے بلبلا رہا ہے اور امتِ محمدیہ اپنی قابل فخر ذات کھو بیٹھی ہے۔ اور کسی صاحب اقتدار نے ان بھولے بھالے اللہ کے بندوں کے لئے ذرا سی بھی جنبش نہیں کی۔ اور امراء ولید کو خوش کرنے کے لئے ان لوگوں کو ناخوش کر رہے ہیں جن میں عمرؓ بھی شامل ہیں۔ پھر ولید اپنی شان برتر سمجھتا ہے۔ اور عمرؓ سے خوش نہیں ہوتا جب کہ عمرؓ لوگوں کو اس کی خاطر ناخوش کر چکے ہیں۔

ولید کے مظالم

ولید نے شام میں حمص والوں پر اپنی اولاد مسلط کر رکھی ہے۔ جو ناحق لوگوں کا مال کھا رہے ہیں۔ ان کی زمینیں لوٹ رہے ہیں۔ اور ان کی دکانوں اور جائیدادوں پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اولادِ ولید عمر عباس اور روح میں سے ہر ایک نے اس شہر کے باشندوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور انھیں کمر توڑنے والے تاوانوں کے بوجھ میں دبا رکھا ہے۔ اور ان کا باپ ان مکروہ افعال پر ان کی کمر ٹھونک رہا ہے اور انھیں ان ناجائز جائیدادوں کی دستاویزیں لکھ کر دے رہا ہے۔

لونڈیوں کی اولاد نے فساد مچا رکھا ہے

پھر ولید پر غور کرتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ولید نے نہ صرف اپنے حق میں بلکہ اپنی اولاد کے حق میں بھی برا کیا۔ اور ان کی راہ میں کانٹے بوئے اور لونڈیوں سے جو اس کی کفو نہیں شادیاں کیں اور ان سے سرکش مغرور اور نخوت پسند اولاد جنوائی۔ عمرؓ سوچتے ہیں کہ اسی ولید نے فوجوں پر اپنی نااہل اولاد کو مسلط کر رکھا ہے۔ اور ان کا سپہ سالار بنا رکھا ہے کیونکہ وہ اس کی اولاد ہیں اور اسے ان سے محبت ہے[1]۔

لاکھوں بے گناہوں کا قاتل ایک حاکم

اور لطف کی بات یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کو عراق و ماوراء عراق کا حاکم بنا رکھا ہے۔ جو ناحق خونوں میں دن رات اپنے ہاتھ رنگ رہا ہے اور مالِ حرام جمع کر رہا ہے۔ عراق والے اس حجاج سے اور بنو امیہ کے حاکموں سے آئے دن مظالم کا شکار رہتے ہیں۔ اور ان پر ایسے ایسے مظالم توڑے جاتے ہیں جو دوسروں کے تصور سے بھی ماوراء ہیں۔ حجاج نے لوگوں کے حلقوں

---

[1] : معارف ص ۱۵۹

پر تلواروں کی دھاریں رکھ دی ہیں۔ اور تمام عراق اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہے۔

ایک دیہاتی حاکم جو دن رات عیش میں رہتا ہے

قرہ بن شریک کو مصر پر مسلط کر دیا ہے۔ جو ٹھیٹھ دیہاتی اور اکھڑ گنوار ہے جو ولید کی اجازت سے طرح طرح کے باجوں میں، لہو ولعب میں اور شراب و کباب میں مصروف رہ کر داد عیش دے رہا ہے۔ اور مصری اور ان کے مال ان کے لئے حلال، طیب اور مالِ غنیمت ہیں اور یمن کا حاکم محمد بن یوسف ثقفی کو بنا رکھا ہے جو حجاج کا بھائی ہے۔ غرضیکہ مختلف شہروں پر ان ہی جیسے حاکم مسلط ہیں۔ اور جوں جوں ان کا زمانہ اور اقتدار بڑھتا جاتا ہے۔ مظالم بھی بڑھتے جاتے ہیں اور خوب نشوونما پا رہے ہیں۔ یہ حکام وہی ہیں جن کے بارے میں عتبی نے کہا ہے۔ امراء کے عوام کے اخلاق اپنا لئے ہیں اور بخل و حرص کی حد کر دی ہے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو پرندوں سے بھی ان کی روزیاں چھین لیتے۔[1]

مظالم کا تصور کر کے عمرؒ اللہ سے دعا کرتے ہیں

بہر حال جب کسی شہر تک عمرؒ کا تصور جاتا۔ اور آپ اس پیاسی قسم کے حاکم کا تسلط دیکھتے تو ان کے اندوہناک حال پر گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے زمین مظالم سے بھرپور ہے لوگوں کو راحت نصیب فرما۔[2]

آغاز توبہ

عمرؒ نے ان تمام باتوں کا بلکہ ان سے بھی زیادہ مسائل کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے خود کو عاجز پایا۔ اور ان اخلاقی بیماریوں کی کوئی دوا ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ تختِ خلافت پر کوئی ایسا شخص متمکن ہو جس کا رویہ ان کے قطعی برعکس ہو۔ پھر آپ نے اپنے دل کے اندر جھانکا تو اس میں امیدوں کی کرنیں دکھائی دیں بشرطیکہ اس کی اصلاح ہو جائے تو پھر واقعی وہ شفا بخش علاج پر قادر ہے۔ اور سوچا کہ جب تک میں اپنی اصلاح نہ کر لوں جب کہ میں لوگوں کے لئے مثال و نمونہ بننے والا ہوں۔ تو لوگوں کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

عمرؒ کی سب سے پہلی توبہ

توبہ کی یہ پہلی نوبت نہ تھی۔ توبہ کا خیال تو آپ کے دل میں وقتاً فوقتاً آتا

---

[1] عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۸۲

[2] الکامل للمبرد ج ۱ ص ۳۰۹، النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۱۸، ص ۲۳۳

رہتا تھا اور آپ کے دل میں خیر و صلاح کے جذبات ایک ایک کر کے پیدا ہوتے رہتے تھے لوگ کہتے ہیں عمرؓ نے سب سے پہلے توبہ اس وقت کی تھی جب آپ اچھے خاصے ہوشیار بچے تھے اور جوانی کا آغاز ہونے والا تھا اور آپ نے اس وقت ایک حبشی غلام کو مارا تھا۔ پھر جب غلام نے آپ سے گفتگو کی اور آپ پراشانے بحث میں غالب آگیا تو آپ نے اسے اللہ کے لئے آزاد کر دیا تھا۔

بار بار توبہ

پھر دوسری بار توبہ کا اس وقت جھونکا آیا۔ جب آپ کے ہاتھ سے خبیب کا قتل صادر ہوا اور آپ نے ستر دن تک سیاہ ٹاٹ پہنے رکھی۔ پھر جب آپ کو قاسم بن محمد نے تسلی و تشفی دی تو آپ نے اپنے یمنی کپڑے پہنے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے توبہ کے جھونکے آتے رہتے تھے جو آپ کے دل میں سکون پیدا کر کے دور چلے جاتے تھے۔ لیکن جب آپ کو مدینہ سے معزول کیا گیا تو اس دفعہ توبہ اس طرح لوٹ کر آئی کہ آپ کے دل کو چمٹ گئی اور پھر کبھی دل سے جدا نہیں ہوئی۔

کثرتِ مظالم سے بیقراری

عمرؓ مظالم کی وجہ سے انتہائی بے چین و بیقرار تھے۔ اور آپ کے اندر انہیں دفع کرنے کی قدرت نہ تھی۔ آپ نے سوچا کہ میرے پاس اتنی جائیداد ہے۔ جس کا میں نہیں کر سکتا۔ بلکہ اکثر جائیداد میں نے دیکھی بھی نہیں اور اسے حاصل کرنے کے لئے میں نے کوئی مشقت نہیں اٹھائی۔ نہ کبھی میں نے زمین سے پانی نکالا اور نہ کبھی پھل چنے۔ یہ ساری جائیداد میرے نغیب سے ملی۔ کچھ میراث سے ملی اور کچھ تحفے تحائف سے۔ میری اور میرے بھائیوں کی ہر علاقے میں زمینیں ہیں۔ اور ان کی ان کے پاس دستاویزیں بھی نہیں۔ وہ محض ان پر قابض ہیں اور ان کی اصلاح و درست کرنے کے سلسلے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ ضائع اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور اکثر لوگوں کے پاس زمینیں نہیں کہ ان سے آمدنی ہو۔ اور نہ گھر ہیں کہ ان میں رہیں۔

مظالم و حقوق واپس دلانے کے لئے خلافت کی تمنا

عمرؓ نے دیکھا کہ قسم قسم کا ریشمی لباس استعمال کرتا ہوں اور عمدہ سے عمدہ بیش قیمت غذا کھاتا ہوں۔ اور خوب مالدار ہوں کثرت سے خوشبو لگاتا ہوں اور انتہائی خوشبودار تیل استعمال کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ میری مہر کی مٹی عنبر کی وجہ سے میلی ہو جاتی ہے اور دنیا کے گوشوں میں لوگ ننگے پھرتے ہیں۔ اور فاقے کرتے ہیں۔ انہیں اتنا کا پانی بھی میسر نہیں۔

کہ اطمینان سے غسل کر سکیں اور پی سکیں اس نکتہ پر پہنچ کر عمرؒ کے دل میں خلافت کی تمنا پیدا ہوئی کہ کاش میں خلیفہ ہوتا اور میرے نانا جان کی خواب کی تعبیر ظاہر ہوتی اور اپنی طاقت سے ملک کی ساری خرابیاں دور کر سکتا۔ اور اپنے تمام عیش والے کاموں سے دست بردار ہو جاتا بقدر ضرورت معمولی کپڑے پہنتا اور بقدر سد رمق کھاتا اور کبھی فاقہ بھی کرتا اور بقدر سے حاجت ضروریہ مال رکھتا۔ اور فقیرانہ زندگی بسر کر دیتا۔

اپنی اصلاح کی کوشش

آپ نے یہ آرزو کی اور اسے سراہا اور پھر اس پر جم گئے پھر برابر اسی جذبہ کو دباتے رہے اور اچھا سمجھتے رہے اور اسے اپنے سینے میں خوب جما لیا۔ حتیٰ کہ یہ بمنزلہ ایمان وعقیدے کے ہو گیا۔ آپ جب کبھی اس خیال سے اپنا دل بہلاتے تو دل میں یہ خیال اور پھیل کر جڑ پکڑتا اور آپ کی رائے مستحکم بناتا اور عزم کو مزید طاقت بخشتا حتیٰ کہ آپ اپنی خواہشات پر غالب آ گئے اور غصہ پر قابو پا لیا۔ اور طویل ریاضت ومشقت کے بعد ان صالح اخلاق پر عمل کرتے کرتے ان کے عادی بن گئے اور مطلوبہ اخلاق حاصل کر لئے اور بلا نیت وارادے ہی کے آپ سے یہ اخلاق سرزد ہونے لگے۔ اب صرف مقدر کا حکم باقی رہ گیا کہ نصیب جب چاہے آپ کے سر پر تاجِ خلافت رکھ دے۔

عمر نے خلافت ملنے سے قبل ہی اخلاق درست کر لئے

گویا خلافت ملنے سے قبل ہی صاحب بصیرت و نفاذ اور مستحکم رائے کے مالک بن گئے جب آپ کو فقہ اکبر معلوم ہو گیا۔

رفتہ رفتہ ترک تعیش

عمرؒ انتہائی پختہ رائے اور فہم کے مالک تھے۔ کیونکہ آپ کو فوراً ہی طعام وشراب، مال ومنال اور لباس وخوشبو سے دستبردار نہیں ہوتے۔ یہ تو مشکل ہے کہ انسان دفعتہً پارسا بن جائے۔ کیونکہ نفس بری باتوں کی طرف حریص وراغب ہوتے ہیں۔ اور نفسوں کا دبانا بڑا مشکل کام ہے۔ اور امراء عیش کی تاک میں رہتے ہیں۔ اور جلدی نہ خود کسی ذات کے لئے مفید ہے اور نہ لوگوں کے لئے۔ اس لئے آپ نے اپنی نیت اور اپنا عزم لوگوں سے حتیٰ کہ اپنے غلام مزاحم سے بھی چھپایا۔ تاکہ یہ لالچیوں کو گوارا نہ ہو۔ آپ کو معلوم تھا کہ قوم کو اگر اس طرف بلایا جائے تو اس پر ان کے اتفاق کی کوئی صورت ہی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس دعوت کو ٹھکرا دے۔ کیونکہ امراء عوام کو ابھار دیتے ہیں اور جاہلوں سے گندگیاں اچھلواتے ہیں۔ اس لئے آپ کے ذہن میں نیک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی

صورت ہی نہیں تھی۔ جب تک خلافت خود بخود نہ آئے اور بالذات اس کا صدور نہ ہو۔ لہٰذا عمرؒ منتظر رہے کہ شاید اللہ تعالیٰ بعد میں اس کے سامان فراہم فرما دے۔ عمرؒ آہستہ آہستہ اپنے نفس کو بلند حوصلے کے ساتھ اعتدال و عفت کا اور خیر خواہی کا عادی بنانے لگے۔ یہ تو فاش غلطی ہے کہ پہلے اپنے نفس کی جو مثال و نمونہ بننے والا ہے اصلاح نہ کی جائے۔

خلیفہ کا ظاہر و باطن یکساں ہونا ضروری ہے۔

اس مقام پر سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بظاہر پارسا ہوں۔ موٹا جھوٹا کھاتے اور پہنتے ہوں۔ اور ہمدرد و ناصح کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں۔ لیکن ان چیزوں کے حقائق آپ کے اندر نہ ہوں۔ اور آپ کو چمٹے ہوئے نہ ہوں۔

کیونکہ ہر چھپی چیز کبھی نہ کبھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔ اور جب رعایا پر حکومت کی جہالت چھا جاتی ہے تو ان کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوتی ہیں اور سمجھنے والے دل ہوتے ہیں۔ اگرچہ پوشیدہ چیز ظاہر نہ ہو اور مشاہدہ میں نہ آئے تو رعیت اس میں از راہ گمان و شبہ بے باکانہ گھستی ہے اور وہ اپنی بدقسمتی سے شبہ اور گمان پر اسی طرح پکڑ لی جاتی ہے جس طرح مشاہدہ پر پکڑ لی جاتی ہے۔ بلکہ گمان طعن کے اعتبار سے بڑا وسیع میدان رکھتا ہے۔ اور اس کا انجام انتہائی برا ہے۔ اور بڑا گہرا ہے۔

عمرؒ عزم کر صحیح راہ پر چل پڑے

اس طرح عمرؒ صحیح راہ پر چل پڑے۔ پہلے انھوں نے ایک عقیدہ وضع کیا پھر اس پر ایمان لے آئے اور اپنی طبیعت کی تیزی کو توڑنے لگے۔ اور اس کی زیادتی کی دھار کند کرنے لگے۔ پھر جب موقع پاتے تو انتہائی تیز آندھی کی طرح اپنے نفس کے ارد گرد محاسبہ کے لیے گھوم جاتے پھر جب وہ دور ہو جاتا تھا سے تھپک تھپک کر قریب لے آتے اور اگر وہ گردش کے اطراف میں ہوتا تو تیز ہوا کی یا نرم ہوا کی طرح محسوس ہوتا

حکام کے پاس یہ بے شمار دولت کہاں سے آئی

پھر جیسے عمرؒ نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا۔ اسی طرح تمام امرأ اور ارباب اقتدار کا ان کے مراتب اور شہروں کے مطابق محاسبہ کیا۔ آپ کی نگاہ میں امراء حکام اور قاضی لوگوں کے بادشاہ ہیں اور آپ جب امراء کے مال کا حساب لگانے لگے تو گھبرا گئے اور کانپ اٹھے۔ کیونکہ آپ نے دیکھا کہ اسلامی شہروں کے گوشہ گوشہ سے ان پر چاندی اور سونے کا

سیلاب ٹوٹ پڑا ہے۔ حتیٰ کہ لوگوں کے قبضہ میں حکومت کے مقابلے میں آدھا یا دو تہائی مال ہے۔ اور باقی آدھا...... یا ایک تہائی خلیفہ اور امراء جس پر چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ عمرؓ موقعہ کے منتظر رہے۔ تاکہ اس بد نصیب امت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور وہ مبارک ساعت آئے جس میں آپ اس امت کو خوش نصیب و صاحب بخت ورسا دیکھ لیں۔

ظالم حکام کے زمانوں میں علما کو لب ہلانے کی گنجائش نہ تھی

علمائے امت تو دور دور ہی رکھے جاتے تھے اور صلحاء اور متقی دھتکار دئیے جاتے تھے اور قتل و قید کر دئیے جاتے تھے۔ مظلوم کو لب ہلانے کی گنجائش نہ تھی خصوصاً جب کہ ظالم امیر ہو۔ اور اگر خلیفہ ہو تو اس کے ظلم کے بارے میں تو کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ اس کو متہم کیا جا سکتا تھا۔ اور نہ اسے اس کے نام سے خطاب کیا جا سکتا تھا۔ اس طرح عبدالملک بن مروان نے اپنی شان و شوکت کے آداب و رسوم وضع کر لئے تھے۔ اور بادشاہ قانون سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔

عبدالملک کی رائے میں خلیفہ کی شان

عبدالملک کہا کرتا تھا کہ خلیفہ کی ایسی شان نہیں کہ اسے کسی کا واسطہ دیا جائے یا جھٹلایا جائے۔ یا اس کا نام لیا جائے۔ اسی کے نقش قدم پر ولید چل رہا تھا۔

خبیب کا قتل عمرؓ کے حق میں نعمت غیر مترقبہ

غرضیکہ خبیب بن عبداللہ کا قتل اور عمرؓ کی مدینہ سے معزولی ایک اچھی نعمت تھی جس نے عمرؓ کے جسم سے فتنہ کا لباس اُتار پھینکا۔ اور انھیں فتنہ کے ایک مہلک سیلاب سے بچا لیا۔ اور ظلم سے نجات دے دی۔

عمرؓ نے اپنے نفس کو سیکھ عدالت و رحمت بنا لیا

چنانچہ آپ نے اپنا نفس عدالت و رحمت کے لئے تیار کر لیا۔ آپ کا نفس ظاہر داری سے عافیت میں رہا۔ کیونکہ وہ اس قسم کے مظاہر سے سیر ہو چکا تھا۔ اور یہ سیری اس کے لئے مفید ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اور آپ نے اسے زہد و تقشف کے لئے ہموار کر لیا۔ اور اسے لذت و رضا کے احساس کے علاوہ کسی اور چیز کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔

عمرؓ اپنا ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتے تھے

عمرؓ جو قدم اٹھاتے تھے کسی نیت سے

اٹھاتے تھے اور اندازہ لگا کر اٹھاتے تھے۔ اور اس کے مابعد کو بھی پرکھتے تھے۔ اس کی شہادت آپ کے حق میں ہشام بن عبدالملک نے بھی دی ہے۔ چنانچہ ہشام کہتا ہے میرے گمان میں عمرؓ جو قدم اٹھاتے ہیں۔ اس میں ان کے لئے نیت مزید ہوتی ہے۔[1]

دمشق تک

مجلس شوریٰ میں گھس کر ولید کی خیر خواہی کا عزم

پھر جب اس سلسلہ میں عمرؓ کو یقین ہو گیا۔ اور عزم درست ہو گیا تو آپ نے مزاحم کے ساتھ سویداء چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اور دمشق جانا چاہا تاکہ وہاں مقیم ہو جائیں۔ اور ولید کی مجلس میں گھس جایا کریں اور اس کے لئے نفعی گونہ ثابت ہوں۔ عبدالملک کی خیر خواہی کر کے پرانے زمانے سے آپ کو تجربہ تھا کہ اس سلسلہ میں میرا حوصلہ بلند رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ عبدالملک آپ کے مخلصانہ مشورے سے ناراض بھی ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ دمشق میں مقیم ہوں گے تو آپ کو عزیزہ دسبنوتی ہونے کی وجہ سے ولید کو مقرب بنانا ہی پڑے گا۔ اور اسے بعض اہم و نازک مسائل میں یا رضا اور نرمی کے وقت آپ سے مشورہ لینا بھی پڑے گا۔ شاید وہ آپ کو مقرب و مشیر اس وجہ سے بھی بنا لے کہ آپ اس پر نکتہ چینی سے باز آ جائیں۔ ولید نے عمرؓ سے پورے تعلقات ختم نہیں کئے تھے۔ ہاں ان سے قدرے بگڑ گیا تھا۔ اور عمرؓ فقیہ، محدث اور مجتہد تھے۔ شام کے علماء نے آپ سے ملاقات کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ آپ کے شاگرد ہیں۔ بہر حال کچھ بھی ہو ولید نے آپ کو مشیر و مفتی کی حیثیت سے آپ کو اپنا مقرب بنا لیا۔

عمرؓ اور ولید

عمرؓ کو جب کبھی موقعہ ملتا تھا تو آپ اسے اس کے حکام و عاملوں کے سلسلے میں آڑے ہاتھوں لیا کرتے تھے۔ اور ناراض ہو کر بطور خیر خواہی کے نصیحت کیا کرتے تھے۔ اور نصیحت میں سے ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ اور اس کے غصہ کی بلکہ حد سے زیادہ غصہ کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

ولید کو عمرؓ کی ایک نصیحت

ایک دن عمرؓ ولید سے فرماتے ہیں:۔ امیر المومنین! میں آپ کو

---

[1]: ابن عبد الحکم صفحہ ۲۱

[2]: ابن جوزی صفحہ ۳۶

ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ جب آپ کو پورا پورا سکون و اطمینان ہو تو آپ مجھ سے وہ نصیحت معلوم کرلیں۔ ولید پوچھتا ہے کہ اب کیا مانع ہے؟ فرماتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے جب آپ پورے سکون و دلجمعی کے ساتھ میری بات سنیں گے تو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

ولید چند دن تک خاموش رہا۔ پھر ایک دن عمرؒ شامیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر دربار ہوئے۔ ولید بولا۔ ابوحفص! آپ نصیحت فرمائیں۔ شاید اس نے سوچا ہو گا کہ نصیحت نہ کرسکیں گے اور شرما جائیں گے اور میں ان کی رجز د تو بیخ سے بچ جاؤں گا۔ لیکن عمرؒ نے ناصحانہ ڈانٹ میں تخفیف نہ فرمائی۔ فرمایا۔ دیکھئے! اللہ کے نزدیک شرک کے بعد ناحق خون سے بڑا گناہ کوئی نہیں۔ آپ کے حکام لوگوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور آپ کو ان کا جھوٹا سچا جرم لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کے بارے میں آپ ہی سے پوچھے گا۔ اور آپ ہی پکڑے جائیں گے۔ لہٰذا آپ انھیں لکھ دیں کہ کوئی کسی کو قتل نہ کرے جب تک اس کے قصور کی آپ کو خبر نہ دے دی جائے پھر اس پر شہادت پیش نہ کی جائے۔ پھر آپ اس کے بارے میں ایک واضح دلیل کی روشنی میں اپنا حکم صادر نہ فرمائیں۔ ولید اپنا غصہ ضبط کر کے بولا۔ ابوحفص! اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔

ولید نصیحت عمرؒ کا تجربہ کرتا ہے

پھر ولید اس نصیحت کا تجربہ کرنا چاہتا ہے اور عمرؒ کی نصیحت تمام شہروں کے حکام کو خصوصاً حجاج کو لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ حجاج جواب میں ولید کے پاس ایک خارجی کو بھیج دیتا ہے۔ جو بنوامیہ کے خلفاء کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور گالیوں میں روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ولید کو بھی نہیں چھوڑتا تھا اور خوب دل کھول کر اسے برا بھلا کہا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں ولید خلفاء میں سب سے زیادہ اور ستم گر تھا خصوصاً اس زمانے میں جب کہ اس نے حجاج کو عراق کا حاکم بنایا ہے۔

ولید نے عین دوپہر کے وقت آدمی بھیج کر خلاف معمول عمرؒ کو بلوایا۔ عمرؒ حاضر خدمت ہوئے تو ولید کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ ولید نے عمرؒ سے کہا۔ یہاں! (اور اس جگہ کی طرف جو اس کے آگے جھگڑنے والوں کی تھی.... اشارہ کیا) بیٹھ جائیے۔ عمرؒ بیٹھ گئے۔ اس وقت ولید کے پاس بجز ایک بے رحم جلاد خالد بن ریان کے جو ننگی تلوار لئے کھڑا تھا۔ کوئی اور نہ تھا۔ پھر ولید نے خارجی سے پوچھا کہ فلاں فلاں خلیفہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ خارجی نے اس کی مذمت کی اور اس پر لعنت و ملامت کی۔ پھر پوچھا! اور میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔ خارجی نے کہا تو ستم گر ہے ظالم ہے اور سخت گیر ہے۔ ولید نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ جلاد نے اس کی

گردن اڑا دی۔

عمرؒ کا بے باکانہ اور صحیح فتویٰ

پھر ولید عمرؒ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ خلفاء کو گالیاں دینے والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ کی رائے میں انھیں قتل کر دیا جائے۔ عمرؒ خاموش رہے۔ ولید نے عمرؒ کو ڈانٹا اور کہا۔ آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اب بھی عمرؒ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ولید نے ڈانٹ کر پوچھا مگر عمرؒ خاموش ہی رہے۔ جب بار بار ولید پوچھتا ہی رہا تو عمرؒ نے تنگ آ کر جواب دیا کہ اسے سزا دی جائے۔ اس سے خلیفہ کا غصہ اور بھی بھڑکا کیونکہ وہ عمرؒ سے قتل کا فتویٰ چاہتا تھا۔

پھر اس نے مجلس چھوڑ دی اور اپنے گھر چلا گیا۔ اور ابن ریان نے عمرؒ کو واپس جانے کا اشارہ کیا عمرؒ فرماتے ہیں میں واپس آ گیا میرے پیچھے ہوا کی ذرا سی سرسراہٹ ہوتی تو میں خیال کرتا کہ مجھے قاصد پھر ولید کی طرف لوٹا کر لے جائے گا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ولید نے عمرؒ کو اپنے گھر بلوایا اور پھر خارجی کے بارے میں عمرؒ کی رائے پوچھی کہ اس کا قتل برمحل ہوا یا نہیں؟ عمرؒ بولے اس کا قتل صحیح نہیں تھا۔ البتہ اسے کوئی اور سزا دے دی جاتی۔ اگر آپ چاہتے تو اسے معاف فرما دیتے ورنہ قید کر دیتے۔ اس پر ولید غضب ناک ہو کر کھڑا ہو گیا اور عمرؒ ایک جدید قسم کے فخر سے جو ایک مخلص و صادق و خیر خواہ کا فخر ہوتا ہے۔ اپنا دامن گھسیٹتے ہوئے اپنے گھر کی طرف بڑھے۔ عمرؒ کے پیچھے پیچھے جلاد خالد بن ریان بھی نکلا جو اپنے آقا کا بار بار غصہ دیکھ چکا تھا اور اس کے سامنے عمرؒ کا فتویٰ بھی سن چکا تھا اور عمرؒ سے بولا۔ ابو حفص! اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے امیرالمومنین سے بحث کی حتیٰ کہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں امیرالمومنین مجھے آپ کی گردن اڑانے کا حکم نہ فرما دیں۔ عمرؒ کو اس کمینہ جلاد کی یہ بات سخت ناگوار گذری۔ لیکن آپ نے اپنا غصہ ضبط کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ تجھے میرے قتل کا حکم کرتے تو کیا تو اس حکم کی تعمیل کرتا؟ بولا۔ اللہ کی قسم یقیناً تعمیل کرتا۔[1] عمرؒ اپنا سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اور آپ نے جلاد خالد کا یہ کلمہ اپنے دل میں چھپا لیا۔ اور محفوظ رکھا۔

عمرؒ کا ولید کو ایک مخلصانہ مشورہ

ایک دن ولید نے عزم کیا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے سبکدوش کر کے اپنی اولاد کی طرف منتقل کر دے

---

[1] ابن عبدالحکم صفحہ ۱۳۹

اسے اس سلسلے میں عمرؓ کے تعاون کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس نے عمرؓ کو اس بات پر پھسلایا کہ کہ ان کی اعانت سے سلیمان کو آسانی سے اس عہدے سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ عمر بولے۔ امیر المومنین! ہم نے آپ دونوں بھائیوں کے لئے ایک ہی وقت میں بیعت کی تھی تو ہم کس طرح سلیمان کو الگ کر سکتے ہیں اور آپ کو بحال رکھ سکتے ہیں۔[1]

عمرؓ و ولید کے درمیان اختلاف

اسی لئے عمرؓ اور ولید کے درمیان اختلاف کی ایک گہری خلیج حائل ہو گئی اور دونوں میں نفرت و وحشت بڑھ گئی۔

عمرؓ کی نظر بندی

ولید نے اس بات پر عمر کی گرفت کی عمرؓ نے اس گرفت کا جواب دیا جس سے عمرؓ سے ولید سخت ناراض ہو گیا۔ اور اس کے حکم سے عمرؓ کو ایک گھر میں تین دن تک نظر بند رکھا گیا۔ اور ان کا دانہ پانی بند کر دیا گیا۔ پھر ولید نے حکم کیا اگر زندہ ہوں تو رہا کر دئے جائیں۔ آخر کار آپ کی بیوی نے آپ کو زندہ پایا۔ لیکن آپ کی گردن میں سخت درد تھا۔ آخر علاج و معالجہ کے بعد آپ اچھے ہو گئے۔[2]

ایک ہی مہینہ میں دو ظالم حاکموں کی وفات سے عمرؓ کو مسرت

۹۵ھ میں حجاج فوت ہو گیا۔ جب عمرؓ کو حجاج کی موت کی خبر ملی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور قرہ بن شریک عبسی کو بھی جو مصر کا حاکم تھا۔ حجاج کی وفات کے دن یا مہینے میں فوت ہوا۔[3] عمرؓ ولید پر آزادانہ اکثر اعتراض کرتے رہتے تھے کہ مصر پر قرہ کو کیوں عامل بنایا گیا۔[4] اور اس کے سلسلے میں لوگ بھی ولید پر ایک زمانے سے معترض تھے۔ لیکن عمرؓ کی اور لوگوں کی بات نہ مانی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کا ایک شاعر ولید پر اعتراض کرتا ہے۔ جب وہ مصر سے عبداللہ بن عبدالملک کو معزول کر کے قرہ بن شریک کو مصر کا حاکم بناتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

(۱) عَجَباً مَا عَجِبْتُ حِيْنَ اَتَانَا ۔۔۔ اَنْ قَدْ اَمَّرْتَ قُرَّةَ بْنِ شَرِيْكٍ

---

[1] ابن جوزی ص۴۱

[2] ابن جوزی ص۲۴۸

[3] ابن الاثیر ج ۵ ص ۹ ۔ [4] النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۱۸

۔ میں نہایت حیران رہ گیا جب ہمارے پاس یہ خبر آئی کہ آپ نے قرہ بن شریک کو مصر کا حاکم بنا دیا ہے:

(۲) وعزلت الفتی المبارک عنا ثم فیلت فی رأئی ابیک [۱]

۔ اور ہم سے ایک مبارک نوجوان کو معزول کر دیا گیا ہے۔ پھر اس نے اس سلسلے میں اپنے والد کی رائے پائمال کر دی ہے:

حجاج کی خباثت کے بارے میں عمرؓ کی رائے

عمرؓ حجاج کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ اگر قیامت کے دن گندی قومیں اپنے سب سے زیادہ خبیث شخص کو نکالیں اور ہم حجاج کو نکالیں تو ہم ان تمام قوموں پر غالب آجائیں گے [۲]

ولید کو قرہ و حجاج کی موت کا سخت صدمہ تھا

معلوم ہوا کہ حکومت امویہ کے دونوں پھیپھڑوں مصر و عراق میں ابھی کچھ سانسیں باقی ہیں۔ اگرچہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی روح نکل گئی ہے ولید کو بھی ان دو شخصوں کی موت کی خبر پہنچی اور اسے بڑا صدمہ ہوا۔ کیونکہ ان دونوں کی موتوں نے تختِ خلافت کو ہلا دیا تھا۔ جیسا کہ ولید کا گمان تھا۔ باوجودیکہ ولید کی رائے صحیح نہ تھی مگر وہ لوگوں کو جلدی سے جمع کر کے منبر پر سر کھول کر چڑھ گیا۔ گویا ایک عورت ہے جس کا بچہ مرگیا ہے اور اس نے لوگوں کو ان دونوں کی موت کی خبر دی اور بولا گویا گمراہی نے اسے مخبوط الحواس بنا کر اس کے مقام سے گرا دیا ہے۔ اللہ کی قسم میں ان دونوں کی ایسی شفاعت کروں گا جو انہیں مفید ہو گی۔

ولید کی باتوں پر عمرؓ کو ہنسی آجاتی ہے

جب ولید یہ باتیں کر رہا تھا تو عمرؓ بھی حاضرین میں موجود تھے۔ آپ کو اس کی گمراہی پر ہنسی آتی۔ اور آپ نے اس کی باتوں کا خوب مذاق اڑایا۔ اور اپنے پاس والوں سے بولے۔ اس خبیث کو دیکھو۔ اللہ کرے اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب

---

[۱] فتوحات واخبار مصر ص۱۳۱

[۲] ابن جوزی ص۸۹

نہ ہو۔ اور اللہ اسے بھی انھیں دونوں ہی کے ساتھ ملا دے[1]

لوگوں کی طرح حجاج کی موت پر عمرؒ نے اظہار افسوس نہیں کیا

جب ولید منبر سے اترا تو لوگ کھڑے ہو کر تعزیت کے لئے اس کی طرف بڑھے مگر عمرؒ کھڑے نہیں ہوئے۔ ولید نے عمرؒ سے پوچھا۔ لوگوں کی طرح حجاج کی موت پر تعزیت کیوں نہیں کی۔ عمرؒ بولے! امیرالمومنین! حجاج ہمارا آدمی تھا۔ اس کی تعزیت ہمیں دی جانی چاہیئے۔ ولید نے کہا ٹھیک کہتے ہو۔ اسے معلوم نہ تھا کہ جب وہ منبر پر تھا تو عمرؒ نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔ اور یہ خبر بھی نہ تھی کہ عمرؒ کو حجاج کی موت سے خوشی ہوئی ہے

ولید عربی غلط بولتا تھا۔ اور قواعد نحو سے بے خبر تھا۔ ایک دن اس نے خطبہ میں یہ آیت پڑھی یا لیتھا کانت القاضیۃ یعنی کاش انھیں موت ہی آجاتی اور وقف نہیں کیا اور قاضیۃ کی "ت" کو پیش دیا۔ عمرؒ بولے یعنی تجھے موت آجاتی۔ اور ہمیں تجھ سے راحت مل جاتی[2]

عمرؒ اور سلیمان

ولید کی وفات اور سلیمان کی آمد

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ ولید لد کے پاس رملہ فلسطین گیا[3]۔ رملہ ایک بڑا شہر تھا اور مسلمانوں کی فوج اس میں رہتی تھی۔ ولید وہاں رملہ کا معائنہ کرنے گیا تھا اور بیمار ہو گیا۔ آخر اسی بیماری میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سریر آرائے خلافت ہوا۔ اب عمرؒ کی مسرت حد سے فزوں تھی۔ چنانچہ آپ نے دمشق میں خود کھڑے ہو کر لوگوں سے سلیمان کے لئے اسی دن بیعت لی جس دن ولید فوت ہوا ہے[5]۔

---

[1]: النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۱
[2]: ابن عبدالحکم ص ۲۴
[3]: ابن الاثیر ج ۵، ص ۵
[4]: رملہ اور لد آج بھی فلسطین کے مشہور شہر ہیں۔
[5]: الیعقوبی ج ۳ ص ۳۷

ولید و سلیمان کے اخلاق کا موازنہ

ولید کی بہ نسبت سلیمان نرم طبع، رحمدل، نصیحت کو سننے والا اور صحیح الرائے تھا۔ پھر سلیمان نے وزارت و مشورے کے لئے عمرؒ کو منتخب کر لیا تھا۔ عمرؒ نے سلیمان کی مٹی زرخیز دیکھی جس میں کاشت کی جا سکتی ہے۔ اور اس کی فصل پروان چڑھ سکتی ہے۔ چنانچہ عمرؒ سلیمان کو چمٹے رہے۔ اور اس کی صحیح صحیح راہنمائی کی اور رہبری کرتے رہے اور سلیمان بھی عمرؒ کو چمٹے رہے۔ اور ان سے پوچھ پوچھ کر اہم مسائل حل کرنے لگے۔

عمرؒ کا سلیمان کی نگاہ میں ایک مخصوص مقام تھا

عمرؒ کا سلیمان کی نگاہ میں ایک مخصوص مقام اور مخصوص گوشہ تھا۔ جس کے نیچے تمام بنی امیہ تھے۔ اور عمر سلیمان کے ایک مخصوص آدمی تھے۔ جب کبھی سنگدلی کی آگ سلیمان کو جنبش میں لائی۔ اِسے عمرؒ بجھا دیتے کرتے تھے۔ اور سرد کر دیا کرتے تھے۔

عمرؒ و سلیمان کی رنجش

پھر عمرؒ اور سلیمان کے درمیان ایک بحث چھڑ گئی۔ یعنی ایک شخص لوگوں کا اپنے کو سردار سمجھتا ہے۔ اور بات اٹکل اور گمان سے کرتا۔ اور ایک شخص باطل کے ساتھ خلیفہ کا دوست بننا نہیں چاہتا۔ بلکہ ایسے شخص کا دوست بننا چاہتا ہے۔ جسے وہ پہچانتا ہے۔ اور اس کی بات سچی بات سمجھتا ہے۔ ان دونوں میں رنجش ہو جاتی ہے۔

رنجش کی وجہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمرؒ سلیمان کے ساتھ گرمی کے دنوں میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں[1]۔ اتفاق سے عمر و سلیمان کے غلام پانی پر لڑ پڑتے ہیں۔ اور عمرؒ کے غلام سلیمان کے غلاموں کو پیٹ دیتے ہیں۔ عمرؒ کی تیزی تجاوز کر کے ان کے غلاموں میں بھی آ گئی تھی۔ اس لئے انھوں نے خلیفہ کے غلاموں کو مارا اور انہیں پہلے سیراب ہونے نہیں دیا۔ سلیمان کے غلاموں نے سلیمان سے شکایت کی۔ سلیمان نے عمرؒ سے کہا آپ کے غلاموں نے میرے غلاموں کو مارا ہے۔ عمرؒ بولے! مجھے معلوم نہیں۔ سلیمان نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو اس پر عمرؒ ناراض ہو کر بولے جب سے میں ہوشیار ہوا ہوں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ جھوٹے کے لئے مضر ہی ہوتا ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پھر عمرؒ یہ کہتے ہوئے سلیمان کی

---

[1] : صائفہ یعنی گرمی میں لڑائی۔

مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ آپ کی اس مجلس سے زمین وسیع ہے۔[1]

مصر جانے کا عزم کرتے ہیں

عمرؓ اپنے قول وفعل سے باز نہیں آئے۔ اور اس پہ جمے اور اڑے رہے۔ اور مصر جانے کی تیاری کرنے لگے

پھوپھی جان نے دونوں میں صلح کرادی اور عمرؓ نے مصر کا ارادہ فسخ کر دیا

جب سلیمان کو خبر لگی تو انھیں عمرؓ کا جانا گوارا نہیں ہوا۔ اور ان دونوں کی پھوپھی جان کو عمرؓ کے جانے کی خبر لگ گئی۔ انھوں نے دونوں میں صلح کرادی۔ سلیمان نے پھوپھی جان سے کہا۔ آپ عمرؓ سے کہیں کہ وہ میرے پاس آجائیں اور مجھ پر اظہار ناگواری نہ کریں۔ آخر کار عمرؓ سلیمان کے پاس چلے گئے اور خفا نہیں ہوئے کہ سلیمان نے معافی مانگ لی۔ اور کہا۔ ابوحفص! جب کبھی مجھے کوئی غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ تو مجھے آپ ہی یاد آتے ہیں۔ پھر عمرؓ سلیمان ہی کے پاس ملک شام میں رہے اور مصر جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔[2]

سلیمان کھانے کا بڑا حریص تھا

عمرؓ نے دیکھا کہ سلیمان کھانے کا بڑا حریص ہے۔ اور کبھی سیر ہی نہیں ہوتا۔ آپ نے اسے حد سے زیادہ کھانے والا پایا۔ لبا اوقات باورچی اس کے ساتھ بھنی ہوئی مرغی کے کباب لاتے تھے اور سلیمان بھاری منقش جبہ پہنے ہوئے ہوتا تھا تو اپنی حرلیص وہوس طعام کی وجہ سے آستین میں ہاتھ کر کے مرغ کا گرم گرم کباب لے لیا کرتا تھا۔ اور اسے نوچ نوچ کر کھایا کرتا تھا۔[3] سلیمان کی حرص طعام پر عمرؓ کو سخت حیرت تھی مگر انھوں نے نیت کر لی تھی۔ کہ ڈکاروں کی راہیں اس پر بند کر دیں گے۔ تاکہ بہت کھانے سے رُک جائے اور کم کھائے عمر جب سلیمان کے ساتھ ہوتے تو روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ سلیمان عمرؓ کو روزہ دار سمجھ کر کھانے کو نہ کہتے تھے۔ اور خود کھانوں پر پل پڑتے تھے اور دسترخوان کی تمام چیزیں چٹ کر جایا کرتے تھے۔

---

[1]: ابن جوزی ص ۳۶

[2]: مقعص الحب ج ص ۲۳۲

[3]: الیعقوبی ج ۳، ص ۴۳، عیون الاخبار ج ۳، ص ۲۲۶

۹۷ھ میں عمرؓ و سلیمان کا حج

۹۷ھ میں عمرؓ نے سلیمان کے ساتھ حج کیا[1] اور سلیمان نے مدینہ کی زیارت کی سعادت حاصل کی اور عمرؓ ان کے ساتھ تھے۔ سلیمان نے بھی مدینہ والوں کے ساتھ وہی کیا۔ جو ان سے پہلے ان کے بھائی ولید کر چکے تھے کہ لوگوں میں بہت کچھ تحائف بانٹے۔ پھر خیال کیا کہ اس نے لوگوں کو خوش کر لیا ہے۔ جس طرح ولید نے خیال کیا تھا۔ عمرؓ کو ان تحائف کے اور جن کو یہ تحائف دے گئے ان کے عیوب معلوم تھے۔ اور ان تحائف کے ان کے دلوں میں بھی جن کو نہ دیے گئے تھے۔ اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لوگوں کے لیے موجب بغض و عداوت ہیں۔ جب سلیمان تحائف دینے کے بعد عمرؓ کے پاس تنہائی میں آئے تو ان سے پوچھا۔ ابوحفص! ان تحائف کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوحفص بولے! میں نے تو یہ دیکھا کہ آپ نے مالداروں کی مالداری میں اضافہ کر دیا۔ اور ناداروں کو ان کی ناداری پر چھوڑ دیا۔ پھر سلیمان نے عمرؓ سے بات نہیں کی۔

دنیا دنیا کو کھا رہی ہے

پھر یہ دونوں چل پڑے جب جحفہ کے پاس عقبہ عسفان میں پہنچے جو مکہ کے راستہ میں ہے۔ تو سلیمان نے عسفان میں فوج کے پڑاؤ کو دیکھا اور انھیں وہاں کے حجرے اور عمارتیں حیرت انگیز معلوم ہوئیں۔ اور عمرؓ سے پوچھا۔ عمرؓ! ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ عمرؓ بولے میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں کہ بعض بعض کو کھا رہی ہے۔ آپ سے بھی ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور آپ بھی پکڑے جائیں گے[2]۔

مکہ میں زبردست ہیجان

پھر دونوں چل پڑے۔ حتیٰ کہ جب مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں زبردست ہیجان پایا۔ لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر عمرؓ کی آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوئی۔ اور سلیمان کے کان کھڑے ہوئے۔

سلیمان نے مکہ والوں کو پرچانا چاہا

سلیمان نے مکہ والوں کو خوش کرنا چاہا اور ان کے دلوں کو پرچانا چاہا۔ اس لئے اس نے اور خالد قسری مکہ کے حاکم نے ان کے لئے میٹھے پانی کی فراہمی کے لئے کنوا کھودا۔ پانی ابلنے لگا اور بھر پڑا۔ لیکن جب خالد نے لوگوں کو میٹھا پانی پلانے کے لئے بلایا تو سلیمان کو معلوم ہو گیا کہ لوگ اس کے پانی سے نفرت کرتے ہیں

---

[1] : ابن اثیر ج ۵، ص ۱۲

[2] : ابن جوزی ص ۱۴۱

اور پانی کے پاس دو شخص بھی آگر نہیں پہنچ سکے۔ یہ دیکھ کر سلیمان دم بخود رہ گیا۔

حاجیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھ کر سلیمان کو مسرت

پھر دونوں آگے بڑھے حتیٰ کہ عرفات پہنچے۔ سلیمان نے دیکھا کہ بہت بڑا اجتماع ہے۔ اور لوگ پیدل اور سواریوں پر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہیں۔ حاجیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع دیکھ کر سلیمان فرطِ مسرت سے کھل گیا۔ اور اس نے خیال کیا کہ میرے زمانے میں امن نے دنیا کے گوشے گوشے پر اپنے پردے لٹکا دئے ہیں۔ اور لوگ تمام راستوں سے بھرپور سہولت کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے ہیں۔ چنانچہ سلیمان عمرؓ سے کہتا ہے۔ ابو حفص! آپ حج میں لوگوں کی کثرت نہیں دیکھتے۔

عمر کو لوگوں کا اضطراب معلوم تھا

عمرؓ حج میں لوگوں کی بھیڑ، تلبیہ میں ان کی آوازوں کا بیٹھ جانا اور کعبہ کے اور کعبہ کے پردے کے پاس لوگوں کے آنسوؤں کا بہنا دیکھ چکے تھے۔ عمرؓ نے ان سب چیزوں کو کسی اور نگاہ سے دیکھا تھا۔ خلیفہ کی نگاہ سے نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ لوگ ان ہولناک مظالم سے جن کے نیچے دبے ہوئے ہیں بلبلا رہے ہیں۔ اور انھیں ہٹانا چاہتے ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ لوگ سلیمان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ اور اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور اس کے عمل کو پسند نہیں کرتے۔ اور وہ تلبیہ کہتے ہوئے اور طواف وسعی میں اور صفا مروہ پر رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ انھیں مظالم سے نجات عطا فرمائے۔ عمرؓ یہ ساری چیزیں دیکھ رہے اور سُن رہے تھے۔ اور انھیں وہ جانتے تھے اور ان پر ان کا ایمان تھا۔ پھر جب ان سے سلیمان نے کہا۔ تم حج میں لوگوں کی کثرت نہیں دیکھتے۔ تو عمرؓ نے جواب دیا۔ امیر المومنین! یہ آپ کے دشمن ہیں۔ سلیمان نے کھسیانہ ہو کر جواب دیا۔ اللہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ان سے تمہیں آزمائے۔

بارش سے سلیمان گھبراتے ہیں عمر ہنستے ہیں۔

پھر عرفات میں ابر چھا جاتا ہے۔ اور وہ خوب زور سے گرجتا ہے اور اس میں جلدی جلدی بجلی چمکتی ہے۔ جس سے موقف والے گھبرا جاتے ہیں۔ سلیمان انتہائی خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے ہیں اور عمرؓ کو دیکھتے ہیں تاکہ ان سے ٹیک لگائیں اور تقویت حاصل کریں مگر عمرؓ ہنس رہے ہیں۔ سلیمان کہتے ہیں۔ عمرؓ تم ان ہولناک مناظر کو دیکھ کر ہنس رہے ہو؟ عمرؓ کہتے ہیں۔ امیر المومنین یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

۱؎: الیعقوبی ج ۲، ص ۳۷

جس سے آپ اس قدر گھبرا رہے ہیں۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا جب اللہ کا (خدانخواستہ) عذاب آجائے گا۔[1]

سلیمان کی اہلِ مصر پر سختی

سلیمان نے اہلِ مصر پر سختی کی۔ اور ان پر حکام کو بھڑکا دیا۔ اسامہ بن زید تنوخی خراجِ مصر کا رئیس تھا اسے سلیمان نے لکھا۔ دودھ اتنا دوہ کر ختم ہو جاتے۔ اور خون اتنا چوس کر ایک قطرہ بھی نہ نکلے۔ اسامہ نے وہی کیا جس کا اسے سلیمان نے حکم دیا تھا۔ اور سب سے پہلے اسی نے اہلِ مصر کو سختی میں مبتلا کیا۔ اور ان کا ناک میں دم کر دیا۔ اسامہ کے کارناموں سے خوش ہو کر ایک دن سلیمان کسی سے کہتا ہے یہ رشوت میں ایک دینار یا ایک درہم بھی نہیں لیتے۔ عمرؓ اپنی تیزی طبع اور غصہ کو ضبط نہ کرتے ہوئے بولے۔ میں آپ کو ایک ایسا متنفس بتاتا ہوں جو اسامہ سے زیادہ بُرا ہے۔ حالانکہ وہ ایک درہم بھی رشوت میں نہیں لیتا۔ سلیمان نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟ فرمایا۔ اللہ کا دشمن ابلیس۔

سلیمان کو غصہ آگیا اور وہ مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔[2]

یزید بن ابو مسلم ثقفی کی حجاج کے بارے میں رائے

ایک دن سلیمان نے یزید بن ابی مسلم ثقفی کو بلوایا جو حجاج بن یوسف کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اور اس کا کاتب و جانشین تھا۔ یہ بدصورت تھا اور توند نکلی ہوئی تھی۔ سلیمان بولا اللہ اسے غارت کرے جس کی رسی تجھے کھینچ کر لائی۔ اور جس نے تجھے اپنی امانت میں شریک کیا۔ یزید بولا۔ امیرالمومنین! آپ نے مجھے اس حال میں دیکھا جب میں تمام کاموں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اگر آپ مجھے اس وقت دیکھتے جب کاموں کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں تھی تو آپ وہ چیز بڑی سمجھتے جو آپ نے چھوٹی سمجھی اور وہ شے عظیم خیال فرماتے جو آج آپ نے حقیر سمجھی۔ سلیمان بولے۔ اللہ اسے غارت کرے اس کی بات کتنی صحیح اور زبان کتنی تیز ہے۔ پھر اس نے اس سے پوچھا۔ تیری اپنے آقا حجاج کے بارے میں کیا رائے ہے؟ کیا وہ جہنم میں گر رہا ہے۔ یا اس کے پیندے میں ٹھہر گیا ہے؟ یزید بولا امیرالمومنین! ایسا نہ فرمائیے کیونکہ حجاج نے آپ حضرات کو منبروں پر چڑھایا۔ اور سرکشوں کو اور سرپھروں کو آپ لوگوں کا مطیع بنایا۔ ولید کے دائیں جانب اور عبدالملک کے بائیں جانب حجاج

---

[1] : ابن جوزی ص۴۲

[2] : النجوم الزاہرہ ج۱، ص۲۳۱

ہے۔ آپ اسے جہاں چاہیں ٹھہرا دیں۔ سلیمان اس شخص کی بلاغت سے حیران رہ گیا اور اس کی باتوں نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔ اور بولا۔ اللہ اسے غارت کرے۔ اپنے آقا کا کتنا وفادار ہے! جب لوگوں کو تربیت دی جائے تو اسی جیسے لوگوں کو تربیت دی جائے۔

سلیمان نے یزید کو کاتب بنانا چاہا

پھر سلیمان نے یزید کو اپنا کاتب بنانا چاہا۔ اور اسے اپنے معاونین اور خاص آدمیوں میں شامل کرنا چاہا۔ لیکن عمرؓ بولے۔ امیرالمومنین! حجاج کا ذکر زندہ نہ کیجئے۔ سلیمان نے کہا۔ میں تم پر یہ بات کھول چکا ہوں کہ جب میں نے حجاج کے بارے میں تفتیش کی تو اس میں ایک دینار یا ایک درہم کی بھی خیانت نہیں پائی۔ عمرؓ بولے۔ امیرالمومنین کیا میں نے آپ کو جواب نہیں دیا تھا کہ ابلیس بھی خائن نہیں ہے۔ اور اس نے تو ایک مخلوق کو فنا کے گھاٹ اتارا ہے۔ پھر سلیمان نے یزید کو چھوڑ دیا۔ پھر عمرؓ سلیمان کو اکساتے رہے۔ حتیٰ کہ سلیمان حجاج کے اصحاب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سزائیں دینے لگا۔

شام کے علماء فتووں میں عمرؓ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے

شام کے علماء عمرؓ سے فتوے پوچھا کرتے تھے۔ اور جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جاتا تو عمرؓ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے سلیمان جھگڑے عمرؓ ہی سے چکوایا کرتے تھے۔ اور ناقابل حل مسائل انہی سے حل کرایا کرتے تھے۔

کیا خلیفہ کی بیٹیاں ورثے کی حقدار نہیں

سلیمان کی رائے تھی کہ خلفاء کی بیٹیاں زمین میں ورثے کی حقدار نہیں۔ لہٰذا میراث میں باہمی جھگڑوں کے مسائل پیدا ہو گئے۔ کیونکہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ مجھے فلاں خلیفہ کی بیٹی کی میراث ملنی چاہیئے۔ سلیمان بولا! میرے خیال میں عورتیں زمین کے ایک کھوڑی کی بھی وارث نہیں ہوتیں۔ عمرؓ بولے! سبحان اللہ (یہ تم کیا کہہ رہے ہو) سلیمان نے غلام کو حکم دیا۔ ذرا عبداللہ کی کتاب تو اٹھا لا جنھوں نے یہ مسئلہ اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ عمرؓ بولے گویا آپ نے مصحف منگوایا ہے۔

پھر ایوب جو سلیمان کی اولاد میں سب سے بڑے تھے بولے۔ یہ ابھی زندہ تھے فوت نہیں

ؔ: شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۴

ہوتے تھے۔ اللہ کی قسم ایک شخص اس قسم کی بات امیرالمومنین کے پاس کرتا ہے۔ پھر اس پر غور نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ وہ امیرالمومنین سے جدا ہو جاتا ہے۔ عمرؓ نے ایوب کو دیکھ کر کہا۔ جب خلافت آپ کے یا آپ جیسوں کے پاس آئے..... ایوب نے جواب دینا چاہا۔ لیکن سلیمان نے ایوب کو ڈانٹ کر کہا ہاں! تو اس جیسی گفتگو ابوحفص سے کر رہا ہے۔ عمرؓ بولے امیرالمومنین! اگر وہ ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ سنجیدگی نہ برتیں گے[1]

عمرؓ نے رفتہ رفتہ اپنا نفس قابو میں کر لیا

عمرؓ اپنے عزم و رائے کے ساتھ ہر بات کو بیدار مغزی سے سوچا کرتے تھے اور غفلت و نیند کے غلبہ سے محتاط رہتے تھے۔ اور انھوں نے جس مہم کا آغاز کیا تھا اس پر اپنے دل کو جمائے رہتے تھے اور صبر و تحمل پیش نظر رکھتے تھے۔ تاکہ اپنے نفس کے سردار بن جائیں۔ کیونکہ ایک لمحہ میں اپنے نفس کو دبانا تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ دفعتاً اور فوری طور پر نفس قابو میں آتا ہے جب کہ اعمال اقوال کے اور اقوال اعمال کے خلاف نہ ہوں۔ لیکن مسلسل و مربوط و مرتب اقوال و اعمال کی مطابقت سے قابو میں آتا ہے اس طرح عمرؓ رفتہ رفتہ ایک مخلص ناصح کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ آپ کی نصیحتیں کھلم کھلا اور ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی تھیں۔ جو خلفاء امراء اور حکام کے کانوں میں ڈالی جاتی تھیں۔ اور رواداری یا رعایت یا التوا کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور نہ نرمی سے کام لیا جاتا تھا۔ پھر آپ اپنے افعال افکار اور حواس کو اس قوت کے مطیع بنانے لگے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی استعداد بڑھاتے رہے۔ اور اپنی صلاحیت کی قوت میں اضافہ کرتے رہے۔ اور اپنے نفس کی خلاء کا سوراخ پُر کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد آپ نے پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ آپ اپنے نفس کو دبا سکتے ہیں۔ بلکہ آپ نے اسے دبا لیا۔

سلیمان کی بیماری

اچانک سلیمان کو بدہضمی کا عارضہ پیش آتا ہے اور وہ مرض الموت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر جب اسے موت کا یقین ہو جاتا ہے تو رجاء بن حیوۃ کندی کو بلا کر کہتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب سے میرا بیٹا ایوب فوت ہوا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے اپنے کسی بیٹے میں خلافت کی صلاحیت نہیں دیکھی۔ وہ سب چھوٹے ہیں اور بچوں میں خلافت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ سلیمان کی باتوں سے رجاء کو مسرت ہوئی۔ کیونکہ رجاء بھی یہی چاہتے تھے کہ خلافت کا بوجھ کسی ایسے شخص کے کندھے پر ڈال دیا جائے جس سے لوگوں کی

---

[1]: ابن جوزی ص ۳۷

اصلاح کی امید ہو۔ مگر رجا خاموش رہے اور گفتگو نہیں کی۔

خلافت کی وصیت پر غور

آخر کار موت سلیمان کو جھانکنے لگی۔ اور ان کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا۔ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ میرے بچے میرے سامنے مسلح پیش کئے جائیں۔ تلواریں لٹکی ہوئی ہوں زرہیں پہنے ہوئے ہوں اور لڑائی کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں۔ شاید میں اپنے کسی بچے میں مردانگی یا شجاعت کے آثار دیکھوں اور اس کے حق میں خلافت کی وصیت کر جاؤں۔ رجاء نے فوراً اس حکم کی تکمیل کی۔ اور ایک ایک کو مسلح فوجی وردی میں پیش کرتا رہا۔ اور مخصوص ہیئت میں چھوٹے چھوٹے بچے اپنے باپ کے سامنے سے گذرے۔ حالانکہ وہ ان چھڑوں سے جنھوں نے اسے بوجھل بنا دیا تھا بھاگنا چاہتے تھے گویا ان کے سرکچھوؤں کے ان چھوٹے چھوٹے سروں کی طرح تھے جو پتھروں کے بھاری بھاری تودوں کے پیچھے کبھی ظاہر ہوتے ہیں کبھی چھپ جاتے ہیں۔ سلیمان انھیں دیکھ کر کہنے لگے۔

ان بنی صبیۃ صغار
افلح من کان لہ کبار

"میرے بیٹے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ کامیاب ہے جس کے بڑے ہوں"

اس وقت عمرؓ بھی موجود تھے بولے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربہ فصلّٰی"

"یعنی وہی کامیاب ہے جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا۔ اور نماز پڑھی"

سلیمان نے پھر وہی شعر پڑھا۔ اور عمرؓ نے پھر یہی آیت دہرائی۔ سلیمان نصیحت کو تاڑ گیا۔ پھر اس نے اپنے دل میں سوچا۔ وہ خلافت کی گرہ اس طرح باندھے گا کہ اس میں شیطان کا حصہ نہ ہو گا[1]

خلافت کے بارے میں رجاء سے مشورہ

رجاء تنہا سلیمان کے پاس جاتے ہیں۔ سلیمان ان سے کہتا ہے رجاء۔ مجھے اشارہ کر کہ میں اپنے بعد خلافت کی کسے وصیت کر جاؤں؟ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ رجاء بے تامل جواب دیتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں انھیں فاضل قابل دیندار صالح اور مسلمان

---

[1] ابن عبدالحکم ص۳۰

جانتا ہوں۔

سلیمان کہتے ہیں۔ واقعی وہ انھیں صفات کے مالک ہیں۔ لیکن اولادِ عبدالملک کو کیا کروں؟ اگر میں عمرؓ کو خلیفہ بنا جاؤں۔ اور ان میں سے کسی کو نہ بناؤں تو فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور وہ اسے کبھی نہیں چھوڑیں گے جو ان پر حاکم ہوگا۔ الا یہ کہ میں ان میں سے کسی کو عمرؓ کے بعد نامزد کر جاؤں اس لئے میں عمرؓ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کئے دیتا ہوں۔

عمرؓ بن عبدالعزیز کے لئے خلافت کی وصیت

رجاء کہتے ہیں۔ وصیت نامہ لکھ کر اس پر مہر لگا دیجئے۔ میں اسی کے لئے لوگوں سے بیعت لے لوں گا جس کا نام اس سر بند خط میں ہوگا۔ جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور آپ بھی۔ چنانچہ سلیمان اپنے ہاتھ میں کاغذ قلم اور دوات لے کر اپنے ہاتھ سے اور اپنے خط سے عہد نامہ عمرؓ کے لئے لکھتے ہیں اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کے لئے۔ پھر اس پر ابن ابی نعیم رئیس محکمہ مہر، مہر لگا دیتا ہے۔ پھر سلیمان اسے لپیٹ کر اپنے خاندان کے امراء کو اور بیعت والوں کو بلاتے ہیں۔ اور ان کو حکم دیتے ہیں کہ اس مہر شدہ اور لپیٹے ہوئے پرچے میں جو شخص خلافت کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔ اس کے لئے بیعت کر لی جائے۔ حاضرین بیعت کر لیتے ہیں اور سلیمان وہ عہد نامہ رجاء کو دے دیتے ہیں۔

عمرؓ کے نام خلافت کا عہد نامہ صیغہ راز میں

رجاء بن حیوۃ فرماتے ہیں جب لوگ چلے جاتے ہیں تو میرے پاس عمرؓ بن عبدالعزیز آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ابو المقدام! میرے دل میں سلیمان کا احترام ہے اور ان سے محبت بھی ہے۔ اور وہ مجھ پر شفیق بھی ہیں اور میرے محسن بھی۔ مجھے ڈر ہے انھوں نے خلافت کے متعلق کوئی چیز میری طرف منسوب نہ کر دی ہو۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ پھر اپنی حرمت کا کہ اس میں کس کا نام ہے؟ تم بتا کیوں نہیں دیتے تاکہ میں اس سے قبل کہ مجھ پر ایسا وقت آئے۔ میں استعفا دینے پر قادر نہ ہو سکوں ابھی سے مستعفی ہو جاؤں۔ رجاء کہتے ہیں میں نے انھیں جواب دیا۔ نہیں نہیں!! میں تو تم کو اس کے ایک حرف کی بھی ہوا نہ دوں گا۔ آخر کار وہ ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد آکر مجھ سے کہتے ہیں۔ رجاء! خدارا امیر المؤمنین کے سامنے میرا ذکر کر دو یا یہ اشارہ کر دو کہ میں امیر المؤمنین سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں خلافت پر قادر نہیں۔ رجاء آپ کو ڈانٹتے ہیں اور کہتے ہیں بلاشبہ آپ کو

خلافت کا لالچ ہے۔ اے عمرؒ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کے سامنے جا کر آپ کی طرف اشارہ کر دوں؟ یہ سُن کر عمرؒ شرما کر چلے جاتے ہیں۔ رجاء اپنے کام سے فارغ تو ہو چکے تھے۔ لیکن معاملہ راز میں رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ عمرؒ کی طرف سے کوئی نئی بات پیدا نہ ہو۔ جس سے لوگوں میں فتنہ کھڑا ہو[1]۔

عمرؒ کو گمان تھا کہ سلیمان نے مجھ کو خلیفہ نامزد کیا ہے

سچ پوچھو تو عمرؒ خلافت کے خواہاں نہ تھے۔ اور نہ اس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ لیکن ان کا گمان تھا کہ سلیمان انھیں کو خلیفہ بنائیں گے۔ یہ گمان ماضی میں ایک طویل زمانے سے تھا۔ جب سے ایوب بن سلیمان فوت ہوئے تھے۔ کیونکہ نوروز و مہرجان کے دن سلیمان کے پاس ان کے عہد خلافت میں سونے کے برتنوں میں تحائف کی بھر مار ہوتی تھی۔ لوگ تحائف لے کر سلیمان کے پاس آتے تھے اور عمرؒ موجود ہوتے تھے۔ پھر جب تحفہ کی کوئی صنف عمرؒ کے سامنے سے گذرتی تھی تو سلیمان ان سے پوچھا کرتے تھے۔ ابن عبدالعزیز یہ کیسا ہے؟ عمرؒ جواب دیتے۔ امیرالمومنین! یہ تو دنیوی زندگی کی پونجی ہے۔ سلیمان پوچھتے اچھا اگر تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے تو تم ان کا کیا کرو گے۔ عمرؒ جواب دیتے۔ امیرالمومنین! اللہ گواہ ہے کہ میں انھیں بانٹ دوں گا۔ اور ایک بھی اپنے پاس رہنے نہیں دوں گا۔ سلیمان کہتے۔ اے اللہ گواہ رہ! پھر جب کبھی سلیمان کے پاس کوئی چیز لائی جاتی تو سلیمان یہی بات دہراتے۔ اور عمرؒ وہی جواب دیتے۔ اور سلیمان اللہ کو گواہ بنا دیتے حتیٰ کہ فارغ ہو جاتے[2]۔

رجاء بن حیوۃ کون ہیں؟

رجاء بن حیوۃ بن جرول کندی اردن کے علماء میں سے تھے اور تمام شامیوں میں اپنے زمانے میں بڑے عبادت گذار، ہر دلعزیز حکیم فصیح و بلیغ، سنجیدہ اور پروقار تھے۔ خلفاء ان کو ان کی فضیلت کی وجہ سے پہچانتے تھے اور انھیں وزیر و مشیر اور اولاد و حکام کے نگران بنا دیا کرتے تھے۔ انھوں نے خلفاء کی بے رحمیاں اور سختیاں عبدالملک کے زمانے سے لے کر سلیمان تک کثرت سے دیکھی ہیں اور ان پر کڑی سے کڑی تنقیدیں کی ہیں۔ کیونکہ تنقید کی انھیں قدرت حاصل تھی۔ سلیمان کے زمانے میں تو رجاء سلیمان کے خاص

---

[1] : ابن عبدالحکم صہ ۳۱

[2] : ابن عبدالحکم صہ ۱۲۱

الناس آدمی تھے۔ اور انھیں وہ مقام حاصل تھا جو کسی کو بھی نہ تھا۔ سلیمان ان پر بھروسہ کرتا تھا۔ اور ان کے مشوروں سے راحت پاتا تھا۔

عمرؒ کی آزمائش ایک دن سلیمان نے رجاء کو عمرؒ کی سیرت معلوم کرنے کے لئے اور انھیں آزمانے کے لئے بھیجا۔ کہ آیا ان کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ یا بظاہر تو ناصح خیر خواہ اور مشیر ہیں اور باطن میں کچھ بھی نہیں؟ چنانچہ وہ عمرؒ کے پاس مہمان بن کر گئے اور ٹھہر گئے۔ عمرؒ نے ان کی خاطر و مدارات میں اور الطاف و اکرام میں اور مقرب بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ آپ عمرؒ کے پاس کئی دن ٹھہرے اور ان کی سیرت کی حقیقت پہچان گئے اور یہ بھی کہ عمر جو کچھ کہتے ہیں۔ اس پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ پھر آپ نے سلیمان کو حقیقت حال کی اطلاع کر دی۔ پھر رجاء کو عمر کی صحبت میں رہنے کا اور احکام و عبادات میں ان کے خلوص کا شوق پیدا ہوا۔

غرضیکہ جب سلیمان نے عمرؒ کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو رجاء نے عمرؒ کی طرف اشارہ کر دیا۔ بہرحال رجاء یا سلیمان یا دونوں لوگوں کے لئے خیر و سعادت کی کنجی ثابت ہوئے۔

ایک سخت دن

سلیمان کی موت

جب بنو مروان گرمی میں رومیوں سے جہاد کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک گھاس والی تفریح کی جگہ پر ایک مرغزار میں غربیہ دابق میں ٹھہرتے ہیں جو علاقہ قنسرین میں حلب کے قریب ہے۔ اور حلب سے بارہ میل دور ہے۔ پھر جب سلیمان نے جہاد کا ارادہ کیا تو فوج دابق میں ٹھہرا دی۔ اور اس کی گھاس والی مرغزار میں ٹھہر گیا۔ اور عزم کر لیا کہ قسطنطنیہ کو فتح کئے بغیر نہ لوٹوں گا۔ یا رومی جزیہ دینا منظور کر لیں۔ اس لئے اس نے کئی جاڑے دابق میں گذارے۔

سلیمان کپڑے پہن کر تفریح کو نکلتے ہیں

ایک جمعہ کو سلیمان کے پاس مفضل بن مہلب آتے ہیں۔ سلیمان اپنے کپڑے منگواتے ہیں اور انہیں پہنتے ہیں۔ مگر وہ کپڑے اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ پھر دوسرے کپڑے پہنتے ہیں اور وہ بھی پسند نہیں آتے۔ پھر ریشمیں سوسی سبز کپڑے منگا کر پہنتے ہیں۔ یہ کپڑے یزید بن مہلب نے بھیجے تھے اور عمامہ باندھتے ہیں۔ اور آئینہ میں دیکھ کر کہتے ہیں۔ ابن مہلب میں تمہیں اچھا معلوم ہو رہا ہوں۔ مفضل کہتے ہیں ہاں! پھر سلیمان آستینیں چڑھا کر کہتے ہیں۔ میں ہوں جوان بادشاہ!

سلیمان ٹیلہ پر ایک قبر دیکھتے ہیں

پھر اسی دن شام کو پھولے نہ سماتے ہوئے بڑے طمطراق سے سوار ہو کر وہاں کے ایک ٹیلے پر پہنچتے ہیں۔ اور اس پر ایک قبر دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی قبر ہے؟ لوگ کہتے ہیں یہ عبد اللہ بن مسافع قرشی کی قبر ہے۔ فرماتے ہیں اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اس کی قبر وطن سے دُور غربت کے علاقہ میں ہے[1]

سلیمان کی بیماری اور موت

سلیمان تفریح کر کے اپنے گھر آ جاتے ہیں۔ اور اسی رات بیمار ہو جاتے ہیں۔ اور تنہا ہوتے ہیں۔ پھر جب بیماری زور پکڑتی جاتی ہے۔ تو بجز رجاء کے آپ کے پاس کوئی نہیں آتا جاتا۔ پھر دوسرے یا تیسرے جمعہ کو فوت ہو جاتے ہیں۔

رجاء بیعت سے فارغ ہو کر سلیمان کی موت کی خبر دیتے ہیں

رجاء ان کی میت پر ایک سبز چادر ڈال دیتے ہیں اور دروازہ بند کر دیتے ہیں۔ ان کی بیوی آدمی بھیج کر خیریت معلوم کراتی ہے تو رجاء کہتے ہیں منہ ڈھانپ

---

[1] : معجم البلدان ج ۴ ص ۳

کر سو رہے ہیں۔ وہ آدمی انھیں منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے دیکھ کر واپس جاکر کہہ دیتا ہے کہ امیر المومنین منہ ڈھانپے ہوئے سو رہے ہیں۔ بیوی کو یقین آجاتا ہے اور ذرا سا بھی شک نہیں گذرتا۔ رجاء کہتے ہیں کہ میں نے دروازے پر ایک معتمد آدمی بٹھا دیا اور اسے تاکید کر دی کہ میرے آنے تک یہاں سے نہ ہٹے اور خلیفہ کے پاس کوئی آدمی نہ جائے۔ پھر رجاء دابق کی مسجد میں پہنچے۔ ان کے چاروں طرف پہرے دار تھے۔ اور انھوں نے بنو مروان اور ان بیعت کرنے والوں کے جنہوں نے پہلے ہی سلیمان کے سامنے اپنی زندگی میں بیعت کر لی تھی جمع کیا اور سلیمان کا دیا ہوا عہد نامہ نکالا جسے وہ لوگ پہچان گئے۔ اور ان سے کہا۔ کہ اس کے لئے بیعت کرو جس کا نام اس خط میں مندرج ہے۔ وہ بولے کہ ہم تو ایک بار بیعت کر چکے ہیں۔ لیکن رجاء نے ان سے کہا جس کا نام اس خط میں مندرج ہے اس کے لئے بیعت کرو اور اختلاف نہ کرو ورنہ دوسرے اس اختلاف سے فائدہ اٹھائیں گے چنانچہ ایک ایک شخص نے بیعت کی پھر جب رجاء معاملہ مضبوط کر کے فارغ ہو گئے تو بولے۔ امیر المومنین! اللہ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ امیر المومنین فوت ہو گئے[1]۔

بیعت کے بعد عہد نامہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

پھر رجاء عہد نامہ کی مہر توڑتے ہیں تاکہ انھیں پڑھ کر سنائیں۔ لوگوں کے دل زور زور سے دھڑکنے لگتے ہیں اور بعض سہم جاتے ہیں۔ اور سینوں میں آثار چڑھاؤ ہونے لگتا ہے۔ اور تنفس چڑھ جاتا ہے اور رنگ جاتا ہے اور ان کے کانوں میں سلیمان کی تحریر کا ایک لفظ بھی محفوظ نہیں رہتا اور وہ بجز جدید خلیفہ کے نام کے کچھ اور سننا نہیں چاہتے۔ پھر جب رجاء عمرؓ کے نام پر آتے ہیں تو گویا بنو مروان پر بجلی گر جاتی ہے۔

بیعت عمرؒ

ہشام کا بیعت سے انکار

ہشام بن عبدالملک سے صبر نہیں ہو سکا۔ اور وہ کہتا ہے۔ ہاہ! نہیں نہیں! اللہ کی قسم ہم بیعت نہیں کریں گے۔

---

[1]: ابن جوزی صفحہ ۴۹

یہ سن کر ایک شامی سپاہی تلوار سونت کر کہتا ہے تو اس کام کے لیے جس کا فیصلہ امیرالمومنین نے کیا ہے ھاہ کہتا ہے۔

ہشام کہتا ہے

اگر خلیفہ عبدالملک کے خاندان کا ہوگا تو ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے تو رجاء کہتے ہیں۔ اس صورت میں بھی ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ پھر لوگ ہشام کو کھینچ لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر گر جاتا ہے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پھر رجاء جلد ہی عہدنامہ پڑھنے لگے۔ اور بولے اور عمرؒ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوں گے۔ لوگوں نے اور ہشام نے کہا ہم نے سن لیا اور اطاعت کی۔ اس طرح سلیمان کی پیشین گوئی سچی ہوئی کہ بنو مروان عمرؒ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے۔ جب تک انھیں یقین نہ ہو کہ خلافت ان سے منتقل ہو کر بنو مروان ہی میں آجائے گی۔

عمرؒ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے

عمرؒ مسجد میں سب سے پچھلے لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنے خلیفہ بننے پر انا للہ پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ جانتا ہے میں نے ظاہر و باطن میں کبھی خلافت نہیں چاہی۔ رجاء عمرؒ کی طرف بڑھتے ہیں تاکہ خلافت آپ کو سونپ دیں۔ اور عمرؒ سے درخواست کرتے ہیں کہ منبر پر کھڑے ہو کر کچھ فرمائیں۔ عمرؒ بولے! رجاء! خدارا مجھے اس سے الگ ہی رکھو۔ رجاء بولے خدارا ایسے نہ فرمائیے۔ ورنہ لوگوں میں فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ اور پھوٹ پڑ جائے گی۔ آخر کار اس طرح عمرؒ کو روک لیا گیا اور پھانس لیا گیا۔ عمرؒ کھڑے نہ ہو سکے۔ رجاء نے آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو منبر کے قریب کر دیا۔ لیکن آپ منبر پر چڑھ نہ سکے۔ پھر رجاء نے آپ کو منبر پر چڑھا کر بٹھا دیا۔ آپ منبر پر دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ لوگ رنج و غم میں بھرے ہوئے اظہار افسوس کر رہے تھے اور آپ کی گفتگو کے منتظر تھے۔ پھر عمرؒ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔

عمرؒ کا خلیفہ بننے سے انکار

لوگو! میں اس امر میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ نہیں لیا گیا۔ نہ مجھے خلافت کی خواہش

۱؎ : ابن عبدالحکم ص ۳۲

۲؎ : ابن جوزی ص ۵۱

ہے۔ اور نہ مسلمانوں سے مشورہ لیا گیا۔ میں نے اپنی بیعت سے جو تمہاری گردنوں میں ہے تم کو سبکدوش کر دیا۔ اس لئے تم خود اپنے لئے خلیفہ چن لو۔

لوگوں نے بالاتفاق عمرؒ ہی کو خلیفہ چن لیا۔

یہ انداز گفتگو سن کر لوگ گھبرا گئے۔ اور جو عمرؒ کو چاہتے تھے انہیں عبرت ہوئی اور جو نہ چاہتے تھے انہیں مسرت ہوئی۔ اور پھوٹ پڑنے ہی والی تھی کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا[1]

امیرالمومنین! اللہ کی قسم اس سے تو بہت جلدی ناگوار خاطر باتیں پیش آئیں گی پھر اس نے منبر کے قریب آکر عمرؒ سے کہا۔ اپنا ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس وقت سب سے پہلے انصاری تو آپ سے بیعت کر رہا تھا۔ اور مسجد میں آپ کو پسند و ناپسند کرنے والوں میں ایک شور و غل برپا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے۔ ہم نے آپ کو چن لیا۔ اور ہم آپ سے خوش ہیں۔ آپ خیر و برکت کے ساتھ ہمارا کام سنبھالئے۔ پھر جب آوازیں بند ہو گئیں اور کوئی جھگڑنے والا نہیں رہا۔ تو عمرؒ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا۔

خلافت مل جانے کے بعد عمرؒ کا پہلا خطبہ

" میں تمہیں تقویٰ کا حکم کرتا ہوں۔ کیونکہ تقویٰ ہر چیز کا بدل ہے۔ اور تقویٰ کا بدل کوئی چیز نہیں۔ اس لئے اپنی آخرت کے لئے عمل کرو۔ کیونکہ جو آخرت کے لئے عمل کرتا ہے۔ اللہ اس کے دنیا کے تمام کام بنا دیتا ہے۔ اور اپنے باطن سنوار لو۔ حق تعالیٰ شانہٗ تمہارا ظاہر بھی درست فرما دے گا۔ اور کثرت سے موت کو یاد کرو۔ اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے اچھی طرح سے تیار رہو۔ اور جو اپنے سے لے کر حضرت آدمؑ تک اپنے آباء میں سے کسی کو زندہ نہیں پاتا۔ اس کے رگ و ریشہ میں بھی موت ہی ہے۔ دیکھو! امتِ محمدیہ کا اللہ ایک ہے۔ قرآن ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ اور کتاب ایک ہے اگر ان کا اختلاف ہے تو روپے پیسے میں ہے۔ میں کسی کو باطل طریقے سے دینے والا نہیں اور نہ کسی کا حق روکنے والا ہوں۔ پھر آپ نے ذرا بلند آواز سے فرمایا۔ لوگو! جو اللہ کا مطیع ہے اس پر میری اطاعت بھی واجب ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہے۔ اس پر میری اطاعت نہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم میری اطاعت نہ کرو پھر آپ منبر سے[2] اتر آئے

---

[1]: ابن جوزی ص۵۵

[2]: منیۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۴

اس دن سے آپ کے لئے خلافت جم گئی۔ آپ ۱۰ صفر ۹۹ھ کو سریر آرائے خلافت ہوئے

منبر سے اتر کر عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا

عمرؓ منبر سے اتر کر تھوڑی دیر منبر کے پاس بیٹھے اور اپنے گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگے۔ لوگ کھسر پھسر کرنے لگے کہ عمرؓ خلافت سے خوش ہو کر رو رہے ہیں۔[1] پھر لوگ کھڑے ہو گئے اور امراء اپنی اپنی سواریوں میں سوار ہو کر واپس ہوئے۔ مگر عمرؓ پیدل ہی گھر پہنچے۔

سلیمان کی تجہیز و تکفین و تدفین

پھر لوگوں نے سلیمان کی میت لا کر قبر تک پہنچائی۔ اور انھیں دابق میں ٹیلہ سلیمان پر عبداللہ بن مسافع قرشی کے پاس قبر میں لٹا دیا۔ یہ وہی وقت تھا جس وقت سلیمان اس اجنبی قبر کے پاس سے گذرے تھے اور جمعہ ہی کا دن تھا۔ سلیمان اسی دن اس قبر کے پاس سے گذرے تھے۔[2]

پھر سلیمان کی قبر میں عمرؓ اور اس کے تین بیٹے اترے۔ پھر جب انھوں نے سلیمان کی میت اٹھائی تو ایسا محسوس ہوا کہ سلیمان اپنے ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا بولا۔ اللہ کی قسم میرے والد زندہ ہو گئے۔ عمرؓ بولے نہیں نہیں! لیکن آپ کے باپ سے جلدی کی گئی۔

عمرؓ کے بارے میں ایک افواہ

امرا اور عوام نے عمرؓ کے بارے میں یہ افواہ اڑائی کہ انھوں نے سلیمان کو زندہ دفن کر دیا۔ کیونکہ موت و دفن کی درمیانی مقررہ مدت نہیں گذری تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بے ہوش ہوں اور فوت نہ ہوئے ہوں۔ ان کے گمان کو اس چیز نے اور بھی بڑھا دیا کہ انھیں یہ معلوم ہوا کہ عمرؓ سلیمان کے دفن کئے جانے سے پہلے ان تین خطوں پر متوجہ تھے۔ جن کو انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور فوراً آپ انھیں نافذ کرنے کی کوشش میں تھے اور انھیں اپنے فرامین کے ساتھ اطراف سلطنت میں نافذ کر رہے تھے۔ لیکن آپ نے وہ خط اس لئے لکھے تھے کہ آپ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں خلیفہ بن جاؤں گا تو سب سے پہلے فوراً یہ کام انجام دوں گا۔ اس لئے اللہ سے جو عہد کیا تھا۔ اس میں تاخیر کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے آپ نے

---

[1]: العقد الفرید ج ۳ ص ۴۳۲

[2]: ابن الحکم ص ۱۴۹

[3]: معجم البلدان ج ۴ ص ۱۰

سب سے پہلے یہی کام کیا۔ لیکن امراء اور عوام کہتے تھے کہ آخر جلدی کی کیا وجہ ہے؟ کیا اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ سلیمان دفن کر دئے جائیں؟ یہ اقتدار کی محبت ہے۔ اور یہ ان کی ایک ناقابل برداشت ونا پسندیدہ بات ہے۔[1]

امراء نے بنی مروان اور بنی عبدالملک سے اپنے گہرے رنج کا اظہار کیا۔ جب انھوں نے کہا کہ سلیمان کے دفن میں جلدی کی گئی اور کہنے لگے کہ اگر عمرؓ بن عبدالعزیز خلافت سے خوش نہ ہوتے۔ تو دفن میں جلدی نہ کرتے۔ عبدالرحمٰن بن حکم بن ابی العاص کو بھی خبر لگی انھوں نے ہشام بن عبدالملک کو ڈانٹ کر لکھا۔

بلغ ھشاما والذین تجمعوا

بدابق عنی لاوقیتم ردی الدھر

ہشام کو اور انھیں جو دابق میں جمع ہیں میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اللہ کرے تم زمانہ کی ہلاکت سے محفوظ نہ رہو۔

افتم اخذتم حتفکم باکفکم

کباحثۃ عن مدیۃ وھی لاتدری

کیا تم نے اپنی موت اپنے ہاتھوں سے لی جیسے وہ بکری جو زمین کرید کر چھری نکالتی ہے۔ اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اس سے ذبح کر دی جائے گی۔

عشیۃ بایعتم اماماً مخالفاً

لہ شجن بین المدینۃ والحجر[2]

جس شام کو تم نے ایک مخالف امام سے بیعت لی۔ جس کی مدینہ اور مکہ کے درمیان قرابت داری ہے۔

تین خطوط

وہ تین خطوط جو سلیمان کے دفن کرنے سے قبل عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اطراف میں بھجوائے تھے۔ ان میں سے ایک خط تو مصر کے لئے لکھا گیا تھا۔ اور ایک الواب قسطنطنیہ کے لئے۔ اور ایک افریقہ کے لئے۔ پہلا خط اسامہ بن زید کو جو مصری صدقات کا رئیس تھا

---

[1]: ابن عبدالحکم ص۳۳، الیعقوبی ج۳ ص۴۳، ابن جوزی ص۵۲

[2]: ابن عبدالحکم ص۱۴۸

اور جس نے اتنا دودھ دوہا تھا کہ ختم ہو گیا تھا۔ اور اتنا خون چوسا تھا کہ ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا تھا معزول کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ سلیمان اس کے افعال کی تعریف کیا کرتا تھا۔ کہ اس نے کبھی رشوت کا ایک درہم بھی نہیں لیا۔ اہل مصر پر ظلم کرنے کے سلسلے میں سلیمان کا اسے حکم عمرؒ کو گھبرا دیتا تھا۔ اور وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش اسامہ ظلم نہ کرتا مگر اس نے مظالم ڈھائے۔ اسامہ بڑا سخت گیر ظالم اور سزاؤں میں حد سے آگے پھلانگنے والا تھا۔ اگر کوئی اس کے حکم کے خلاف کرتا۔ تو اس کے ہاتھ کاٹ کر جانوروں کے پیٹ چیر کر ان میں کٹے ہوئے ہاتھ رکھ کر جنوب مصر میں ناکوں کے لئے پھینک دیا کرتا تھا۔ عمرؒ نے قسم کھائی تھی کہ اگر خلافت ان کے قبضہ میں آئی تو سب سے پہلے اسامہ کو صدقات مصر سے معزول کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے خلافت ملتے ہی اپنی قسم پوری کی اور اسامہ کو معزول کر کے مصر سے مظالم ہٹائے۔ اور ان کے دل ٹھنڈے کئے۔ اللہ تعالیٰ عمرؒ کو بخش دے اور ان سے قیامت کے دن کا حساب ہٹا دے۔ اور انھیں جنت میں فراخی عطا فرمائے آمین

مصر کی امامت کے لئے آدمی کی تلاش

عمرؒ نے کہا۔ مجھے کوئی ایسا مصری شخص بتاؤ جو شریف و صالح ہو۔ تاکہ میں اسے مصر کا نماز کے لئے امام بنا دوں۔ آپ سے کہا گیا۔ ایسے مصر میں دو شخص ہیں۔ معاویہ بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج اور ایوب بن شرجیل۔ پوچھا۔ ان دونوں میں درمیانی راہ پر کون ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ایوب! فرمایا۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ آخر میں آپ نے ایوب بن شرجیل کو ان کی ولایت کے بارے میں لکھا۔ اور پیغام رساں کو تاکید کر دی کہ خط کو چھپائے۔ اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دے۔ چنانچہ مصر میں ایوب کو یہ شاہی فرمان ملا اور ایوب نماز کے امام مقرر ہو گئے اور عبدالملک بن رفاعہ کو معزول کر دیا گیا۔ شراب پر پابندی لگا دی گئی اور اس کے خم توڑ ڈالے گئے۔ اور شراب کی دکانیں بند کرا دی گئیں۔ پھر ایوب کی کمزوری اور نرمی ظاہر ہوئی۔ اور اس کی شکایت عمرؒ کے پاس پہنچی۔ آپ نے فرمایا۔ ایوب کی نیک عادتیں اس کے مزاحم ہوئیں۔ اور وہ شرفاء کی طرح نرم بن گئے۔ اور سرداری کی درمیانی راہ پر چل پڑے۔[1]

دوسرا حکم نامہ روم سے مسلمہ بن عبدالملک کے واپس آنے کے سلسلے میں تھا۔ کیونکہ وہ اسلامی فوج کے ساتھ رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے اس برف کی طرح پگھل رہے تھے۔ جو گرمی کی کھلی دھوپ

---

[1] : ولاۃ مصر ص۸۴

میں رکھا ہوا ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام فوج ختم ہو جائے گی۔ اور ایک مجاہد بھی واپس نہ آسکے گا۔ مسلم خشکی اور سمندر کے راستے سے قسطنطنیہ فتح کر لیتے ہیں اور اس میں فاتحانہ شان سے داخل ہو جاتے اگر ان کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جاتا۔ دشمن نے فوج کی رسد کے ذرائع بند کر دیئے تھے۔ اور ان کے دروازوں پر تالے ٹھونک دیئے تھے۔ سلیمان کو مسلمہ کی پسپائی کی خبر مل گئی تھی اور وہ مسلمہ کے دھوکہ کھانے پر ان سے ناراض ہو گئے تھے۔ اور سلیمان نے قسم کھائی تھی کہ وہ انھیں وہاں سے حمیت کی وجہ سے واپس نہیں بلائے گا۔ وہاں مسلمانوں کا ٹھہرنا سخت دو بھر تھا۔ آخر وہ ہلاک ہو گئے اور بچے والوں نے جانوروں کے گوشت کھا کر جانیں بچائیں۔ سلیمان انھیں مشکلات میں ڈالنے پر اڑے رہے۔ لیکن اس سے عمرؒ کو سخت صدمہ تھا۔ پھر جب عمرؒ کے ہاتھ میں اقتدار آیا تو چونکہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں تاخیر کی ذرا بھی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے آپ نے فوراً انھیں واپس بلانے کا فرمان صادر فرمایا۔

تیسرا حکم نامہ افریقہ سے یزید بن ابی مسلم کو معزول کرنے کے سلسلے میں تھا۔ کیونکہ وہ بڑا سرکش تھا اور اپنی معبودیت کا اظہار کرتا تھا۔ اور حکم کے نفاذ میں حد سے آگے بڑھ جاتا تھا خواہ اہم ہو یا معمولی اور نا انصافی کرتا تھا۔ اور ظلم کرتا تھا۔ اس کا دماغی توازن صحیح نہ تھا اور عقل میں خلل تھا اور مجرموں کی سزاؤں سے خوش ہوا کرتا تھا۔ کہتا تھا۔ سبحان اللہ والحمد للہ غلام! اس کا فلاں عضو باندھ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر غلام! اس کا فلاں عضو باندھ اور اس حال بدترین و بے رحمانہ ہوتا تھا۔ تیسرے خط میں عمرؒ نے اسی کو معزول کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔[1]

آندھی کی آمد

عمرؒ آندھی کی طرح اپنے چاروں طرف گھوم رہے تھے اور باطل کی جڑیں اکھاڑ رہے تھے۔ اور غرور کے آثار مٹا رہے تھے۔ آپ نے عزم کر لیا تھا کہ جمع شدہ مال ختم کر دیں اور ورثہ میں ملی ہوئی جائیدادیں لوگوں میں بانٹ دیں۔ اور ہبہ کئے ہوئے قطعات اراضی عوام کو دے دیں۔ ایسے زہد کی وجہ سے نہیں جو آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو محتاج بنا دے۔ اور لوگوں کو مفید نہ ہو بلکہ اس لئے کہ حق کو اس کی جگہ لوٹا دیا جائے۔ اور انصاف کو اس کے حق تک پہنچا دیا جائے۔ اور عوام کے دلوں میں حق کا رعب بٹھا دیا جائے جسے پیچھے حکمران برباد کر چکے تھے۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کو نکھارا جائے جسے حوادث نے لوگوں کے دل و دماغ سے مٹا دیا تھا۔ آپ ان تمام اصلاحات کا عزم کر چکے تھے اور آپ کے کندھے سنگین د

---

[1] : ابن عبدالحکم ص۳۳، ص۳۷

بھاری بوجھ سے لدے ہوئے تھے۔ اور امت ایسی گندگیوں میں لتھڑی ہوئی تھی جن سے اسے پاک کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن عمرؒ نے عزم کر لیا تھا کہ زمین کو پاک کر دیں گے اور زمین کے فتنوں اور ہنگاموں کو ختم کر دیں گے۔ اگر وہ اس طعام کی سمیت سے جسے وہ پہلے کھا چکے ہیں۔ اپنے جسم کو پاک کرنے پر قادر ہوتے اور ہوا سے اس خوشبو کی لپیٹیں جو ان سے فضا میں پھیلی تھیں مٹانے کی طاقت رکھتے اور اپنی چربی اور ہڈیاں پگھلا سکتے تو ایسا وہ ضرور کرتے۔

عمرؒ نے اپنا ذاتی اثاثہ فروخت کر کے اس کی رقم بیت المال میں جمع کرا دی

ہاں! آپ نے اپنے کپڑے اتار پھینکے اور ان سے خوشبو دھو دی۔ اور آٹھ درہم کی چادر اوڑھ لی۔ اور نائی کو بلا کر فضول بال کٹوا دئے۔ پھر حکم فرمایا کہ میرے پاس جو برتنے کی چیزیں ہیں ان سب کو اور سواریوں کو اور کپڑوں کو اور عطر کو فروخت کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ سب چیزیں ۲۳ یا ۲۴ ہزار اشرفیوں کی فروخت ہوئیں۔ آپ نے یہ سارا پیسہ بیت المال میں جمع کرا دیا۔

عمرؒ تمام فضول رسمیں ختم کر دیتے ہیں

پھر عمرؒ کے پاس خلافت کی سرکاری سواریاں لائی جاتی ہیں اور اللہ اکبر اس قدر سواریاں کہ ان کی رفتار سے زمین دہل جائے اور پہاڑ ہلنے لگیں۔ آپ اپنے دمشق والے گھر سے نکلتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ گھوڑے سجے ہوئے قطار در قطار کھڑے ہیں۔ اور ان پر سوار تلواریں سونتے ہوئے ہیں۔ قناتیں تنی ہوئی ہیں۔ خیمے گڑے ہوئے ہیں۔ آپ کے آگے آگے محافظ دستہ کا افسر چل رہا ہے۔ عمرؒ نے اس سے کہا۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ میں نے تم کو سبکدوش کر دیا۔ میں بھی دیگر مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔[۱]

پھر آپ اپنی خچر کی تلاش میں قطاروں میں گھس گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو گئے اور ننگی تلواروں والے سواروں کو چھوڑ دیا۔ اور بہت سے سپاہیوں کو اور پہرے داروں کو برطرف کر دیا جو چھ سو سے زیادہ تھے۔[۲]

---

[۱]: صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۱۴
حیات الحیوان ج ۱ ص ۶۸

[۲]: ابن جوزی ص ۹۵

خچر گھوڑے خیمے اور قناتیں وغیرہ فروخت کر کے انکی رقم بیت المال میں جمع کرانے کا حکم

پھر آپ قناتوں اور فرشوں کی طرف جاتے ہیں اور انھیں ٹھوکر مار کر ہٹوا دیتے ہیں۔ اور ان کے نیچے جو چٹائیاں ہیں انھیں رہنے دیتے ہیں۔ پھر آپ مزاحم کو بلا کر فرماتے ہیں یہ خچر گھوڑے اور یہ قناتیں اور خیمے اور یہ فرش اور دیگر تمام آرائشی سامان بیت المال میں جمع کرا دو[1]

پھر اچانک آپ کی نگاہ اپنے بیٹے پر پڑ جاتی ہے جس کا کرتا بھیڑ میں پھٹ گیا تھا آپ اس سے فرماتے ہیں بیٹا اپنے کرتے کا گریبان درست کر لو کیونکہ تم کو اس کی اتنی ضرورت کبھی نہ تھی جتنی آج ہے۔

عمرؓ خالد بن ریان جلاد کو معزول کر دیتے ہیں

آپ اسی حال میں ہوتے ہیں کہ اتنے میں خالد بن ریان (خارجی کا قاتل، جس نے ولید کے سامنے اس خارجی کو قتل کیا تھا جسے حجاج نے اس کے پاس بھیجا تھا۔ آتا ہے تاکہ امیر المومنین کے فرامین حاصل کر کے انھیں نافذ کرے۔ عمرؓ اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے اور اسے حکم دیتے ہیں کہ یہ تلوار یہاں رکھدے۔ وہ تلوار رکھ دیتا ہے۔ آپ اسے بھی معزول کر دیتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لئے خالد بن ریان کو گرا دیا ہے۔ اب اسے کبھی نہ اٹھانا اس کے بارے میں حق تعالےٰ عمرؓ کی یہ دعا قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس کی زندگی میں کبھی لوگوں کی زبان پر اس کا ذکر نہیں آتا۔ اور مرنے کے بعد..... اس کا برا ذکر ہمیشہ کے لئے باقی رہ جاتا ہے۔

عمرو بن مہاجر کا پہرے پر تقرر

پھر عمرؓ پہرے داروں کے چہرے کو دیکھتے ہیں۔ اور عمرو بن مہاجر انصاری پر آپ کی نگاہ پڑ جاتی ہے۔ یہ متقی تھے انھیں دیکھ کر عمرؓ ان سے کہتے ہیں۔ دیکھو عمرو! تمھیں معلوم ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان بجز اسلام کے کوئی دوسرا رشتہ نہیں۔ لیکن میں نے تم کو کثرت سے قرآن کی تلاوت کرتا ہوا پایا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ تم ایسی جگہ نوافل پڑھتے ہو جہاں تم کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ اور

---

[1] : ابن عبدالحکم ص ۱۶۵

تم نماز سنوار کر پڑھتے ہو۔ یہ تلوار اٹھا لو میں نے تم کو پہرے دار مقرر کر دیا۔[1]

عورتوں کی حرص کی چیزیں

بیوی کے جواہرات وزیورات بیچ کر ان کے پیسے بیت المال کو دے دیئے

عمرؒ کو سب سے پہلے خواتین کی حرص کی چیزوں سے ڈر ہوا۔ آپ کے نکاح میں ایک ایسی خاتون تھی۔ کہ اگر وہ اپنے پاس تمام دنیا جمع کرنا چاہتی تو جمع کر سکتی تھی۔ کیونکہ یہ خاتون خلیفہ کی پوتی خلیفہ کی بیٹی اور خلفا کی ہمشیرہ تھی۔ اس کا نام فاطمہ بنت عبدالملک تھا۔ عمرؒ خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس کے ناخن تراشنے لگے تاکہ ان کی پسلی نہ پھڑکے۔ اور ان کے تمام جواہرات وزیورات اور دیگر چیزیں بیت المال میں جمع کرا دیں۔ حتیٰ کہ جب مسلمانوں کو پیسوں کی ضرورت پڑتی۔ تو آپ یہ مال ان پر خرچ کر دیتے تھے۔

فاطمہ بھی شوہر کی رضا پر راضی ہو گئیں

عمرؒ محسوس کرتے ہیں کہ فاطمہ اس سلسلے میں پوری طرح راضی نہیں۔ لہٰذا آپ نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تمہیں اختیار ہے خواہ میرے پاس رہو یا اپنے میکے چلی جاؤ کیونکہ جو طوق میری گردن میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے عورتوں کی طرف رغبت نہیں رہی آخر کار انھوں نے آپ ہی کے پاس ٹھہرنے کا اور زیورات کو بیت المال میں دے دینے کا اور انھیں کبھی واپس نہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔[2]

فاطمہ نے اپنے خرچ کے لئے ماہانہ وظیفہ کی درخواست کی مگر عمرؒ نے انکار کر دیا

لیکن جب عمرؒ نے ان پر اور ان کی اولاد پر اپنے نفس کی طرح طعام ولباس میں تنگی کی تو آپ نے امیرالمومنین سے درخواست کی کہ ان کا ماہانہ مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا میرے مال میں گنجائش نہیں۔ بولیں۔ آپ

---

[1] : ابن عبدالحکم ص۱۵۱

[2] : ابن عبدالحکم ص۴

قبل از خلافت دوسروں سے کیوں لیا کرتے تھے؟

فرمایا! جب تو وہ مال میرے لئے حلال و طیب تھا۔ اور اس کا وبال و گناہ انھیں پر تھا۔ جنھوں نے اس مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا۔ لیکن خلیفہ بنائے جانے کے بعد میں ایسا نہیں کر سکتا۔ ورنہ اس کا وبال و گناہ مجھ پر پڑے گا۔ اس طرح عمرؓ اپنی رفیقۂ حیات کو برابر سمجھاتے رہے۔ حتیٰ کہ انھیں بھی پرہیزگاری کے سانچہ میں ڈھال لیا۔ اور وہ خواتین کے لئے ایک بے مثال نمونہ بن گئیں۔ اب جب کبھی انہیں اپنی پرعیش زندگی کا خیال آتا تھا اور عمرؓ میں اس سے نفرت و اعراض پاتی تھیں۔ تو پرہیزگاری کا خیال کر کے اپنا دل مطمئن کر لیا کرتی تھیں جب کہ عمرؓ ان سے کہتے تھے۔ تم خواہ میری نصیحت مانو یا نہ مانو اور مجھے چھوڑ دو تمہیں اختیار ہے[1]۔

لیکن انھیں اپنی عیش والی سابق پرکیف۔ زندگی کا برابر خیال آتا رہتا تھا اور کہا کرتی تھیں۔ کاش! ہمارے اور امارت کے درمیان مشرق و مغرب جیسی دُوری ہوتی۔

عہد خلافت میں عمرؓ کا اپنی اولاد سے سلوک

پھر جس طرح عمرؓ فاطمہ کے ساتھ کیا اسی طرح اپنی تمام اولاد یعنی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ کیا۔

ایک دفعہ آپ کی ایک بچی نے آپ کی طرف ایک موتی بھیج کر درخواست کی کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے لئے اسی جیسا ایک موتی بھیج دیں۔ تاکہ میں اپنے دونوں کانوں میں موتی پہن سکوں۔ آپ نے ان کے پاس دو انگارے بھیج دئے۔ پھر ان سے فرمایا! اگر تم یہ دونوں انگارے اپنے کانوں میں پہن سکتی ہو تو تمہارے لئے اس موتی کا جوڑا بھیج دوں[2]۔

عمرؓ کے ایک بیٹے کا واقعہ

آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے ایک بیٹے نے انگوٹھی کا ایک نگ ایک ہزار درہم کا خریدا ہے۔ آپ نے انھیں لکھا۔ تمہیں اللہ کی قسم اس انگوٹھی کو جسے تم نے ایک ہزار میں خریدا ہے۔ فوراً بیچ ڈالو اور اس کی قیمت اللہ کی راہ میں دے دو۔ اور ایک درہم کی دوسری انگوٹھی خرید لو جس پر یہ

---

[1]: ابن جوزی ص۳۲۹ الخراج لابی یوسف ص۱۷

[2]: ابن عبدالحکم ص۱۶۳

جارت کندہ ہو۔ اللہ اس پر رحم فرمائے جو اپنا مرتبہ پہچانے۔ والسلام۔

عمر کے خلیفہ بننے سے خدام کی مسرت رنج میں بدل گئی

جب عمرؒ خلیفہ بنائے گئے تو آپ کے خادموں نے سمجھا کہ اب وہ لوگوں پر سردار بن جائیں گے پھر جب ان کا حال سابق سے بھی بدتر ہو گیا تو وہ آپ کی خلافت سے رنجیدہ ہو کر آپ سے علیحدہ ہو گئے۔

عمرؒ کے ایک غلام درہم کا واقعہ

آپ کا ایک غلام تھا جس کا نام درہم تھا۔ یہ غلام آپ کے لیے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ عمرؒ خلیفہ بنائے جانے کے چند دنوں کے بعد اس سے پوچھتے ہیں

درہم! لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟

بولا! لوگ کیا کہیں گے۔ عوام و خواص سب مزے میں ہیں۔ البتہ میں اور آپ تکلیف میں ہیں۔

عمرؒ نے پوچھا! کیوں؟

بولا! میں نے آپ کو خلافت سے پہلے معطر لباس میں عمدہ گھوڑوں پر خوش پوش وخوش طعام دیکھا تھا۔ پھر جب آپ کو خلافت مل گئی تو مجھے امید ہوئی کہ اب مجھے آرام ملے گا۔ اور مجھ سے کام ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن مجھ پر کام بڑھ گیا اور آپ بھی تکلیف میں پھنس گئے!

عمرؒ نے فرمایا! اچھا تو آزاد ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ کر جہاں تیرا دل چاہے جا حتیٰ کہ حق تعالیٰ شانہٗ میرے لیے کوئی فراخ راہ کھول دے[1]۔

سلیمان کا گھر سلیمان کا مال بیت المال میں

جب آپ اپنے گھر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اپنے ساتھ اپنے غلام مزاحم اور بنی مروان کے چند آدمیوں کو لیا اور سلیمان کے گھر پہنچے۔ سلیمان کے بیٹے اور بیٹیاں تیل اور خوشبو کی شیشیوں سے دوسری شیشیوں میں الٹ رہے تھے۔ اور بچے وہ نئے کپڑے پہن رہے تھے جو تہہ شدہ رکھے ہوئے تھے اور ابھی پہنے نہیں گئے تھے۔ لیکن ان کی استری خراب

---

[1] ابن جوزی ص ۱۲۵، العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۵

ہونے کی وجہ سے پہنے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ خلیفہ کے مرنے کے بعد اس کے تمام مستعمل ملبوسات اور تمام خوشبوئیں اس کی اولاد کو ملا کرتی تھیں۔ اور غیر مستعمل لباس وغیرہ بعد میں آنے والے خلیفہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔ پھر جب عمرؓ سلیمان کے گھر پہنچتے ہیں تو بچوں کو تقسیم سے روک دیتے ہیں۔ اور خلیفہ کی تمام چیزیں بیت المال میں جمع کرا دیتے ہیں[1]

مروان کے بیٹوں کی خلیفہ کے دل میں گھر کرنے کی ایک تدبیر

مروان کے بیٹے عمرؓ کے پاس موجود تھے اور آپس میں چپکے چپکے یہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ سواریوں، قناتوں خیموں فرشوں اور دیگر گھریلو سامان میں تو امید نہیں رہی۔ کیونکہ ان کا حال تو دیکھ چکے ہیں۔ رہیں لونڈیاں سو انھیں ہم پیش کرتے ہیں۔ شاید ان میں ہمارا مقصد بر آئے۔ ان کا خیال تھا کہ حسین لونڈیوں کے ذریعے ہم امیر کے دل میں گھر کر لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو بہتر ہے۔ ورنہ ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیئے۔ لیکن انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ عمرؓ کو عورتوں کی شوق کی چیزوں سے خطرہ لاحق تھا اس لئے انھوں نے ساری چیزیں فاطمہ سے لے کر بیت المال میں جمع کرا دی ہیں۔ اور عورتوں کے سلسلے میں جو بھی مردوں کی لالچ کی چیزیاں ہیں۔ آپ کو خطرہ لاحق ہوا اور آپ نے اِن کے لوٹانے کا بھی عزم کر لیا ہے۔

چنانچہ آپ کے سامنے مورتیوں کی طرح لونڈیاں لائی جاتی ہیں۔ اور آپ پر پیش کی جاتی ہیں۔ آپ ایک ایک سے اس کا نام اس کا خاندان اس کے شہر کا نام اور اس کے آنے کی وجہ پوچھتے ہیں۔ اور لونڈیاں آپ کے تمام سوالوں کا جواب دیتی ہیں۔ عمرؓ انھیں چھوڑ دیتے ہیں اور انھیں ان کے گھر پہنچوا دیتے ہیں اور شہوت کو ابھارنے اور ذریعہ ہلاکت کی محبت کے سلسلے میں بنو مروان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔

عدالت کا آغاز

دستاویزوں کو جمع کر کے کتر دینا

پھر عمرؓ تین دن لوگوں سے غائب رہتے ہیں جب سے بنو مروان اور بنو امیہ کے

---

[1] ابن عبدالحکم صفحہ ۳۷، ابن جوزی صفحہ ۱۵۷، صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۹۷

ممتاز حضرات، فوج کے رؤساء اور عرب کے شرفاء بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور آپ کے دروازے پر کھڑے ہوئے انتظار کرتے ہیں۔ کہ عمرؓ کی طرف سے ان پر کیا حکم نافذ ہوتا ہے لیکن عمرؓ مزاحم کے ساتھ دستاویزیں جمع کرنے میں معروف ہوتے ہیں۔ اپنی ذاتی جاگیروں اور جائیداد کی بھی اور امراء کے عطیات کے اقرار نامے بھی اور ان کے وظائف کے کاغذات بھی۔ یہ تمام سرکاری فنڈ کا آدھا یا دو تہائی مال ہوتا ہے۔ پھر جب تمام کاغذات اور دستاویزیں جمع کر لی جاتی ہیں تو عمرؓ حکم دیتے ہیں: "الصلوٰۃ جامعۃ" کا اعلان کیا جائے۔ تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ آخرکار لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ عمرؓ باہر آتے ہیں اور منبر پر چڑھ جاتے ہیں۔ مزاحم آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج عمرؓ اپنی زندگی میں پہلی بار معمولی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس وقت رجاء کے اندازے کے مطابق ان کپڑوں کی قیمت ۱۲ درہم تھی۔ آپ کے جسم پر کرتا چادر پاجامہ جبہ پگڑی ٹوپی اور موزے تھے اور ان سب کی قیمت ۱۲ درہم تھی[1]۔

آپ نے لوگوں کو زیادہ دیر حیرت اور تعجب میں نہیں چھوڑا اور ان سے فرمایا۔

اما بعد! لوگوں نے ہمیں عطیات دئے جن کا قبول کرنا ہمیں مناسب نہ تھا۔ اور نہ انہیں ان کا دینا مناسب تھا۔ میرے خیال میں ان عطیات میں ہم سے اللہ کے سوا کوئی حساب لینے والا نہیں۔ میں نے یہ کام اپنی اور اپنے گھر والوں کی ذاتی جائیداد سے شروع کیا ہے۔ مزاحم پڑھ کر سناؤ۔ مزاحم عمرؓ کے اور امراء کے ایک ایک دستاویز اقرار نامہ اور ایک ایک کاغذ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ پھر ان تمام کاغذات کو عمرؓ لے لیتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں قینچی ہے۔ اور آپ ان سب کو کتر کر پھینک دیتے ہیں۔ اور ظہر کی اذان ہونے تک یہی کام کرتے رہتے ہیں[2]۔

یہ تو ان کاغذات کا حشر ہوا جن سے جائیدادیں پیدا کی گئیں تھیں۔ لیکن جس سے جائیدادیں حاصل نہیں کی گئی تھیں۔ اور جائدادیں بلاتحریر کے تھیں۔ ان کے بارے میں عمرؓ نے یہ حکم نافذ فرما دیا کہ کوئی شخص ایسی زمین وغیرہ سے جو اس نے غصب کی ہو یا اس کے لئے غصب کی گئی ہو فائدہ نہ اٹھائے اور آپ نے اعلان کرا دیا۔ کہ ہر شخص کو وہی مال ملے گا جو حق تعالےٰ شانہٗ کی مقدس کتاب میں ہے۔ پھر آپ نے ظلم سے حاصل کئے ہوئے کھیت

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲ صـ ۶۱، صفة الصفوه ج ۲ صـ ۶۷

[2] ابن جوزی صـ ۱۰۶

اور وہ جائیداد جس پر کسی کا مطالبہ تھا حق داروں کو دلوادی۔ اور آپ کے قبضہ میں جس قدر کھیت، چیزیں غلام اور لونڈیاں تھیں۔ وہ سب آپ نے بیت المال میں دے دیں۔

مقدمات کے سلسلے میں آلِ بلال بن رباع عمرؒ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کرتے ہیں۔ اور آپ سے عرض کرتے ہیں (انھوں نے آپ کو ایک کھیت فروخت کیا تھا۔ پھر اس میں کانیں نکل آئیں) ہم نے آپ کو کھیت فروخت کیا تھا۔ کانیں فروخت نہیں کی تھیں۔ اور انھوں نے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کھجور کے پٹھے پر ایک تحریر دکھائی۔ عمر نے لپک کر وہ تحریر چوم لی اور اسے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ اور اپنے منتظم سے کہا۔ اس کی آمدنی اور خرچ کا اندازہ لگاؤ۔ پھر آپ نے خرچہ وضع کر کے باقی پیسہ انھیں دے دیا۔[1]

نیا فقہ

خیبر کی جائیداد کا فیصلہ

گویا عمرؒ نے اس سے پہلے فقہ پڑھا ہی نہیں تھا۔ یا سیرت وتاریخ سے آشنا ہی نہ تھے۔ کیونکہ آپ سے خیبر کی دستاویز اوجھل رہی۔ آپ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر جب آپ سے کہا گیا یہ جائیداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جائیداد بطور مال فے کے مسلمانوں کے لئے چھوڑی تھی۔ پھر یہ جائیداد عثمانؓ سے مروان کے پاس آئی اور اس میں سے آپ کے والد کو بھی حصہ ملا۔ اور آپ کے والد کے حصّہ میں سے آپ کو حصہ ملا تو عمرؒ نے اس کے کاغذ جلا کر فرمایا۔

میں جائیداد اسی حال پر چھوڑ دوں گا۔ جس حال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑی تھی۔[2]

فدک کی جائیداد کا فیصلہ

اور عمر سے فدک کا معاملہ بھی اوجھل رہا۔ پھر آپ نے فدک کو اس کے سابق حال پر بحال رہنے دیا۔

حالانکہ آپ کو یہ جائیداد بڑی پیاری تھی۔ آپ اس کی آمدنی اپنی گھریلو چیزوں اور کپڑوں پر

---

[1]: فتوح البلدان للبلاذری صـ۲۲

[2]: ابن عبدالحکم صـ۶۰

پر خرچ کیا کرتے تھے پھر جب آپ نے اس کی حقیقت پہچان لی تو یہ کہہ کر واپس کر دی۔ اس سے زیادہ مجھے کوئی مال پیارا نہ تھا۔ اب میں تم لوگوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس کی سابق حالت پر لوٹا دیا[1]

عمرؓ نے مختلف علاقوں کی اپنی ذاتی زمینیں بیت المال کے لئے چھوڑ دیں

اسی طرح عمرؓ نے یمامہ میں جو زمین تھی وہ بھی لوٹا دی اور یمن میں مکیدس اور درس والے پہاڑ بھی لوٹا دئیے۔ لیکن جس اراضی کے آپ کے پاس کاغذات نہ تھے۔ اس کے بارے میں آپ نے اپنے وکلاء کو ہدایت کر دی تھی کہ اس کا منافع بیت المال میں دے دیا جائے۔ اور جس جائیداد میں کئی شریک تھے۔ اسے آپ نے ہاتھ نہیں لگایا۔ کیونکہ اس میں شرکاء کے حقوق تھے۔

چونکہ عمرؓ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کبھی بیت المال میں سے ایک حبہ بھی نہ لیں گے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے گھر کے اور گھر والوں کے لئے سویداء میں ایک چشمہ بچا لیا تھا جس کا پانی آپ ویران و بنجر زمین میں اپنے ذاتی خرچے سے لے گئے تھے۔ اس زمین میں کسی کا ذرا سا بھی حصہ نہ تھا۔ اور آپ اپنے اہتمام سے اس میں کاشت کرایا کرتے تھے۔ اس کی آمدنی دو سو دینار کے قریب قریب ہو جایا کرتی تھی۔ اور اس چشمہ کے احاطہ میں ایک نخلستان تھا جس میں اعلیٰ و بہترین قسم کی کھجوریں تھیں[2] آپ اسی آمدنی پر قانع تھے۔ اور نفے میں سے اپنی ذات پر ایک درہم بھی خرچ نہیں کیا کرتے تھے۔ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ بھی فاروق اعظم کی طرح بیت المال میں سے کچھ حصہ لے لیا کریں تو فرمایا۔ فاروق اعظم کے پاس تو مال نہ تھا۔ اور میرے پاس مال ہے جو مجھے کافی ہے آپ اپنے ذاتی مال میں سے دو درہم روزانہ خرچ کیا کرتے تھے[3]۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ارضی بعلبک میں سے بدا اور حجزین کے سوا کوئی اور زمین نہ تھی[4]

---

[1] : العقد الفرید ج ۴ ص ۴۲۵

[2] : ابن عبد الحکم ص ۴۵

[3] : العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۴ ، تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۳

[4] : تاریخ شہر دمشق ص ۵۸۸

تاریخ شہر دمشق ص ۵۸۸

امرائے بنی امیہ

امرا کو جمع کر کے ہدایت اور امراء کا جواب

پھر عمرؒ جب اس کام سے فارغ ہو گئے جس کا منبر پر اعلان کیا تھا تو امراء کو جمع کر کے ان سے فرمایا۔ اگر تمہارے ذمے لوگوں کے حقوق ہیں تو انہیں ادا کرو اور مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو جسے میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم کو ایسی چیزوں پر آمادہ کروں جو تم کو ناگوار ہوں میرے اندازے کے مطابق اس امت کا آدھا یا دو تہائی مال تمہارے قبضے میں ہے۔ یہ سُن کر امراء خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔ فرمایا جواب دو۔ ہشام بن عبدالملک بولا۔ جو مال ہمیں ہمارے بزرگوں سے ملا ہے وہ ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے کہ ہم اپنے باپوں کی ناشکری کریں اور اپنے بچوں کو نادار بنائیں۔ جب تک ہمارے سر ہمارے جسموں سے الگ نہ ہو جائیں۔

حقوق دلوانے کی راہ میں فتنہ پیدا ہونے کا ڈر

عمرؒ کو عوام کی جہالت معلوم تھی اور آپ کو ڈر تھا کہ کہیں عوام امراء کی معاونت نہ کریں۔ کیونکہ عوام مظالم کے زمانے میں پیدا ہوئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اسلام کی یہی حقیقت ہے جو ہم نے دیکھی۔ اس لیے آپ نے فرمایا: اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ امراء میرے خلاف ان لوگوں سے مدد حاصل کر لیں گے۔ جن کے لیے میں اس حق کا مطالبہ کر رہا ہوں تو میں جلدی ہی ان رخساروں کو مٹی میں ملا دیتا۔ لیکن مجھے فتنہ کا ڈر ہے۔ اگر اللہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں ہر جائز حقدار کو اس کا حق پہنچا کر رہوں گا انشاء اللہ[1]

آپ کی اصلاحات سے امراء میں ہیجان

امراء میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور وہ آپ کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں اڑانے لگے۔ اور آپ پر ان کی طرف سے تیز و تند آندھی چھا گئی۔ آپ اس کے مقابلہ پر سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ یہ آندھی آپ کو اُڑا کر لے جائے گی۔ یا آپ اسے ریزہ ریزہ کر کے چھوڑیں ہنگاموں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونا آپ کے لیے آسان تھا کیونکہ آپ کے لیے ہر چیز سے زیادہ آسان خلافت تھی۔ اس لیے آپ نے امراء کی پرواہ نہیں کی۔ جب انھوں نے ہنگامہ اٹھایا اور افواہیں

---

[1] العقد الفرید ج ۴، ص ۴۳۲

ابتدا میں تو آپ نے ان کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ امراء آپ کی نبض ٹٹولنے لگے۔ اور آپ کے اندر کمزوری کی دراڑیں ڈھونڈنے لگے تاکہ ان کے ذریعے آپ پر ٹوٹ پڑیں۔ اور آپ سے اپنے ناجائز حقوق منوا لیں۔ لیکن عمرؓ نے اپنا دل مضبوط رکھا اور آپ کے اندر کوئی ایسی دراڑ نہیں پائی گئی جس سے امراء داخل ہو سکتے

فتنہ کے ڈر سے آپ نے نظام خلافت میں تبدیلی نہیں کی

عمرؓ ان امراء کے مقابلہ میں انتہائی مضبوط اور مستحکم قلعہ ثابت ہوئے اور اپنی ذات سے اپنا دفاع کرتے رہے اگر آپ کے استیصال کے لئے گھسٹ گھسٹ کر چلنے پر بھی قادر ہوتے تو یقیناً ایسا کر گذرتے۔ لیکن آپ قادر نہ ہو سکے۔ یا آپ نے چاہا ہی نہیں۔ اسی لئے آپ سے لغزش ہوئی اور اس لغزش کا خمیازہ آپ ہی کو اٹھانا پڑا۔ لوگ نظام وراثت و خلافت میں ہر تغیر کو آپ سے قبول کر لیتے بلکہ آپ سے مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ آپ حسب مرضی اس نظام میں ردوبدل کریں اور اس پر ان سے بیعت لیں۔ لیکن آپ لیس و پیش کرتے رہے۔ پھر تغیر سے باز رہے اس لئے آپ کے زمانے ہی میں لوگوں کی زندگی خوشگوار رہی۔ اور آپ کے عہد مبارک ہی میں لوگ خوش نصیبی کی زندگی سے محظوظ ہوئے۔

امراء کی ایک سازش

امراء نے سب سے پہلے یہ کیا کہ آپ کی پھوپھی جان امّ عمر فاطمہ کو آپ کے خلاف ابھارا۔ آپ مروان کی صاحبزادیوں میں ایک بلند پایہ خاتون تھیں۔ اور بڑی جوشیلی اور خوددار تھیں۔ آپ نے عمرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے ایک کام نے دکھ پہنچایا ہے اور تم سے ملے بغیر چارہ نہیں۔ فاطمہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے پاس رات کو پہنچتی ہیں۔ پہرے دار فاطمہ کو اندر لے گیا حتیٰ کہ جب آپ عمرؓ کے خیمے کے دروازے پر پہنچیں تو عمرؓ نے انھیں ان کا ہاتھ پکڑ کر گھوڑے سے اتارا پھر ان کے لئے اوپر تلے دو گدے بچھوا دئے۔ پھر آپ ان سے دل لگی کے طور پر کہنے لگے۔ کیا آپ نے دروازے پر پہرے دار نہیں دیکھے؟

(صرف ایک چوکیدار تھا کئی نہ تھے جیسا کہ دستور تھا)

یہ خاتون کھرے مزاج کی تھیں۔ اور دل لگی سے دلچسپی نہیں لیتی تھیں۔ بلکہ وہ سراپا سنجیدہ تھیں۔ انہوں نے عمرؓ کو جواب دیا۔ کیوں نہیں! میں نے تو ان کے پاس دیکھے ہیں جو تم سے بہتر ہیں۔

اسلام کو اس کی سابق حالت پر لوٹانے کا عزم

پھر آپ نے ان کا بار ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ مگر کر نہ سکے آخر کار دل لگی چھوڑ کر آپ اصل موضوع کی طرف آ گئے۔ اور پھوپھی جان سے فرمایا۔ پھوپھی جان! آپ بات کیجئے۔ کیونکہ آپ ہی کا کام ہے آخرکار ام عمرو بات کرنے کا قصد کرتی ہیں۔ آپ ان کی خواہش کو باطل کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ پھوپھی جان! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوتے تو لوگوں کو ایک آباد گھاٹ پر چھوڑ کر رخصت ہوتے۔ پھر اس گھاٹ کا منتظم ایک شخص ہوا۔ اور اس نے اس میں کچھ بھی کم وبیش نہیں کیا۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف اشخاص منتظم بنتے چلے آتے۔ حتیٰ کہ معاویہؓ منتظم بنے اور انھوں نے اس میں سے نہریں نکالیں۔ اور لوگ برابر ان سے پانی خریدنے لگے حتیٰ کہ اسے خشک کر دیا۔ اور اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرمائے گا تو میں اسے سابق حالت پہ لے آؤں گا۔

ایک سخت دن کی دھمکی اور عمرؒ کی بے باکی

آپ کی پھوپھی جان نے کہا: پھر تو تمہارے نزدیک انہیں (خلفاء کو) بُرا نہ کہا جاتے! آپ نے دیکھا کہ پھوپھی جان ان باطل پرستوں کا سا استدلال کرنا چاہتی ہیں۔ جن پر عجت غالب آجاتی ہے۔ اور وہ فضول اور لغو باتوں کی طرف جھک جاتے ہیں۔ آپ نے ان سے کہا۔ انھیں کون بُرا کہتا ہے؟ ایک شخص اپنے حق کے لئے میرے پاس آتا ہے۔ اور میں اسے اس کا حق دلوا دیتا ہوں! بولیں! آپ کے عزیز آپ کا شکوہ کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہم سے عمرؓ نے وہ چیزیں لے لیں۔ جو پہلے خلفاء نے نہیں لی تھیں! فرمایا۔ میں نے ان کا حق تو نہیں لیا بولیں۔ میں نے انھیں اس سلسلے میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کوئی سخت دن آپ کے پاس نہ لے آئیں۔

ابھی آپ کی پھوپھی جان بات کی اسی حد تک پہنچی تھیں کہ عمرؒ کو جوش آگیا اور آپ کے اندر وہ قوت باقی نہ رہی جس سے اپنی تیزی اور غصہ کو بجھا سکیں۔ آپ نے ان سے فرمایا مجھے ہر دن کا تو ڈر ہو۔ لیکن قیامت کے دن کا ڈر نہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں۔ اللہ مجھے اس دن کی برائی سے بچائے۔

عمرؓ کی نصیحت سے پھوپھی جان کا متاثر ہونا اور بنی مروان کو عمرؓ کے کاموں پر صبر کی تلقین کرنا۔

آپ کی پھوپھی جان نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ نے انھیں بٹھا لیا۔ پھر آپ نے ایک اشرفی اور آگ کا ایک انگارہ منگوایا۔ اور اشرفی انگارے پر ڈال دی۔ وہ گرم ہو کر سُرخ ہو گئی اور پگھل گئی۔ اور اس کی تحریر جاتی رہی اور خراب ہو گئی۔ آپ نے وہ آگ سے اٹھا کر زمین پر ڈال دی اور فرمایا! پھوپھی جان! کیا آپ کو اپنے بھتیجے پر اس جیسی اشرفی سے رحم نہیں آتا؟ آپ کی پھوپھی جان اپنا پائجامہ سنبھالتی ہوئی خاموش کھڑی ہو گئیں۔ اور اس نصیحت نے ان کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اور خوفزدہ ہو گئیں۔ عمرؓ بھلے بات کیجئے۔ بولیں! میں نے تم سے بات کرنا چاہی تھی۔ اور میں تبادلہ خیالات ہی کی غرض سے آئی تھی۔ لیکن جب تمہارا انداز گفتگو یہ ہے تو میں تم سے کبھی تبادلہ خیالات نہ کروں گی پھر وہ اٹھ کر چلی گئیں اور رشتہ داروں میں پہنچیں۔ ابھی تک ان کے تصور میں سونے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور وہ سونے کے اور سونے والوں کے درمیان مقابلہ کر رہی تھیں۔ اور انھیں خشک لکڑی اور دھنی ہوئی روئی کی طرح پار ہی تھیں۔ آگ ان دونوں میں بہ نسبت سونے کے اور جلدی اثر کرتی ہے۔ اور یہ گناہ عمرؓ کا گناہ نہ تھا۔ بلکہ تمام بنی مروان کا گناہ تھا۔ آپ ان سے کہتی ہیں۔ تم اپنے فرزند عبدالعزیزؒ کا نکاح آلِ عمرؓ سے کرتے ہو۔ پھر جب ان کے بچے ان کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو تم بے صبری کا اظہار کرتے ہو؟ عمرؓ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں۔ اس پر صبر کرو اور اپنے کام کے انجام کا ذائقہ چکھو[۱]

کیا اشتراک نسب کینہ چاہتا ہے یا ہمدردی

چونکہ بنی امیہ کے افراد ایک ہی نسب میں شریک تھے اور عمرؓ کے برابر تھے۔ اس لئے وہ عمرؓ کو اپنے سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔ بجز اس کے کہ عمرؓ کے پاس خلافت ہے۔ اور ان کے پاس نہیں۔ لیکن اشتراک نسب باہمی ہمدردی اور اعانت کا ذریعہ ہے نہ کہ بغض و عداوت کا انھیں چاہیے تھا کہ وہ عمرؓ سے ہمدردی کے امیدوار رہتے۔ اور خود بھی ان کے ساتھ ہمدردانہ معاملہ کرتے۔ جو کچھ ہوا عمرؓ کے گمان کے خلاف ہوا۔ لیکن آپ انتہائی برداشت کرنے والے اور بعید

---

[۱] ابن جوزی ص ۱۱۶، صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۹، اغانی ج ۹ ص ۱۴۷

مشقت اٹھانے والے تھے۔ اور اقارب گمان کرتے تھے کہ ہمارے مقابلہ میں آپ کا ہر عمل اس قرض کی طرح ہے جس کا انکار کر دیا گیا ہو۔ اور اس حق کی مانند ہے جو حقیر سمجھ لیا گیا ہو۔ اور جب وہ آپ سے تقاضا کرنے کے لئے آتے اور آپ پہلو تہی کرتے تو ان کا کینہ جوش میں آجاتا اور غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی۔ اور عمرؓ انھیں دور دور ہی رکھتے تو ان کے حقوق کے سلسلے میں جن کے وہ دعویدار تھے ان کے مطالبات بہت نہ ہوتے۔ لیکن موجودہ صورتحال کے تدارک میں دشواری ہوئی اور ناامیدی واقع ہوئی۔ کیونکہ عمرؓ نے ان کے لئے شفقت و محبت محفوظ رکھی تھی جس کے وہ امیدوار تھے۔ اور لطف و کرم بھی جس کی عمرؓ سے انھیں آس تھی۔

بنو مروان کا ہنگامہ

پھر وہ وقت بھی آیا کہ ان کا ہنگامہ پھوٹ پڑا۔ سلیمان کا ایک بچہ آتا ہے (عمرؓ نے اس کی زمین ضبط کر لی تھی کیونکہ اس کی دستاویز نہ تھی۔ اور آپ اس کی حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ اس لئے آپ نے ضبط کرنے کا حکم صادر فرما دیا تھا)۔ جب آپ اسے اندر آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے۔ امیرالمومنین! آپ مجھے میری زمین واپس کیوں نہیں دیتے؟ عمرؓ فرماتے ہیں، معاذ اللہ کہ میں تم کو وہ زمین نہ لوٹاؤں جس نے اسلام میں تمہارے لئے جڑیں پھیلائی ہیں۔ وہ بچہ اپنی آستین سے دستاویز نکال کر اور عمرؓ کو دے کر کہتا ہے۔ لیجئے! یہ ہے دستاویز! عمرؓ دستاویز دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ زمین کس کی ہے؟ بولا! فاسق ابن حجاج کی۔ عمرؓ بولے! پھر تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ بولا! امیرالمومنین! یہ جائداد بیت المال سے مجھے ملی ہے۔ عمرؓ بولے پھر تو مسلمان اس کے حقدار ہیں۔ بولا! اچھا تو مجھے میری دستاویز واپس دے دیجئے۔ فرمایا اگر تم میرے پاس یہ دستاویز نہیں لاتے تو میں تم سے اسے مانگتا نہیں۔ لیکن جب تم یہ دستاویز لے آئے تو اب میں تمہیں اس حال میں چھوڑنے والا نہیں۔ کہ تم باطل سے مطالبہ کرو۔

حق کی خاطر اظہار بے رحمی

عمرؓ نے سلیمان کے بیٹے پر بے رحمی کا اظہار کیا حالانکہ یہ وہ تھا جس کے لئے وصیت کی گئی تھی۔ ابن سلیمان رویا بھی مگر عمرؓ اس پر نرم نہیں ہوتے۔ اور آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ مزاحم نے یہ سارا معاملہ دیکھا تھا۔ انھیں ابن سلیمان پر ترس آگیا۔ پھر جب وہ چلا گیا تو مزاحم نے کہا۔ امیرالمومنین! آپ ابن سلیمان کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ عمرؓ بولے۔ مزاحم! تم پر اللہ رحم فرمائے۔ میں اپنے نفس کی طرف سے تدبیریں کرتا ہوں۔ اور میں ابن سلیمان کے لئے اسی قدر شفقت

پاتا ہوں۔ جس قدر اپنی اولاد کے لیے پاتا ہوں[1]

عمرؒ سے قبل تین خلفاء کا حال

پھر آپ کے پاس عبدالرحمٰن بن سلیمان آتے ہیں۔ آپ کے پاس مزاحم موجود ہیں۔ اور آپ ایک کھردرے گدے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ آپ نے عبدالرحمٰن کو اپنے قریب بلا کر اپنے پاس گدے پر بٹھا لیا۔ پھر ان سے فرمایا! عبدالرحمٰن۔ اِن تینوں نے کیا کیا؟ عبدالرحمٰن بولے۔ کون تین؟ فرمایا۔ تمہارے دادا تمہارے چچا اور تمہارے باپ نے۔ عبدالرحمٰن بولے۔ وہ بھی آپ کی طرح خلیفہ بنے۔ پھر انھیں پکارا گیا تو انھوں نے پکار پر لبیک کہا۔

عمرؒ بولے! کیا میں تم کو ان کا حال نہ بتاؤں؟ بولے کیوں نہیں! فرمایا: میں تمہارے دادا (عبدالملک) کے ساتھ رہا۔ ان کی بیماری میں ان کے پاس رہا۔ اور ان کو دفن کرنے والوں میں رہا۔ میں نے ان سے زیادہ دنیا سے خبردار کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر تمہارے چچا (ولید) کو خلافت ملی۔ میں ان کے ساتھ بھی اسی طرح رہا۔ جس طرح تمہارے دادا کے ساتھ رہا۔ اور میں نے ان سے زیادہ دنیا پر غالب کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر خلافت میری طرف آئی اور وہ مجھ سے میرا دین سلب کرنا چاہتی تھی .... آپ جملہ پورا کر رہے تھے کہ آنسوؤں نے آپ کا گلا گھونٹ دیا۔ اور آواز بھرا گئی۔ اور بات نہ کر سکے۔ مزاحم نے عبدالرحمٰن کو کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ ابھی میں گھر کے دروازے پر بھی نہ پہنچا تھا کہ میں نے آپ کے رونے کی آواز سنی۔ آپ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور روتے روتے آپ کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں[2]

عنبسہ کے عطیہ کا واقعہ

عنبسہ بن سعید بن عاص بنو امیہ کے سادات و شرفا میں سے تھا۔ اور کثرت سے خلفا کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اور خلفاء سے گہرے تعلقات رکھتا تھا۔ اور اتنا مالدار تھا کہ اسے مزید مال کی ضرورت نہ تھی لیکن خلفاء سے مانگتا ہی رہتا تھا۔ اور خلفاء اسے دیتے رہتے تھے۔ مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ اس کے پاس سلیمان کے مرنے سے پہلے سلیمان کی طرف سے ایک عطیہ آیا جس کی تعداد

۱؎ : ابن جوزی ص۱۱۸

۲؎ : ابن الحکم ص۱۶۰

بیس ہزار دینار تھی۔ اس نے ایک تحریر لکھ کر دے دی تھی کہ یہ رقم بیت المال میں سے لے لی جائے۔ چنانچہ عنبسہ دفتروں میں یہ تحریر لے کر گھومتا رہا حتی کہ مہر لگانے والے دفتر پہنچا اتنے میں سلیمان فوت ہو گئے اور بیت المال مقفل کر دیا گیا اور یہ تحریر جدید خلیفہ کے جدید حکم پر موقوف رکھی گئی۔

عنبسہ ناامید نہ تھا۔ کیونکہ عمرؓ اس کے دوست تھے اور ان دونوں میں بڑی محبت تھی ایک دن عنبسہ عمرؓ کے پاس سلیمان کے عطیہ کے سلسلہ میں صبح صبح جاتے ہیں۔ اور بنوامیہ کو عمرؓ کے دروازے پر کھڑا ہوا پاتے ہیں تاکہ وہ آپ سے اپنے مسائل میں گفتگو کریں۔ پھر یہ عنبسہ کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ عنبسہ کو واپس آنے دو۔ اور دیکھو کہ ان کا کام نبٹا ہے یا نہیں پھر عنبسہ کو کہتے ہیں امیرالمومنین کو ہماری اطلاع دے دینا۔ عنبسہ عمرؓ کے پاس جاتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں کہ پہلے آپ سے قوم کے بارے میں گفتگو کی جائے یا اپنے بارے میں۔ اور آپ سے کہتے ہیں۔ امیرالمومنین! ہماری آپ سے رشتہ داری ہے اور آپ کی قوم آپ کے دروازے پر کھڑی ہے۔ اور آپ سے درخواست کرتی ہے کہ آپ سے پہلے کے خلفاء جو کچھ انھیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ بھی انہیں دیں۔ فرمایا! عنبسہ میرے مال میں تمہارے لئے گنجائش نہیں۔ رہا سرکاری خزانہ سو اس میں جتنا ما اور ہر مسلمان کا برابر کا حق ہے۔ کسی مسلمان کے عزیز ہونے کی وجہ سے اس کا یہ اسلامی حق روکا نہیں جا سکتا۔ بخدا! اگر خلافت کے کاموں میں تغیر آ جاتے۔ اور سب کی تم جیسی رائے ہو جائے تو یقیناً تم پر اللہ تعالے کا مہلک عذاب اتر آئے گا۔

عنبسہ کہتے ہیں۔ امیرالمومنین! اس صورت میں آپ کی قوم آپ سے کسی اور جگہ جانے کی اجازت مانگتی ہے۔ کہ جہاں اس کے سینگ سمائیں چلے جائیں "میں نے انھیں اجازت دے دی" عمرؓ نے جواب دیا۔ "انھیں اختیار ہے چاہیں چلے جائیں" البتہ کسی ذمی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ عنبسہ کہتے ہیں۔ امیرالمومنین! مجھے سلیمان نے ایک عطیہ دیا تھا۔ پھر جب میں مہر والے دفتر پہنچا تو سلیمان فوت ہو گئے۔ براہ کرم اب آپ میرا یہ کام تکمیل کو پہنچا دیں میرے آپ سے جس قدر گہرے تعلقات ہیں۔ اس قدر سلیمان سے بھی نہ تھے۔ عمرؓ نے پوچھا کتنی رقم ہے؟ بولا! بیس ہزار دینار۔ عمرؓ کی بے ساختہ چیخ نکل گئی جیسے انھیں ڈرا دیا گیا ہو۔ بیس ہزار دینار؟ بیس ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھرانوں کے کام آ سکتے ہیں۔ اور میں

انھیں ایک شخص کو دے دوں؟ بخدا! اس کے لئے میرے پاس کوئی راہ نہیں۔

عنبسہ: پھر تو آپ مجھے بھی اجازت دیں کہ میں بھی ان کے ساتھ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔

عمرؓ: میں نے تمھیں بھی اجازت دے دی۔ مجھے تم میں وہی زیادہ پیارا ہے۔ جو ہم پر اپنا بار نہ ڈالے۔

عنبسہ کہتے ہیں آخر کار میں آپ کے پاس سے نکل آتا ہوں۔ پھر جب دروازے پر پہنچا ہوں تو آپ مجھے آواز دیتے ہیں ابو خالد! ابو خالد! میں لوٹ کر جاتا ہوں کہ شاید آپ نے اپنی رائے بدل دی ہو۔

فرماتے ہیں کثرت سے موت کو یاد کیا کرو۔ اگر تم پر تنگی ہے تو موت کی یاد کیا کرو۔ اگر تم پر تنگی ہے تو موت کی یاد تمھاری تنگی دور کر دے گی۔ اور اگر فراخی ہے تو اس سے دنیا ہیچ معلوم ہوگی۔

مجھے ایسا محسوس ہوا گویا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ آخر کار میں باہر آنے کے لئے آگے بڑھا تو پھر آپ نے مجھے آواز دی۔ آپ نے مجھ پر ترس کھایا، میرے تعلقات کا احترام کیا اور فرمایا۔

میرے خیال میں تم کو کہیں جانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ تم مالدار ہو اور میں سلیمان کا ترکہ بیچنے والا ہوں۔ تم اسے خرید لو۔ انشاء اللہ تلافی مافات ہو جائے گی۔ اور اس میں تمھیں فائدہ ہوگا۔ عنبسہ کہتے ہیں میں آپ کی رائے کو مبارک خیال کر کے ٹھہرا رہا۔ اور میں نے ایک لاکھ میں سلیمان کا ترکہ خرید لیا پھر میں اسے عراق لے گیا۔ اور دو لاکھ میں بیچ ڈالا[1]

امرا کا مطالبہ کہ عمرؓ سابق خلفا کے دئے ہوئے مالوں میں دخل نہ دیں۔

امراء کا ایک رائے پر اتفاق ہوا۔ یہ رائے ان کی نگاہ میں برمحل اور خوب تھی۔ اور انھوں نے یہ رائے عمرؓ کے سامنے بھی رکھنی چاہی۔ تاکہ آپ اس پر عمل کریں۔ وہ رائے یہ تھی کہ عمرؓ اپنے ماتحت مال میں اپنی رائے نافذ کریں۔ لیکن آپ سے پہلے جو مال امراء کو دے دیا گیا ہے۔ اس میں دخل نہ دیں۔ اور امراء کے حقوق نہ گھٹائیں اور نہ انھیں گھٹائیں۔ کیونکہ جو چیز گذر گئی وہ فوت ہو گئی۔ اور اب وہ حق بن گئی اور وہ عمرؓ کا کام نہ تھا کہ انھیں اس کے گناہ کا ڈر ہو۔ اور اس کے وبال کا خطرہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہو جیسا کہ اس میں اور راہ ورع ان کی نگاہ میں کام ہے تو یہ گناہ دینے والوں کا ہے عمرؓ کا نہیں

---

[1] ابن جوزی ص ۱۱۴، ص ۱۱۵، ابن عبدالحکم ص ۵۶ ص ۵۸ ص ۱۹۱

غرضیکہ امراء نے اِس پر اتفاق کر لیا۔ اور اس رائے کو اچھا سمجھ کر انہیں اس سے مسرت ہوئی۔ اب ایسے شخص کی تلاش تھی جو نڈر ہو کر عمرؓ کے سامنے یہ رائے رکھے۔ چنانچہ ہشام بن عبدالملک نے یہ بیڑہ اُٹھایا۔ کیونکہ وہ غیر معمولی شجاعت کے مالک تھے۔ جس کا اظہار انھوں نے قومی امانت کو عمرؓ کے سامنے پیش کرکے کیا۔ اِس لئے انھوں نے عمرؓ سے کہا۔

• امیرالمومنین! میں آپ کے پاس آپ کی قوم کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ انھوں نے آپ کے سامنے ایک رائے رکھی اور وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے ماتحت مال میں جو چاہیں کریں اور سابقہ خلفاء کے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ وہ جو کچھ امراء کے ساتھ سلوک کر گئے۔ ان کا حسن و قبح انھیں کے لئے ہے:

عمرؓ کا امراء کے مطالبے سے انکار

عمرؓ تاڑ گئے کہ ہشام قوم کا نام لیتا ہے۔ لیکن یہ ہشام ہی کے دل کی پکار ہے۔ اور وہ ان میں خود کو چھپانا چاہتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

• ہشام تم اگر میرے پاس ایک ہی معاملہ کی دو دستاویزیں لاؤ۔ ایک معاویہ کی دی ہوئی اور ایک عبدالملک کی تو بتاؤ میں کس دستاویز کو قبول کروں۔

ہشام بولا! پرانی دستاویز کو۔ فرمایا! میں اللہ کی کتاب پرانی پاتا ہوں۔ اور اسی کے قانون کے مطابق امراء سے عمل درآمد کراتا ہوں۔ خواہ وہ مال میرے ماتحت ہو یا سابق خلفا کا دیا ہوا۔[1]

مطالبہ منوانے کے لئے ہر ممکن تدبیر

غرضیکہ امراء نے کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ جس سے آکر عمرؓ کی رائے منسوخ کرا دیں۔ اور عمرؓ نے بھی کوئی وسیلہ اور تیزی نہیں چھوڑی جس پر عمل کرکے امراء کو ان کے خیالات سے باز رکھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ عمرؓ ان سے اور وہ عمرؓ سے مایوس ہو گئے۔ اور تنگ آگئے۔ آپ بعض امراء کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ • میں ایسی گردنیں دیکھتا ہوں جو عنقریب گردنوں والوں کی طرف لوٹا دی جائیں گی۔[2]

امراء کے لگاتار ہنگامے اور آپ کی دھمکی

امراء لگاتار ہنگامے مچاتے رہتے تھے حتیٰ کہ

---

[1] : ابن جوزی ص ۱۱۸

[2] : العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۷

آپ کے پاس ایک امیر کا خط آتا ہے۔ اور آپ کے غصہ کو بھڑکا دیتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں۔
• مجھ پر اللہ کے لئے بنی مروان کے سلسلے میں ایک دن ہے جس میں ذبح کا واقعہ پیش آئے گا۔ اللہ کی قسم! اگر وہ ذبح میرے ہاتھ پر ہوا۔ پھر جب بنی مروان کو آپ کی اس بات کی خبر لگی تو وہ ہنگاموں سے رک گئے۔ انھیں آپ کے عزم کی پختگی معلوم تھی۔ اور یہ بھی کہ جب آپ کسی کام کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اسے کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔

بنو مروان اسراف میں مبتلا تھے

عمرؓ اکثر تمنا کرتے رہتے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے وہ مبارک دن آئے جس دن شر پسندوں کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں۔ بنی مروان کو آپ کی اس تمنا کی اطلاع ہو جایا کرتی تھی اور وہ شر سے رُک جایا کرتے تھے۔ عمرؓ کو ان سے صرف یہ بات روک رہی تھی کہ ان کا قرآن و حدیث و شریعت محمدیہ پر ایمان تھا۔ لیکن اسراف کی حرمت کو جاننے کے باوجود وہ اسراف میں مبتلا تھے۔ کیونکہ بدنصیبی نے ان پر غالب آکر انھیں گمراہ کر دیا تھا۔[1]

بعض امراء لونڈیوں سے تھے

بعض امراء لونڈیوں کے پیٹ سے تھے۔ سکون قبیلہ کی ایک لونڈی نباتہ تھی۔ یہ حمص کے بازاروں میں دکان در دکان گا بجا کر روزی پیدا کرتی تھی۔ ولید کی طرف سے بھیجے ہوئے تحائف میں یہ لونڈی بھی آئی ولید نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس سے ولید کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عمرؓ تھا۔ یہ بڑا مغرور ظالم اور سرکش تھا۔

عمر بن نباتہ بڑا مغرور و سرکش تھا اس کی عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو دھمکی

اس کے بچپن میں ولید کو اس سے بڑی محبت تھی اور اسے مسلمانوں کے ایک فوجی دستے پر رئیس مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس دستہ پر خلیفہ کے حکم سے اسی کا حکم چلتا تھا۔ اگرچہ اس ریاست کے زمانے میں اس نے کوئی خاص قابلِ تعریف کام انجام نہ دیا تھا۔ مگر خلیفہ کا محبوب و لاڈلا بیٹا تھا۔ اور ولید اسے دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتا تھا۔ اس کا سبب بجز اندھی محبت کے اور کچھ نہ تھا۔ جب عمرؓ بن عبدالعزیزؒ ظلم سے حاصل کئے ہوئے حقوق حقداروں کو دلوانے لگے خواہ ظالم کے قبضہ میں ہے یا اس کے گھرانہ کے تو عمرؓ بن نباتہ سخت غضب ناک ہوا۔ اور

---

[1] : تاریخ الامم الاسلامیۃ ج ۲، ص ۱۸۲

نے مزہ سے تیوری چڑھا کر عمرؓ کو لکھا۔ آپ نے سابق خلفاء کو داغدار بنا دیا۔ اور ان کے عیب ٹٹولے۔ اور ان کی سیرت چھوڑ کر ایک نئی سیرت اختیار کی۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا اور رشتہ قطع کر دیا جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے زبردستی قریش کے مال اور انکی میراثیں سرکاری خزانے میں جمع کرا دیں۔ اور ان پر ظلم و زیادتی کی۔ آپ کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اور کبھی اس حال پر نہیں چھوڑا جائے گا۔

عمرؓ کا دھمکی کا جواب

اس خط کے جواب میں عمرؓ بن عبدالعزیز، عمر بن بناتہ کو لکھتے ہیں۔

اما بعد! تیرا خط مجھے ملا۔ میں تجھے اس سے بہتر جواب دے رہا ہوں اے ابن ولید! تیرا ابتدائی حال وُہ ہے۔ جو تجھے معلوم ہے۔ کیونکہ تیری ماں بناتہ ہے جو قبیلہ سکون کی ایک لونڈی تھی۔ اور وہ گاتی بجاتی اور ناچتی کودتی حمص کے بازاروں میں دکان در دکان پھرا کرتی تھی۔ پھر اللہ اس کا حال خوب جانتا ہے۔ اسے مسلمانوں کے مال سے دیان نے خرید لیا تھا اور وہ ہدیہ میں تیرے باپ کے پاس بھیج دی گئی تھی۔ پھر ولید سے اس کے پیٹ میں تیرا حمل قرار پا گیا۔ لہٰذا یہ حمل اور اس سے پیدا ہونے والا بچہ بدترین ہے۔ پھر تو ظالم و سرکش بن کر پلا بڑھا۔

تُو مجھے اس لئے ظالم کہتا ہے کہ میں نے تجھے اور تیرے گھرانے کو اللہ کے مال سے جس میں قرابت داروں بیواؤں اور مسکینوں کا حق ہے محروم کر دیا۔ دیکھو سب سے بڑا ظالم اور اللہ کے عہد کو پس پشت ڈالنے والا وُہ ہے جس نے تجھے جبکہ تو ایک نادان بچہ تھا۔ اسلامی فوج کے ایک دستہ کا حاکم بنایا تھا۔ اور تو ان پر اپنی رائے سے حکم چلاتا تھا۔ اور اس سلسلے میں ولید کی کوئی نیت نہ تھی۔ بجز اس کے کہ والد کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ لہٰذا تیرے لئے بھی ویل ہے اور تیرے باپ کے لئے بھی۔ قیامت کے دن تم دونوں سے کس قدر لوگ جھگڑنے والے ہوں گے۔ اور تیرا باپ اپنے جھگڑنے والوں سے کس طرح نجات پائے گا؟

اور سُن! وہ انتہائی ظالم اور اللہ کے عہد کو توڑنے والا ہوں جس نے حجاج بن یوسف کو حرام خون ریزی کے لئے اور حرام مال حاصل کرنے کے لئے حاکم بنایا اور جس نے قرۃ بن شریک کو جو ایک ٹھیٹھ گنوار تھا مصر کا حاکم بنایا اور اسے طرح طرح کے باجوں، لہو و لعب اور شراب و کباب کی چھوٹ دے دی، اور جس نے عالیہ بربریہ کے لئے عرب کے پانچویں حصہ میں مقرر کیا۔ ابن بناتہ! ذرا ٹھہر! اور میری فرصت کا انتظار کر جب میں تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے فارغ ہو جاؤں گا۔ اور ان کو ایک روشن راستہ پر رکھ دوں گا۔ کیونکہ تم ایک طویل زمانے سے

حق کو چھوڑے ہوئے ہو۔ اور فضولیات میں مصروف ہو۔ اور اس کے ماوراء وہ ہے جس کی مجھے تو قع ہے کہ اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا کہ تجھے بیچ کر تیری قیمت یتیموں مسکینوں اور بیواؤں پر خرچ کر ڈالوں گا۔ کیونکہ تجھ میں ان سب کا حق ہے۔

میں نے عزم کرلیا ہے کہ میں تیرے پاس ایک ایسا آدمی بھیجنے والا ہوں جو تیری بے چینیوں کو مونڈ دے گا۔ اور تیری پیشانی کے بال جو بد ترین ہیں کاٹ دے گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ تیری عظیم ترین مصیبت کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی عطا فرماتے۔ اور ظالموں کو اللہ کی سلامتی حاصل نہ ہو[1]

روح بن ولید کی سرکشی کا حال

ولید کا ایک بیٹا اور تھا جس کا نام روح تھا۔ اور وہ صحرا میں پلا بڑھا تھا۔ اس لئے وہ ظالم و ستم گر تھا گویا وہ گنوار تھا۔ لوگ اس سے ڈرا کرتے تھے۔ اور وہ ان پر حاوی تھا۔ اور انہیں ڈراتا دھمکاتا رہتا تھا اس کے باپ نے حمص میں کچھ دکانیں اس کے نام کر دی تھیں۔ اور اس کی دستاویزیں بھی لکھ کر دی تھیں حمص والے روح کی اور اس کے باپ ولید کی عمرؓ کے پاس شکایت لائے۔ جب عمرؓ نے روح کو حکم دیا کہ لوگوں کی دکانیں چھوڑ دے تو روح نے عمرؓ سے کہا۔ یہ دکانیں میرے پاس ولید کی دستاویزات کی رو سے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا ثبوت ہو چکا تھا کہ دکانیں حمص والوں ہی کی ہیں۔ آخر کار روح اور حمص والے اٹھ کر چلے گئے۔ اور راستہ میں روح نے ایک حمصی کو دھمکایا۔ وہ عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آیا۔ عمرؓ نے اپنے ایک پہرے دار کعب بن حامد کو آواز دے کر بلایا۔ اور اس سے کہا کہ روح بن ولید کے پاس جا۔ اگر وہ حمصیوں کو ان کی دکانیں دے دے تو خیر ورنہ اس کا سر لے آ! روح نے جلاد کو ننگی تلوار سونتے ہوئے اپنی طرف آتا ہوا دیکھا۔ اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ جلاد نے اس سے کہا اٹھ اور ان کی دکانیں چھوڑ۔ بولا! ہاں ہاں۔ پھر اس نے ذلیل و مغلوب ہو کر دکانیں چھوڑ دیں۔[2]

پھر عمرؓ نے وہ تمام زمینیں لوٹا دیں۔ جو ولید نے غصب کی تھیں۔ وہ بھی لوٹا دیں جو عرب کے گنواروں سے چھینی تھیں۔ اور ابراہیم بن طلحہ کو اس کا گھر بھی واپس کرا دیا جو غصب کر لیا گیا تھا۔ اور پہلے اسے عبدالملک نے لے لیا تھا۔ پھر سلیمان سے عمرؓ نے اسے واپس دلوایا۔[3] اسی

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۹ البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۳ ، ابن الجوزی ص ۱۱۴

[2] ابن عبدالحکم ص ۵۹ ، [3] : ابن جوزی ص ۱۰۳ ، النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۶۰

طرح عمرؒ نے جس جائیداد پر قبضہ دیکھا اس کو ایسے سچے عزم کے ساتھ عدالت کے ذریعے لوٹایا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور اپنا حوصلہ اتنا بلند رکھا کہ اس کی چوٹی تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ میرے اور میرے ظالم رشتہ داروں کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔

تاجروں کے منافع

عمرؒ نے تاجروں پر پابندی لگا دی کہ وہ حد سے زیادہ منافع نہ لیں۔ لیکن اس پر انھوں نے کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ اور آپ نے نفرت کے باوجود بلا سزا کے انھیں چھوڑے رکھا۔ جب اسامہ بن زید تنوخی خراجِ مصر کا افسر تھا۔ اس زمانے میں اس نے موسیٰ بن وردان سے بیس ہزار دینار کی مرچیں خریدیں اور اسامہ نے انہیں ایک گودام میں محفوظ کر دیا۔

اسامہ نے یہ مرچیں ولید بن عبدالملک کے لئے خریدی تھیں۔ تاکہ ولید انھیں ہدیہ کے طور پر روم کے بادشاہ کے پاس بھیجے اس لئے اس نے انھیں گودام میں رکھ چھوڑا تھا۔ پھر جب عمرؒ خلیفہ بن گئے تو موسیٰ بن مروان نے ان مرچوں کی قیمت کا مطالبہ کیا۔

موسیٰ بن مروان کہتے ہیں۔ میں عمرؒ کے پاس گیا۔ اور میں نے آپ سے ان اصحابہ کا ذکر کیا جن کو میں نے دیکھا تھا۔ اس طرح ان کی نگاہ میں میں نے ایک مقام حاصل کر لیا۔ جب میں چاہتا ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ حیان بن سریح کو لکھ دیں کہ وہ مجھے بیس ہزار دینار دے دیں جو مرچوں کی قیمت ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ بیس ہزار دینار کس کے ہیں؟ میں نے کہا میرے! پوچھا تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی۔ میں نے کہا۔ میں تاجر ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے مسطر سے مار کر کہا۔ تاجر فاجر ہوتا ہے اور فاجر جہنمی ہے۔ پھر فرمایا۔ حیان کو لکھ دو کہ اس کی رقم دے دے۔

موسیٰ کہتے ہیں: اس واقعہ کے بعد میں آپ کے پاس نہیں گیا۔ اور آپ نے اپنے دربان کو حکم دے دیا کہ وہ میرے پاس نہ آئے[1]۔

حکام کی برطرفی

جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب سے حکام کے بارے میں مشورہ کیا۔ تو سالم نے مشورہ دیا۔ آپ کو حکام کو برطرف

---

[1] فتوح واخبار مصر ص ۹۹

کرنے سے یہ بات آڑے نہ آتے کہ کام کے لیے کوئی صحیح آدمی نہیں ملتا۔ جب آپ اللہ کی رضا کے لیے بڑے حاکموں کو برطرف کر دیں گے تو حق تعالیٰ شانہٗ صحیح اور مناسب آدمی بھی آپ کو عطا فرما دے گا۔ اور آپ کے پاس اچھے معاون لے آئے گا۔ مدد بقدر نیت۔ مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جب انسان کی نیت صحیح ہو تو اللہ کی مدد بھی پوری پوری ہوتی ہے۔[1]

حجاج بن یوسف مرگیا مگر اس کا ظلم نہیں مرا۔ اس کے جانشین برابر شہروں پر حکمران رہیں گے۔ اور ان کی تلواروں کی آوازیں لگاتار کانوں میں گونجتی رہیں گی۔ پھر عمرؓ جلدی جلدی اور تیزی سے ظالم اور خون ریز حکمرانوں کو معزول کرنے لگے۔ اور آپ نے ہر اس حکمران کو معزول کر دیا جس نے مسلمانوں کا خون بہایا تھا تاکہ نفس مطمئن رہیں۔ اور ان کی پسلیاں راحت و آرام سے رہیں۔ آپ کو اس کام پر مدینہ کے فقیہ سالم بن عبداللہ نے آمادہ کیا۔ اور آپ نے ہر ظالم کو برطرف کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اگرچہ وہ آپ کا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

عمرؓ نے اسامہ بن زید کو خراجِ مصر کے عہدہ سے برطرف کر دیا۔ اور یزید بن مہلب اور سالم بن عبدالرحمٰن کو عراق سے معزول فرما دیا۔ اور حارث بن عبدالرحمٰن ثقفی کو اندلس سے اور محمد بن یزید بن مسلم کو افریقہ سے الغرض آپ نے انھیں جیسوں کو معزول فرما دیا۔ اور حجاج کے گھر والوں کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور اس خاندان میں سے کسی کو بھی نہ حالتِ امن کی حالت میں حاکم بنایا اور نہ جنگ کی حالت میں۔ تاکہ آپ ان کی سازشوں سے محفوظ رہیں اور آپ نے ان جیسے شرپسندوں کو جلاوطن کر دیا اور خالد بن ریان کی تلوار لے کر اسے بھگا دیا۔ اسی طرح حجاج کے ایک آدمی کی تلوار چھین لی اور اسے دابق سے واپس بھیج دیا۔ تاکہ وہ آپ کی فوج میں مل کر نہ لڑ سکے۔ اور اس کا وظیفہ دو ہزار سے گھٹا کر تیس کر دیا۔ غرضیکہ ان جیسے ظالموں کی آپ نے تلواریں لے لیں۔ آپ کے پاس ایک معزول عہدے دار نے آکر یہ عذر کیا کہ اس نے حجاج کی حکومت میں چند دن ہی کام کیا ہے۔

آپ نے جواب دیا۔

دیکھ شر سے نزدیکی ایک ہی دن کی کافی ہے۔

مسلمۃ بن عبدالملک بنو امیہ میں سے عمرؓ کے خیر خواہ اور آپ کے قریب آنے والے آپکے

---

[1] : ابن جوزی صفحہ ۱۳۰۔

سالے مسلمہ بن عبدالملک تھے۔ کیونکہ یہ آپ کی بیوی فاطمہ کے بھائی تھے اور انھیں عمرؒ سے محبت تھی اور انہیں چپٹے رہتے تھے اور ان کے مطیع و منقاد رہتے تھے۔ مگر کھانے پینے کی حلال چیزوں میں پورے پورے مسرف تھے۔ مسلمہ کے افعال کی عمر کو بھی خبر لگ گئی۔ آپ کو تمنا ہوئی کاش مسلمہ اِس اسراف کو چھوڑ دیں کیونکہ ایسا نہ ہو کہ یہ چیزیں انھیں حرام میں پھنسا دیں ایک دن عمرؒ نے انھیں حکم دیا کہ صبح صبح ان کے پاس آئیں اور مسُور کی دال پکوائی اور قسم قسم کے گوشت اور لذیذ کھانے بھی پکوائے۔ پھر جب مسلمہ علی الصبح آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں روکے رکھا حتیٰ کہ بھوک خوب لگ آئی اور اس کی گرمی پانے لگے تو عمرؒ تاڑ گئے کہ اب انہیں خوب زور کی بھوک لگ رہی ہے تو آپ نے کھانا منگوایا اور مسور کا ثرید دستر خوان پہ آیا مسلمہ اس پر لوٹ پڑے اور آپ نے بے حد بھوکے شخص کی طرح اسے کھایا۔ اور جب تک پیٹ نہیں بھر گیا ہاتھ نہیں روکا۔ پھر عمرؒ کے حکم سے یہ ثرید دستر خوان سے اٹھا دیا۔ اور اب اس پر عمدہ عمدہ کھانے چنے گئے اور عمرؒ نے ان سے کھانے کی درخواست کی بولے۔ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ پھر عمرؒ نے کھانے کو کہا بولے! میرے پیٹ میں ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے!

پھر عمرؒ نے فرمایا! پھر کھانے میں اسراف کی اور آگ میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ یہ ثرید ہی کافی ہے۔ اس دن سے مسلمہ نے کبھی کھانے میں اسراف نہیں کیا۔

پادریوں کی سی چال

عمرؒ ماضی میں خوب خوشبو لگایا کرتے تھے۔ یعنی اس قدر کہ اسراف کی حد تک پہنچ جایا کرتے تھے۔ پھر جب خوشبودار تیل لگاتے تو عنبر نمک کی طرح آپ کی داڑھی اور سر پہ بکھر جایا کرتا تھا۔ لیکن عہدِ خلافت میں آپ نے یہ ساری چیزیں چھوڑ دیں بلکہ اگر کہیں خوشبو ہوتی تو آپ وہاں سے ناک بند کر کے نکل جاتے۔ چونکہ آپ نے کھانے پینے میں اور میوہ جات میں بڑی حد تک کمی کر دی تھی اس لئے خون جل کر آپ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ اور کھال ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی اور جسم پہ گوشت برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ چونکہ عمرؒ نے اصلاح کے لئے قدم بڑھایا تھا اس لئے آپ کا خیال تھا کہ جو کھانے پینے میں اپنے نفس کی باگ ڈور سنبھال کر نہیں رکھتا۔ وہ غیروں کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اور جس پر اس کا پیٹ حاکم ہو اور اسے ذلیل کر دے۔ وہ اس پہ کہ میں قوی ارادے کا مالک ہوں کسی کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ لکڑی اس وقت آواز دیتی ہے جب اس کا جوف خالی ہو۔ پھر اس سے سُر نکلنے لگتے ہیں۔ ڈاڑھوں کا صرف یہ کام ہے کہ وہ جسم کو فربہ، عقل کو

کند اور شعور کو فنا کر دیتی ہیں۔

عمرؓ کی اندرونی صفائی

عمرؓ نے اندرونی صفائی کی طرف خاص توجہ دی۔ اور آپ صاف ہو گئے۔ لیکن آپ کو یہی خیال رہا کہ آپ نے کچھ نہیں کیا۔ کیونکہ روٹی کپڑا اور گھر مباح چیزیں ہیں۔ اور مباح چیزوں سے بچنا صحابہ کرام کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ، علیؓ ابن ابی طالب، عمارؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذرؓ اور ابوعبیدہ بن جراحؓ وغیرہم میں یہ صفت بخوبی پائی جاتی تھی[1]۔ لیکن عمرؓ کو آپ کے علم و فکر نے اور آخرت کے ساتھ تعلق نے مباحات سے بھی نفرت دلائی۔ اور آپ نے مباحات کو بھی اسراف میں شمار کیا۔ اور اسراف باللذات برا ہے۔ اسی لئے جب آپ سے کوئی پوچھتا۔ کیف اصبحت! آپ نے کس حال میں صبح کی؟ تو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے۔ میں نے طاعت میں دیر کر کے۔ گناہوں میں پھنس کر، خالی پیٹ کی حالت میں صبح کی۔ اور اللہ سے اچھی امیدیں رکھتا ہوں[2]۔

ترکِ رزائل

عمرؓ نے اپنے نفس کی ہر عادت بدل دی۔ اور نفس کے تمام مظاہر میں تغیر پیدا کر لیا۔ لیکن آپ ایک عادت (عمری مخزیہ چال) نہ بدل سکے۔ یہ بچپن کی اور اس زمانے کی عادت ہے جب آپ مدینہ منورہ کے حاکم تھے۔ یہ چال آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ خلیفہ بن جانے کے بعد آپ نے اسے بھی چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا۔ مگر چھوڑ نہ سکے۔ آپ نے اپنے غلام مزاحم سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اس عادت کو چھڑانے میں آپ کی مدد کریں اور جب کبھی آپ اس چال کو اختیار کریں تو وہ آپ کو فوراً ٹوک دیا کریں۔ چنانچہ مزاحم تاک میں لگے رہتے تھے۔ اور آپ کو بتا دیا کرتے تھے۔ پھر آپ بھول کر چال میں خلط ملط کر لیتے تھے۔ اور پھر اسی چال کو اختیار کر لیتے تھے۔ غرضیکہ اسی طرح کوشش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مدت سے اس میں تغیر پیدا کر لیا[3]۔ اب آپ کی چال پادریوں کی سی ہو گئی۔ یعنی عاجزانہ چال ہو گئی۔

علی بن جذیمہ کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو مدینہ میں دیکھا۔ بہترین کپڑے ہیں خوشبو کی لپٹوں کی کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ اور اتھلا اتھلا کر چل رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد آپ کو پادریوں کی طرح چلتا

---

[1]: الموافقات ج ۱ ص ۶۵

[2]: ابن جوزی ص ۱۴۷، ص ۱۵۰، ابن عبدالحکم ص ۴۴، ص ۵۰

[3]: ابن عبدالحکم ص ۲۱

بخوا دیکھا کہ انتہائی عاجزی اور انکساری سے چل رہے ہیں۔

عمرؓ کی رقت

جب سے عمرؓ کو خلافت ملی تھی اس وقت سے آپ ہمیشہ سہمے رہتے تھے اور آپ نے دل لگی چھوڑ دی تھی اور آپ ہنسی مذاق کو رذالت سمجھتے تھے کہ اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ گری ہوئی کسی بات کو نہ سمجھتے تھے۔ آپ برابر پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور عرفہ کا اور عاشورے کا بھی۔ اور محرم الحرام کے پہلے عشرے کے بھی اور بلا ناغہ روزانہ قرآنِ کریم خواہ تھوڑا ہی سہی پڑھا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کثیر العبادت نہ تھے۔ لیکن عبادت پر مداومت کیا کرتے تھے۔ اور آپ کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بہت مشابہ تھی۔ ابو قلابہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے دس اصحابیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے رکوع اور سجدے کے بارے میں کہا۔ کہ آپ عمرؓ بن عبدالعزیز جیسی نماز پڑھا کرتے تھے[1]۔

عمرؓ خلافت کے بعد خاص طور سے شرع کے پابند ہو گئے تھے۔

عمرؓ کام کا عزم کر کے اسے کر گذرنے والے ایک بہادر شخص تھے۔ آپ کام کو نہ پیچھے ہٹاتے تھے نہ موقوف کرتے تھے۔ آپ خلافِ شرع کاموں پر گرفت کرنے والے، اپنی خوبیوں میں سب سے بلند اور اونچے اور رفعت اور بلندی میں اپنی عادتوں سے نیچے گرنے والے نہیں تھے۔ اور سال بسال آپ کے فضل و کمالات بڑھتے ہی جاتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی سابق زندگی کی یادیں آ آ کر آپ کو بے قرار بنا دیا کرتی تھیں۔ اور آپ اپنے ماضی اور حال کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے دل میں گذرے ہوئے عیش کو یاد کر کے رقت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ جیسے اس رخصت کرنے والے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے لوٹنے کی توقع نہیں ہوتی۔

ماضی و حال کی زندگی میں مقابلہ

آپ مدینہ اور مصر کے عیش میں اور اس سے پہلے شام کے عیش میں۔ اور آج کے موجودہ عیش میں مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ آج ہمارا وہ عیش کہاں جو مصر میں تھا؟ میں

---

[1] ابن جوزی ص۳۲

[2] تاریخ داریا ص۸۳

نے اپنے کو دیکھا کہ اگر تمام آبادی والے میرے مہمان ہو جاتے تو میرے پاس اتنا تھا کہ سب کو کھلا سکتا تھا۔ اور آج ہمارا عیش کہاں جو مدینہ میں تھا۔[1]

ایک دن آپ اپنی بیوی فاطمہ کے پاس سے گذرتے ہیں۔ اور ان کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے پوچھتے ہیں فاطمہ! آج کے زمانے کی بہ نسبت ہم دابق میں زیادہ آرام سے تھے۔ فاطمہ بولیں! واقعی آپ موجودہ زمانہ کی نسبت اس زمانہ میں بہت آرام سے تھے۔ آپ ان سے پیٹھ موڑ کر رقت کا اظہار کرتے ہوئے چلے گئے۔ فرما رہے تھے۔ فاطمہ! مجھے آگ کا ڈر ہے فاطمہ! مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو اس کے عذاب سے کیسے بچ سکتا ہوں؟[2]

---

[1] : ابن جوزی ص۱۵۱

[2] : ابن عبدالحکم ص۴۷

طریق عدالت

پہلا مسئول (ذمہ دار شخص)

عدل کس پر واجب ہے؟

عموماً یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ عدل کس کا فرض ہے؟ کیا عدل رعیت پر واجب ہے؟ یا حاکم پر، یا دونوں پر؟ عبدالملک بن مروان کا خیال تھا کہ رعایا کو اندھی اطاعت کرنی ضروری ہے۔ اور اس پر حاکم کی اطاعت فرض ہے۔ عبدالملک کے زمانہ میں رعیت نے ان سے عدل کا مطالبہ کیا۔ عبدالملک نے کہا۔ رعایا عدل کی حق دار نہیں۔ بعد میں عبدالملک کہا کرتے تھے۔

لوگو! بنظر انصاف غور کرو۔ تم ہم سے تو ابوبکرؓ و عمرؓ کا سا عدل چاہتے ہو لیکن تم ابوبکرؓ کی سی رعیت بننا نہیں چاہتے۔ حق تعالےٰ شانہٗ ہر ایک کی ہر ایک پر مدد فرمائے۔[1]

عدل کے سلسلہ میں عمرؓ کی رائے

عدل کے سلسلہ میں یہ عبدالملک کی رائے تھی۔ لیکن عمرؓ بن عبدالعزیز کی رائے یہ تھی کہ سب سے پہلے عدل حکام کا اوّلین فرض ہے۔ پھر رعایا کا فرض ہے۔ اس صورت میں عدل راعی اور رعایا دونوں کا فرض ہے۔ مگر ابتدا حکام کی طرف سے ضروری ہے۔ پھر جب مظالم کا گناہ حاکم پر ہے تو رعیت پر بھی ہے۔ بشرطیکہ رعیت نے حاکم کی نگرانی نہ کی ہو اور اسے غلطیوں پر آگاہ نہ کیا ہو۔ اگر رعایا نے ایسا نہیں کیا اور حکام کو ان کی غلطیوں پر آگاہ نہیں کیا تو غلطی کی اداس کے حصے میں محرومی آئی۔ بلکہ عمرؓ کی رائے تھی کہ جو رعایا حکام کا محاسبہ نہیں کرتی اور ان کی غلطیوں کی تاک میں نہیں رہتی۔ وہ سزا کی حقدار ہے کیونکہ وہ گناہ پر روک ٹوک نہیں کرتی اور مظالم سے چشم پوشی کرتی ہے۔

عموماً اور کھلم کھلا گناہ کرنا اللہ کے عذاب کو للکارنا ہے

عمرؓ فرماتے ہیں: اللہ خواص کے عملوں پر عوام کی گرفت نہیں کرتا۔ پھر جب گناہ عام و ظاہر ہو جائیں اور ان پر روک ٹوک نہ کی جائے تو عوام بھی سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔[2] آپ نے اپنے

---

[1]: ثمار القلوب صـ ۶۶

[2]: الخراج لابی یوسف صـ ۱۱

ایک خطبہ میں رعایا کو ان کے حقوق یاد دلاتے ہوئے فرمایا۔

٭ لوگو! قیامت کا دن دور نہ سمجھو! اس کے آنے میں ایک طویل مدت نہیں ہے کیونکہ جسے موت آجاتی ہے۔ اس کے لئے قیامت آجاتی ہے۔ پھر نیک نیکیوں میں اضافہ نہیں کر سکتا اور گناہ گار گناہوں سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کان کھول کر سن لو! خلاف سنت عمل کرنے میں سلامتی نہیں۔ اور اللہ کے گناہوں میں کسی متنفس کی اطاعت نہیں۔ دیکھو! تم اپنے امام کے ظلم سے بھاگنے والے کو گناہگار کہتے ہو۔ اچھی طرح سن لو۔ ان دونوں میں معصیت کا پہلا حقدار ظالم امام ہے[1]۔

عبدالملک بن عمرؒ

عدل و انصاف کی محبت نے عمرؒ کے دل میں جڑیں پھیلا لی تھیں اور عدل کی جڑیں ان کے رگ و ریشہ میں لبسی ہوئی تھیں۔ اور یہ آپ کو اپنے نانا جان فاروقِ اعظم سے ورثہ میں ملی تھیں۔ اور اس پر دوسرے محرکات بھی آپ کی تائید کر رہے تھے اور انھوں نے آپ کو گھیر لیا تھا۔ اور آپ کو اس راہ پر مجبور کر دیا تھا کہ آپ عدل کے لئے وہ کارنامے انجام دیں جو اب سے پہلے انجام نہیں دیئے گئے تھے۔ ان محرکات میں جو آپ کے ماحول میں پیدا ہو کر پروان چڑھ رہے تھے۔ سب سے قوی محرک آپ کا فرزند دلبند عبدالملک بن عمرؒ ہے۔

عبدالملک بن عمرؒ کا ظہور

آپ کا یہ صاحبزادہ اس وقت ظاہر ہوا جب فتنوں کی تیز آندھی چل رہی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اسے آندھیوں میں جم کر کھڑا ہونا پڑا۔ عبدالملک بن عمرؒ تاریخ کا ایک عجوبہ اور مندبت روزگار ہیں۔ آپ نوجوان تھے اور ابھی بیس سال کے بھی نہ ہونے تھے کہ آپ کو فتنوں کی آندھیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن بچپن ہی سے آپ کے ایمان میں استحکام پایا جاتا تھا۔ گویا آپ کسی نبی کے حواری یا کسی رسول کے مددگار ہیں۔ یہ پارسا اور صالح نوجوان اپنے والد کی مجلس میں اور رات کو اور دوپہر کو سونے کے کمرے میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اور آپ کو ابھارتا رہتا تھا اور جھنجوڑتا رہتا تھا۔ کہ لوگوں سے مظالم مٹانے میں۔ اور انھیں ان کے حقوق واپس دلانے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور موت سے نہ ڈریں۔ ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا اور جسم پر آگ بھڑکتی ہوگی۔

---

[1]: ابن جوزی صفحہ ۲۰۶

عمرؒ کی نرمی کے وقت عبدالملک کی گرمی

جب کبھی عمرؒ نرم پڑ جاتے تو عبدالملک بن عمرؒ گرم ہو جاتے اور اگر کبھی عمرؒ کاموں میں سرگرمی کا اظہار نہ کرتے۔ تو عبدالملک فوراً ان میں شامل ہو کر سرگرم عمل ہو جاتے۔ یہ بچہ برابر اپنے محترم والد کو برائیوں سے روکتا رہتا تھا۔ اور نیکیوں کی رغبت دلاتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ گویا اس صالح بچہ نے عمرؒ کو عبادت میں داخل کیا۔[1] شامیوں نے اپنی آنکھوں سے عمرؒ کے دونوں حال (قبل از خلافت اور بعد از خلافت) دیکھے ہیں۔ بعض شامی لکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں عمر کو عبادت میں ان حالات ہی نے داخل کیا۔ جو حالات انھوں نے اپنے فرزند عبدالملک سے دیکھے۔[2]

جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لیجئے زندگی کا ایک سیکنڈ کا بھی بھروسہ نہیں

جب عمرؒ سلیمان کو دفن کر کے فارغ ہو گئے اور تمام مغصوبہ جائیدادیں بیت المال میں جمع کر دیں اور تمام خانگی سامان خچر، قنائیں وغیرہ اپنا آرام ترک کر کے فروخت کر چکے۔ لونڈیوں کو آزاد کر چکے اور رات کو سوئے بھی نہیں۔ پھر صبح کو ظہر کی اذان تک یہی کام انجام دیتے رہے اور ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کرنا چاہا تو آپ کے فرزند ارجمند عبدالملک آپ کے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔

امیرالمومنین! اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں۔ جانِ پدر! اب میں ذرا سا سونا چاہتا ہوں۔ آپ پوچھتے ہیں کیا آپ مغصوبہ چیزوں کو واپس دلائے بغیر سو رہے ہیں؟ فرمایا! پیارے بچے! کل شب میں تمہارے چچا جان کے کام کے سلسلے میں رات بھر جاگتا رہا۔ اب میں تھوڑی دیر سونے کے بعد باقی کام انجام دوں گا۔ عبدالملک فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین کیا آپ کو خبر ہے کہ آپ سو کر اٹھیں گے بھی یا نہیں۔ مستقبل میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی زندگی کا بھروسہ نہیں۔ عمرؒ بولے! قرۃ العین، ذرا میرے قریب تو آؤ۔ عبدالملک قریب آتے ہیں عمرؒ ان کو گلے لگا لیتے ہیں اور ان کی پیشانی چوم لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے مجھے ایسا صالح بیٹا دیا جو دین پر میری اعانت کرتا ہے۔ پھر آپ سوئے بغیر ہی باہر

---

[1]: ابن جوزی ص ۲۵۸

[2]: صفوۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۲، النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۴۳

آجاتے ہیں اور آرام نہیں فرماتے۔ اور آپ کے حکم سے آپ کا منادی اعلان کرتا ہے کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو وہ امیرالمومنین سے آکر کہے۔

ذمی کو اس کی مغصوبہ زمین لوٹا دی

اتنے میں حمص کا ایک بوڑھا ذمی آکر کہتا ہے امیرالمومنین! میں آپ سے اللہ کی کتاب کا فیصلہ چاہتا ہوں۔ عباس بن ولید نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ عباس بھی موجود ہیں۔ عمرؒ پوچھتے ہیں۔ عباس کیا کہتے ہو؟

عباس کہتے ہیں مجھے وہ زمین امیرالمومنین ولید نے دی تھی۔ اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی تھی۔ لیجئے یہ دستاویز ہے۔ عمرؒ نے ذمی سے کہا۔ اب تم کیا کہتے ہو؟ وہ کہتا ہے۔ امیرالمومنین میں تو اللہ کی کتاب سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ عمرؒ کہتے ہیں: اللہ کی کتاب مقدس کی پیروی کی جانی ضروری ہے۔ عباس کھڑے ہو جاؤ اور اس کی زمین اس کے حوالے کردو۔ عباس ذمی کو زمین دے دیتے ہیں[1]۔

عبدالملک کی خلیفہ کو ایک تنبیہ

ایک دن عبدالملک اپنے والد محترم کو متردد یا متردد کی طرح دیکھ کر کہتے ہیں۔ آپ کو عدل کے نافذ کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ اللہ کی قسم اگر مجھے اور آپ کو اُبلتی ہوئی دیگوں میں ڈال دیا جائے۔ تو مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں۔ ہم حق کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔ عمرؒ فرماتے ہیں۔ آرام جان! میں سرکش اونٹ کی طرح دنیا کو قابو میں کر رہا ہوں۔ میں عدل کے تمام طریقے زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ کام آہستہ آہستہ کر رہا ہوں۔ تاکہ میں بھی دنیا کے طمع سے نکل جاؤں۔ اور مجھے دیکھ کر لوگوں کو دنیا سے نفرت ہو جائے۔ اور انھیں اطمینان نصیب ہو[2]۔

عبدالملک تنہائی میں عمرؒ کو نصیحت کرتے ہیں

ایک دن عبدالملک اپنے والد کے پاس آتے ہیں۔ اس وقت عمرؒ کے پاس عبدالملک کے چچا جان مسلمۃ موجود ہوتے ہیں۔ آپ اپنے والد کو باتیں کرنے کے لئے تنہائی میں بلاتے ہیں۔ عمرؒ پوچھتے ہیں! کیا کوئی راز کی بات ہے جسے اپنے چچا جان سے چھپاتا

---

[1] : صفۃ الصفوہ ج ۲، ص ۶۵

[2] : ابن جوزی ص ۷۱

چاہتے ہو۔ فرماتے ہیں۔ ہاں! مسلمہ کھڑے ہوجاتے ہیں اور آپ اپنے والد کے ساتھ سجدہ کیا فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین! کل آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے۔ جب وہ آپ سے پوچھے گا کہ عمرؓ تو نے بدعت دیکھی تھی۔ لیکن اسے مٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یا تو نے مردہ سنت کو جلانے کی سعی نہیں کی تھی؟ عمرؓ پوچھتے ہیں۔ لخت جگر! کیا اس نصیحت پر تم کو کسی چیز نے آمادہ کیا ہے یا یہ بات اپنے دل سے کہہ رہے ہو؟ فرماتے ہیں۔ نہیں نہیں اللہ کی قسم یہ محض میرے دل کی بات ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ سے پوچھا جائے گا۔ لیکن اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ عمرؓ فرماتے ہیں۔ نورِ نظر! اللہ تمہیں بہترین جزا دے اور تم پر اپنا رحم فرمائے تم سے بڑی قوی امید ہے کہ تم خیر و صلاح کے لیے میرے سرگرم معاون ثابت ہوگے۔ میرے پیارے لاڈلے! تمہاری قوم نے خلافت میں بے شمار گانٹھیں لگا دی ہیں اور کاج پر کاج بنا دئے جائیں یعنی بڑی مشکلات پیدا کر دی ہیں اور ظلم کی بنیادیں مستحکم بنا دی ہیں۔ اور اس کے اسباب پیدا کر دئے ہیں۔ اور جب میں ان سے ان کے مقبوضات واپس لینے کے لئے جھگڑتا ہوں تو مجھے ایسی پھوٹ پڑ جانے کا ڈر رہتا ہے جس سے خون خرابے کی نوبت نہ آجائے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک دنیا کا فنا ہوجانا آسان ہے۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کے ذرا سا بھی خون نکلے۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ کبھی نہ کبھی وہ مبارک دن بھی تمہارے باپ کو نصیب ہوگا جس دن وہ بدعت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں گے اور عالم کو سنتوں کے انوار سے جگمگا دیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[1]۔

عبدالملک اپنے باپ کو ہر ممکن نصیحت کرتے رہے۔ اور کبھی نصیحت سے باز نہیں رہے۔

سرکاری خزانہ میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔

ایک دفعہ آپ کو معلوم ہوا کہ امیرالمومنین نے سب کے سامنے مزاحم کو حکم فرمایا ہے کہ سرکاری خزانے میں سے اتنی رقم فلاں کو دے دی جائے تو مزاحم بولے۔ امیر المومنین یہ حق آپ کی اولاد کا ہے۔ یہ رقم آپ کی اولاد کو دے دی جائے تو بہتر ہے۔ عمرؓ

---

[1] : صفۃ الصفوہ ج ۲ ص۲۰

بولے۔ مزاحم! میں نے اپنی اولاد اللہ کے سپرد کردی ہے۔ غرضیکہ جب اس بات کی خبر عبدالملک کو لگی تو وہ لپک کر مزاحم کے پاس پہنچے۔ اور ان سے بولے مزاحم! تم خلیفہ کے بدترین وزیر ہو۔ پھر اپنے والد کے پاس جاکر کہا کہ یہ مال بیت المال میں واپس کردیا جائے اور آپ کو بُرے وزراء سے ڈراتے رہے۔ اور جب تک مال بیت المال میں واپس نہیں گیا۔ وہاں سے نہیں ہٹے[1]

عبدالملک کی نیک کاموں میں سرگرمیاں

عبدالملک اپنے والد کے دوش بدوش سرگرم عمل رہتے تھے حتیٰ کہ آپ منصوبہ معاملات میں ان کی رائے کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتے تھے۔ میمون بن مہران کہتے ہیں۔

عمرؓ نے مجھے مکحول اور ابوقلابہ کو بلا بھیجا اور پوچھا۔ تم لوگ ان مالوں کے بارے میں جو لوگوں سے ظلم سے چھینے گئے ہیں کیا کہتے ہو؟ اس دن مکحول نے ایک کمزور رائے پیش کی۔ جسے عمرؓ نے بھی ناپسند کیا۔ انھوں نے کہا میری رائے میں آئندہ احتیاط برتی جائے گی اور سابق مالوں کو سہاں رہنے دیا جائے۔ عمرؓ میری طرف دیکھتے ہیں گویا آپ مجھ سے استغاثہ کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ امیرالمومنین! آپ اپنے صاحبزادے۔ عبدالملک کو بلا لیں۔ کیونکہ وہ اس سلسلے میں ہم سے کم نہیں ہیں۔ عبدالملک فقہ اور حدیث پڑھ چکے تھے حتیٰ کہ ان کا فقہائے شام کے صفِ اوّل میں شمار ہوتا تھا۔ آپ نے پھر گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔

میمون کہتے ہیں عمرؓ نے حارث کو حکم دیا کہ عبدالملک کو بلا لائیں۔ پھر جب آپ آ گئے تو آپ نے اِن سے یہی فتویٰ پوچھا کہ تمہارا ان مالوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو لوگوں پر ظلم کرکے ان سے لیے گئے ہیں۔ اور وہ اپنی طلب کرنے کو آتے ہیں۔ اور ہمارے پاس ثبوت ہیں کہ یہ مال انھیں کے ہیں؟ عبدالملک جواب دیتے ہیں۔ میرے خیال میں تو آپ انھیں حقداروں کو واپس کردیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو غاصبوں کے غصب آپ کی بھی شرکت سمجھی جائے گی۔

---

[1] : ابن جوزی ص ۱۰۸ [2] : ابن جوزی ص ۱۰۵

عبدالملک نے بچپن ہی میں اپنا نفس مار دیا تھا۔

عبدالملک کی ایک عجیب بات یہ تھی کہ آپ نے بچپن ہی میں اپنے والد سے زیادہ اپنے نفس پر بہت زیادہ قادر تھے۔ حالانکہ عمرؓ خلیفہ تھے اور سن کہولت میں داخل ہو چکے تھے۔ لوگ کہتے ہیں ایک دن عمرؓ کو سخت غصہ آتا ہے۔ پھر جب آپ کا غصہ بجھ جاتا ہے تو آپ عبدالملک سے فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین! کیا اللہ کی رحمتوں کی اور اس کی کہ اللہ نے آپ کو یہ بلند مقام عطا فرمایا ہے اور آپ کو اپنے بندوں کا امیر بنایا ہے۔ یہی قدر و منزلت ہے کہ آپ کو اتنا شدید غصہ آتے جو اس وقت میرے مشاہدے میں آیا ہے۔ عمرؓ کہتے ہیں۔ بیٹا تم نے کیا کہا۔ ذرا پھر دہرادو۔ عبدالملک نے اپنا کلام دہرایا۔ عمرؓ کہتے ہیں۔ عبدالملک! کیا تم کو غصہ نہیں آتا؟ عبدالملک جواب دیتے ہیں کہ میرا پیٹ میرے کس کام آئے گا؟ اگر میں اس غصہ کو نہ لوٹاؤں۔ حتیٰ کہ غصہ ذرا سا بھی ظاہر نہ ہونے دوں!

عبدالملک کی بیماری اور موت

اس سعادت مند اور صالح بچہ کو پارسائی گھلاتی رہی اور دبلا کرتی رہی۔ حتیٰ کہ یہ انتہائی لاغر ہو گیا اور سمٹ گیا اور پھر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ جب کہ ابھی انیس سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اور اسے اپنی موت کی مسرت تھی۔ عبدالملک سے عمرؓ کو بڑی محبت تھی۔ عمرؓ ان کی عیادت کے لئے جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ بیٹا کیا حال ہے؟ عبدالملک والد سے اس ڈر سے کہ انہیں صدمہ نہ ہو اپنا حال چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں الحمد للہ میں اچھا ہوں۔ لیکن مرض کا اور مریض کا حال عمرؓ کے سامنے تھا۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ میرا بیٹا اپنی موت سے خوش ہے۔ اس لئے آپ نے ان سے کہا! بیٹا مجھ سے اپنی طبیعت کے بارے میں صحیح صحیح بات بتاؤ۔ کیونکہ تمہارے بارے میں مجھے تمہاری موت ہی زیادہ پیاری ہے عبدالملک بولے! میں اپنے کو موت میں پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ اجر کی غرض سے صبر کریں۔ کیونکہ آپ کے لئے اللہ کا ثواب مجھ سے بہتر ہے۔ یہ سن کر باپ کا دل بیٹھ گیا۔ پھر عمرؓ یہ کہتے ہوئے چلے گئے بیٹا! اللہ کی قسم! میری میزان میں تمہارا ہونا مجھے اس سے زیادہ پیارا ہے کہ تمہاری میزان میں میں ہوں۔ اور نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں آپ کو آپ کے پاس مزاحم نے عبدالملک کی موت کی خبر دی اور عمرؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اولاد عمرؓ میں سب سے زیادہ متقی عبدالملک ہی تھے

عمرؓ کی بہت اولاد تھی یعنی بارہ بیٹے تھے۔ عبدالملک، عبدالعزیز، عبداللہ، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، بکر، موسیٰ، ولید، عاصم، یزید، زبان اور تین بیٹیاں تھیں۔ امینہ، ام عمارہ اور ام عبداللہ لیکن

سب سے زیادہ متقی عبدالملک ہی تھے۔ اور باپ کو نصیحت کرنے میں بھی بڑے دلیر تھے۔ گویا ساری اولاد میں وہی سب سے افضل تھے۔ پھر جب وہ فوت ہو گئے اور عمرؓ ان کی تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہو گئے۔ اور قبر ہموار کر چکے تو آپ ان کی قبر اور قبلہ کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ اور آپ کے چاروں طرف لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: بیٹا! تم پر اللہ اپنا رحم فرمائے۔ تمہاری پیدائش موجب مسرت رہی۔ اور تمہارا اٹھان نیکیوں سے بھرپور رہا۔ مجھے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ میں تجھے آواز دوں اور تم میری اولاد پر لبیک کہو۔ یعنی مجھے تمہارے لئے ذراسی تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ آج مجھے تم کو اس جگہ رکھ کر جس جگہ تم کو اللہ تعالیٰ نے لوٹایا ہے۔ بے انتہا مسرت ہے اور تمہارے بارے میں مجھے اللہ سے جو حصہ ملنے والا ہے اس کی بہت زیادہ توقع ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگذر فرمائے اور تمہارے نیک عملوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور تمہاری برائیاں مٹا دے اور اللہ تمہارے لئے ہر دعا کرنے والے پر اپنا رحم فرمائے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، حاضر ہو یا غائب اور مرد ہو یا عورت۔ یعنی جس نے خلوص سے تمہارے لئے دعا کی ہے۔ ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی ہیں اور اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ اور اللہ رب العلمین کا بہت بہت شکر ہے۔

تعزیت کے لئے آنے والوں کا شکریہ

پھر عمرؓ عبدالملک کی قبر سے واپس ہوئے۔ لوگوں کو ان کی موت کا بڑا صدمہ تھا۔ اور سب کو انتہائی دکھ تھا۔ لوگ رہتی دنیا تک ان پر افسوس کرتے رہیں گے۔ اور ان کے لئے رحمت کی دعائیں مانگتے رہیں گے۔ پھر جب آپ اپنے گھر آ گئے تو لوگ تعزیت کے لئے آنے لگے۔ آپ نے ان کے سامنے صبر کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔ جو چیز عبدالملک پر اتری اسے ہم جانتے تھے۔ اور جب وہ واقع ہو گئی تو ہمارے لئے اجنبی اور انوکھی نہ تھی[1]

عزم صادق

عبدالملک کے فوت ہوتے ہی مظالم کے خلاف عمرؓ کی بھٹی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور اب کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اسے بجھائے یا اس کی آگ سرد کر دے اور آپ کی سرگرمئی عمل اس قدر بڑھی جیسے خون پینے والا لشکر اپنے سامنے والے تمام دشمنوں کا خون پی جاتا ہے۔ مگر ہنوز اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ آپ کے اس مبارک زمانے کو مسلمان صدیق اکبر کے

---

[1] : البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۸۱، العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۸، ابن الحکم ص ۱۱۶
صفوۃ الصفوہ ج ۲ ص ۳۰

زمانے سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے مرتد ہونے والوں سے جنگ کی تھی اور کہا کرتے تھے۔ کہ ارتداد کے زمانے میں خلفاء میں افضل ابوبکرؓ ہیں۔ اور بنی امیہ کے غصب کئے ہوئے مقبوضات کو واپس دلانے کے زمانہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ اور مظالم کے خلاف سب سے پہلے عمرؒ کے غصہ کی آگ سلگانے والے آپ کے غلام مزاحم ہیں۔ اور آخر میں اس آگ کو بھڑکانے والے آپ کے فرزند عبدالملک ہیں۔ عمرؒ ان اصلاحات سے کبھی نہیں رُکے۔ حتیٰ کہ آپ نے پہرے داروں کو حکم دے دیا تھا کہ اگر میں حق سے ادھر ادھر جھکوں تو تم مجھے روک دو۔ اور اگر میں غلط کروں تو تم میری رہنمائی کرو۔ آپ نے اپنے حفاظتی دستے کے افسر عمر بن مہاجر سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم مجھے حق سے ہٹا ہوا دیکھو تو تم میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ہلا کر کہو عمرؒ کیا کر رہے ہو۔ عمرؒ برابر حق پر چلتے رہے۔ اگر عمر بن مہاجر آپ کو حق سے ہٹا ہوا پاتے تو یقیناً آپ کا گریبان پکڑ کر آپ کو جھنجوڑ دیتے اور کبھی نہ چھوڑتے۔[1]

ذوق وکسب

علم وفقہ اور ادبی اور غنائی ذوق عمرؒ کے احساس میں اضافہ کرتے رہے اور اسے تیز تر بناتے رہے چنانچہ آپ وہ مظالم دیکھ کر گھبرا گئے جن میں لوگ مبتلا تھے۔ بھلا اس کے لئے جو علم میں درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مظالم میں ایسے موقف پر کھڑا رہے جس موقف پر جاہل کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

عمرؒ کے دامن میں دو چیزیں جمع تھیں

اگر بعض علماء نے لوگوں کے حقوق واپس دلانے کے خلاف فتوے دینے پر قناعت کی تو اس لئے کہ وہ ان کے واپس دلانے پر قادر نہ تھے۔ مگر عمرؒ کے دامن میں فقیہہ اور حکومت دو چیزیں جمع تھیں۔ اگر ایک طرف وہ عالم وفقیہ تھے تو دوسری طرف امام مسئول بھی تھے۔ اس لئے ان کے لئے مظالم کا لوٹانا ضروری تھا۔ پھر ایک ایسے شخص کے لئے جس کا ذوق بھی لطیف ورقیق ہو اور اسے اپنے فن میں مہارت بھی ہو۔ حتیٰ کہ وہ ایسے سر بھی ایجاد کرسکتا ہو۔ جو اس کے ذہن کے بلند معانی کے مطابق ہوں۔ یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے آس پاس کے لوگوں

---

[1]: النجوم الزاہرہ ج ۲، ص ۲۷۵

[2]: صفۃ الصفوہ ج ۲، ص ۹۲

کے مظالم کا احساس نہ کرے اور ان کے دکھوں پر اس کا دل نہ کڑھے۔ لیکن عمرؓ ان تمام باتوں کے باوجود ایک طویل مدت تک محض چھوٹے فقہ سے ہی آشنا رہے جس سے لوگ مسائل فیصلے اور احکام معلوم کرتے ہیں۔ پھر اس کے ذریعہ لوگوں کو فتوے دیتے ہیں تاکہ انھیں بھی یہ مسائل معلوم ہو جائیں مگر اس فقہ کی کوئی قیمت نہیں۔ اگرچہ اس نوع کا فقہ اور عالم تمام علماء اور فقہا کے پیش پیش ہو۔ جب تک لوگوں کے دل اس سے اس طرح متاثر نہ ہوں جس طرح شعراء کے شعروں سے اور حکماء کے مقولوں سے متأثر ہوتے ہیں۔ اور جب تک اس پر لوگ انصار و جوارحین کی طرح رضا کارانہ عمل پیرا نہ ہوں۔

اصحاب عمرؓ

اچھے لوگوں کی صحبت بھی بسا غنیمت ہے۔ اس سے اس کا لقیہ اور تقدیر نکھر آتی ہے۔ اور طرح چھانی و پھٹکی جاتی ہے اور اسے انتخاب رائے کا موقع مل جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے عمرؓ کو ایسے صالح رفقاء عطا فرمائے تھے۔ جو راہِ حق پر آپ کی معاونت میں سرگرم رہتے تھے۔ اور آپ کو تربیت دیتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے تربیت حاصل کر لی۔ عمرؓ نے ہمیشہ انھیں اپنے چاروں طرف اور اپنی راہ میں دیکھا۔ اور انھیں مدینہ میں بھی پایا اور مصر و شام میں بھی اور انھیں بچپن میں بھی پایا اور ہوشیاری کی عمر میں بھی۔ اور جوانی میں بھی پایا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ آپ نے ان کی بات مانی اور انھوں نے آپ کی بات مانی اور نیکیوں کی تجارت کی۔ سب سے قریبی حلقہ جو آپ کو گھیرے ہوئے تھا اس میں آپ کا غلام مزاحم آپ کا بھائی سہل اور آپ کا بیٹا عبدالملک۔ یہ سب شامل تھے۔ یہ دائرہ آپ پر دن بدن تنگ ہوتا جارہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان حضرات کی موت سے یہ دائرہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔ اور متاثر ہو جائے گا۔ لیکن آپ عمر بھر اسی دائرے میں بند رہے۔ گویا یہ حضرات زندہ ہیں۔

ملاقاتِ عمرؓ کی شرطیں

عمرؓ نے اپنی ملاقات کے لئے کچھ شرطیں مقرر کی تھیں جو خیر و برکت کی راہیں تھیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی فرماتے ہیں کہ عمرؓ اپنے پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے ہیں۔

میرے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں پانچ باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ وہ میری صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا رہے۔ اگر میں صحیح راہ پر چلتا ہوا نہ پایا جاؤں۔

۲۔ خیر و صلاح کے کاموں میں میرا معاون ثابت ہو۔

۳۔ مجھے ان لوگوں کے کاموں کی اطلاع دیتا رہے۔ جو اپنے کام مجھ تک پہنچا نہیں سکتے۔

۴۔ میرے پاس کسی کی چغلی نہ کھائی جاتے۔ اور

۵۔ امانت ادا کرتا رہے جو اس نے میرے اور میرے لوگوں کے درمیان اکٹھا کر رکھی ہے۔

جب اس میں یہ پانچ عادتیں ہوں تو اسے پر میری مجلس کا دروازہ کھلا ہوا ہے ورنہ میری مجلس سے چلا جاتے۔ اور میرے پاس آنے جانے سے باز رہے[1]۔

ہنوز عمرؓ نے یہ شرطیں لوگوں کو بتائی بھی نہ تھیں اور ان کے نفاذ کرنے میں راتوں کو جاگے بھی نہ تھے کہ آپ کا بازار مالا مال ہو گیا۔ اور آپ کی تجارت چل پڑی۔ اور اس میں گرمی آگئی۔ اور یہ بازار پارساؤں اور خیر خواہوں سے بھر گیا اور آپ بقول میمون بن مہران ایک بازار تھے اور منڈی میں وہی چیز لائی جاتی ہے جو اس میں چلتی ہے[2]۔

مسائل کے حل کے لئے مشورہ بہترین طریقہ ہے

عمرؓ کا یہ طریقہ قابل تعریف ہے کہ آپ مخلص خیر خواہوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس سے عقل میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور صحیح راہ مل جاتی ہے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی صاحب الرائے اور پختہ عقل والا کیوں نہ ہو۔ جب اس کے پیش نظر ذاتی فائدہ ہوتا ہے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور رسوا ہو جاتا ہے۔ یا سستی کرنے لگتا ہے اور غلطی کر بیٹھتا ہے۔ کیونکہ انسان کو اپنی ذات سے محبت اور اپنی ذلت کی طرف غلطی کی نسبت کا خوف دہشت و حیرت کا موجب ہے۔ اور یہ جب ہے جب کہ وہ خواہش کی طرف نہ جھکے۔ ممتاز و قابل اشخاص بھی اس بات سے محفوظ نہیں کہ اپنے نفس کے لئے ان کی رائیں عقل کو چھوڑ کر خواہش کے زمرے سے ہوں۔ اور ان کے فکر دل میں گڑبڑ نہ ہو۔ اور ان کی رائیں صحیح ہوں۔ لیکن جب کسی کی رائے دوسروں کی رایوں سے مختلف ہوگی تو وہ ان دونوں کے عیبوں سے محفوظ رہے گا۔ اسی لئے عمرؓ کی رائے صحیح و سالم ہی ہوا کرتی تھی[3]۔

عمرؓ کے ممتاز مصاحب

مدینہ والوں میں عمرؓ کے بہترین مصاحب عبیداللہ بن عبداللہ

---

[1] : ابن جوزی ص۹۴

[2] : ابن جوزی ص۸۴ ، ریاض النفوس ج ۱ ص۹۹

[3] : العوامل والشوامل ص۱۴۴

بن عتبہ تھے۔ ابن عتبہ کثرت سے یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

ابن لی فکن مثلی او ابتغ صاحباً
کمثلک انی مبتغ صاحباً مثلی

"میرے لئے دنیا سے کٹ کر مجھ جیسا بن جا یا اپنے لئے اپنے مثل کوئی ساتھی تلاش کر لے۔ میں بھی اپنی مثل کوئی ساتھی تلاش کر لوں گا۔

عزیز اخائی لا ینال مودتی
من القوم الا مسلم کامل العقل

مجھے بھائی بنانا سخت دشوار ہے۔ لوگوں میں میری محبت کامل عقل والا ہی کر سکتا ہے۔

وما یلبث الاخوان ان یتفرقوا
اذا لم یؤلف روح شکل الی شکل

اور جب انسان کی روح انسان کی روح سے نہیں ملتی۔ تو بھائی بھائی بھی جدا ہو جاتے ہیں۔

ابن عتبہ عمرؓ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل میں ان کی عظیم محبت جوش مارتی رہتی تھی۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے عبید اللہ کی ایک مجلس نصیب ہو جائے تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے پیاری ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں عبید اللہ کی ایک رات میں سرکاری خزانہ سے ایک ہزار دینار میں خرید لوں گا۔ لوگ بولے! امیر المومنین! یہ کیا آپ فرما رہے ہیں۔ جب کہ آپ سرکاری خزانہ میں بڑے محتاط ہیں۔ اور اس کی شدت سے حفاظت کرتے ہیں۔ فرمایا! تمہاری عقلیں کہاں گئیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کی رائے خیر خواہی اور ہدایت سے سرکاری خزانہ میں کروڑوں روپیہ جمع کر دوں گا۔[1]

آپ کے ایک مصاحب محمد بن کعب قرظی مدنی کوفی بھی ہیں۔ جو بڑے پارسا اور متقی تھے آپ لطیف حس کے مالک تھے اور جلیل القدر و ثقہ تھے اور علم و صلاح سے آراستہ تھے[2] اور مدینہ میں

---

[1]: عیون الاخبار ج ۳ ص ۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۰
[2]: شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۶

آپ کے اصحاب میں سے تھے۔ پھر دونوں میں کچھ رنجش ہو گئی تھی۔ پھر عہدِ خلافت میں زاہد ہونے کے بعد عمرؓ نادم ہوئے کہ انہوں نے یہ کہہ کر (ابن کعب! چراغ کی طرح بنو تو جلو۔ اور دوسروں کو روشنی پہنچاؤ۔) ابن کعب کا دل دکھایا تھا۔ آپ یہ خیال کر کے برابر پچھتاتے رہے آخر کار انھیں بلا بھیجا کہ ملک شام آکر مجھ سے مل لیجئے۔ معلوم ہوا کہ آپ جہاد کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے سرحدوں کے حاکم کو لکھا کہ ابنِ کعب کو میرے پاس آنے دو۔ اور انھیں زادِ راہ بھی فراہم کر دو۔ آخر کار قرظی بنوامیہ کی کراہت کے باوجود ملک شام عمرؓ کے پاس پہنچے۔ بنوامیہ حجاز کے خطبا اور اربابِ حجت کو ملک شام میں آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کہ کہیں شام والوں میں ان کی وجہ سے فساد نہ پڑ جائے۔ لیکن قرظی عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمرؓ کو ایک غیر معہود ہیئت میں دیکھا۔ عمرؓ نے کہا۔ ابن کعب! جب آپ نے مجھے مدینہ میں نصیحت کی تھی تو میں نے آپ کو تلخ جواب دیا تھا۔ میں اس پر نادم ہوں اور اپنے قصور کی معافی چاہتا ہوں۔

قرظی بولے۔ امیرالمومنین! اللہ آپ کو معاف فرمائے اور آپ کی لغزش سے درگذر فرمائے۔ پھر قرظی بار بار کثرت سے عمرؓ کو دیکھتے ہیں۔ اور آپ کے چہرے پر بار بار نگاہیں ڈالتے ہیں۔ عمرؓ پوچھتے ہیں۔ ابن کعب! تم میرے اندر کیا انوکھا پن پاتے ہو۔ بولے! بار بار دیکھ کر تعجب کر رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ وہ دل فریب رنگ، وہ خوبصورت بال، وہ بھرا بھرا بدن کہاں گیا؟ عمرؓ بولے اگر میرے دفن کئے جانے کے تین دن بعد مجھے دیکھو۔ تو تمہاری حیرت کی انتہا نہ رہے۔ یہ جسم مٹی سے بنا ہے۔ اور مٹی ہی بن جائے گا۔

قرظی عمرؓ کے لئے ایک تربیت دینے والے کی اور ان کے حال کی منٹ منٹ کی خبر رکھنے والے کی طرح تھے۔ اور قرظی کی عمرؓ کے ساتھ تواریخ دو واقعات ہیں۔ قرظی نے عمرؓ کے اخلاق و صفات میں سابق کی بہ نسبت بڑا تفاوت پایا۔ اور آپ کے دلی رجحانات بھانپ لئے۔ اور آپ انھیں ترازو میں تولتے رہتے تھے۔ اور منفعت پر خیر کے پلہ کو جھکا ہوا رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ عمرؓ آپ کی رہنمائی میں اور آپ کے ہاتھ میں سیدھے سیدھے رکھتے تھے۔

قرظی عمرؓ سے کہا کرتے تھے آپ کے اندر عقل کے ساتھ ساتھ جہالت بھی ہے۔ اس لئے آپ جہالت کا عقل سے علاج کرتے رہا کیجئے۔ اور ان حضرات کو بھائی بنا لیجئے جو دین و خلوص میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ اور انھیں بھائی نہ بنائیے جو صرف اپنی ضرورت کی حد تک بھائی رہتے ہیں اور جب ان کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے تو اخوت کا تعلق توڑ ڈالتے ہیں اور جب آپ نیکی کا کوئی ارادہ

لگائیں تو اس کے حسن پرورش پر کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں[1]

ایک دس سالہ بچے کی عمرؒ کے سامنے تقریر

قرظی کے آنے کے زمانے میں دمشق میں خلافت کی مبارک بادی دینے کے مختلف شہروں سے وفد آتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا وفد حجازیوں کا آیا تھا۔ حجاز کو آپ کی خلافت سے بڑی مسرت تھی۔ اس وفد میں ایک بچہ بھی تھا۔ جس نے کھڑے ہوکر کچھ کہنا چاہا۔ عمرؒ نے اسے دیکھا تو چھوٹا خیال کر کے اس سے کہا۔ گفتگو تم میں سے کوئی بڑا شخص کرے۔ بچہ بولا۔ امیرالمؤمنین! انسان اپنے دو چھوٹے اعضاء ہی سے انسان ہے۔ یعنی دل سے اور زبان سے پھر جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بولنے والی زبان اور حفاظت کرنے والا دل عطا فرما دے تو گویا اللہ تعالیٰ نے کلام کے لیے اسے چن لیا۔ اور گفتگو کرنے کا حق دار ہے۔ اگر کاموں کا مدار عمر پر ہوتا تو یہاں ایسے حضرات بھی ہیں جو آپ کی بہ نسبت آپ کی مجلس کے زیادہ حق دار ہیں۔ عمرؒ نے فرمایا۔ تو نے ٹھیک کہا۔ اچھا تو گفتگو کر کیونکہ یہ سحر حلال ہے۔ بچہ بولا۔ امیرالمؤمنین! ہم مبارک بادی کے لئے آئے ہیں۔ بخشش کے لئے نہیں اور نہ ہم کسی چیز کی رغبت لے کر آئے ہیں۔ اور نہ ڈر کر آتے ہیں۔ کیونکہ ہم آپ کے زمانے میں ان چیزوں سے بے خوف ہیں جن کا ہمیں ڈر رہتا تھا۔ اور ہم نے اپنی مطلوبہ چیزیں پالی ہیں۔ پھر یہ بچہ خلیفہ سے دہشت زدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ خلیفہ نے اس کی عمر پوچھی تو دس سال بتائی گئی۔

قرظی کی برمحل ایک نصیحت

عمرؒ اس بچہ کی مختصر تقریر سن کر خوش ہوئے۔ اور وجد میں آ گئے اور اس قدر جھومے کہ گرنے کے قریب ہو گئے۔ قرظی تاڑ گئے کہ فلاں چیز عمرؒ کو وجد میں لائی ہے۔ اور انھوں نے عمرؒ کا چہرہ دیکھا تو کھلا ہوا تھا۔ اور دمک رہا تھا کیونکہ بچے نے آپ کی تعریف کی تھی۔ قرظی نے اس فخر کو توڑنے اور طرب کو ٹھنڈا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور بولے امیرالمؤمنین قوم کی جہالت آپ پر غالب آکر آپ کو اپنی نفس کی معرفت نہ بھلا دے۔ اور آگ کے گڑھے میں نہ گرا دے۔ کیونکہ بعض لوگوں کو تعریف دھوکے میں ڈال دیتی ہے۔ اور وہ شکر سے پھولے نہیں سماتے۔ آخرکار ان کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ اللہ کی پناہ کہ آپ ان میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس امت کے سلف ہی میں

---

[1]: عیون الاخبار ج ۳ ص ۲

شامل رکھے۔ یہ سن کر عمرؓ کا رنگ بدل گیا۔ اور آپ کا غرور پاش پاش ہو گیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ نے قرظی کی طرف دیکھا تو ان پر جلالتِ علم چھائی ہوئی تھی۔ اور حق کا غلبہ نظر آرہا تھا۔ فرمایا! اے اللہ! ہمیں واعظ سے کسی وقت بھی خالی نہ رکھنا[1]

اس بچہ کی تقریر کے بعد مقررین عمرؓ کی دربار میں تقریر کے رنگ ڈھنگ سیکھ گئے

اس کے بعد خطبا سمجھ گئے کہ عمرؓ کے سامنے کس قسم کی تقریر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں عبداللہ بن اہتم آتے ہیں۔ اور آپ کے سامنے اثنائے تقریر میں فرماتے ہیں۔ اے عمر! واقعی آپ دنیا کے بیٹے ہیں۔ آپ دنیا کے سلاطین پیدا ہوئے اور دنیا کی چھاتیوں سے دودھ پیا۔ پھر جب آپ دنیا کے حاکم بنا دیئے گئے تو آپ نے دنیا ٹھکرا دی۔ اور اللہ کی ملاقات کو اور اس کے پاس والی نعمتوں کو ترجیح دی۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کی وجہ سے ہمارے گناہ مٹا ڈالے۔ اور آپ کے باعث ہماری بے قراریاں دور فرمائیں۔ آپ آگے ہی بڑھتے رہیئے اور ادھر ادھر نہ دیکھیئے کیونکہ حق سے کوئی چیز بے نیاز نہیں بناتی[2]

عمرؓ اپنے ماموں زاد بھائی سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے۔ اور رجاء بن حیوۃ سے جو شامیوں کے سردار تھے اور کہا کرتے تھے کہ رجاء تین بے مثال شخصوں میں سے ایک ہیں اور تینوں کے صفات ملتے جلتے ہیں) نصیحت حاصل کرتے رہے۔ مذکورہ بالا تین حضرات میں عراق میں ابن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء ہیں[3]

ادیبوں میں زیاد بن ابی زیاد ندیم مجلس تھے

آپ کے رفقا میں متقی ادباء میں سے زیاد بن ابی زیاد بھی ہیں۔ ایک دن ان سے عمرؓ نے کہا۔ زیاد! میں اس میں جس میں تم داخل ہو گئے ہو۔ اللہ سے ڈرتا ہوں زیاد بولے! میں آپ پر آپ کے خوف کرنے سے نہیں ڈرتا۔ مجھے تو آپ پر اس کا ڈر ہے۔ کہ آپ کے دل میں اللہ کا ڈر نہ رہے۔

حسن بصری، رفیقِ عمرؓ

اور آپ کے ایک دوست حسن بصری تھے۔ حسن نے آپ کو بڑا خلاص

---

[1] : زہر الآداب ج۱ ص۴۰ سطر ۲

[2] : العقد الفرید ج۴ ص۹۹

[3] : النجوم الزاهره ج۱ ص۲۷۱

و موثر نصیحتوں سے گرما رکھا تھا[1]

خلفا اور حکام کو علما کی نصیحتیں

ان کی اور ان جیسے علماء کی خلفاء و حکام کو وعظ و نصیحت کرتے کرتے آوازیں بیٹھ گئی تھیں۔ لیکن وہ اس کان سنتے اور اس کان سے اڑا دیتے تھے۔ اور علماء کی نصیحتیں یاد نہ رکھتے تھے۔ علماء ملک میں خون ریزی اور قتل و فساد دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے۔ اور لوٹ مار اور زمینوں کا غصب دیکھ کر چلا پڑے تھے۔ یہ سب معزز ترین علماء تھے اور خلفاء کو دنیا سے بے رغبتی دلایا کرتے تھے۔ اور انھیں لوگوں کے مال و جان سے ڈرایا کرتے تھے۔ عمرؒ کے ماموں کے بیٹے سالم نے آپ کو ظالم حکام کو معزول کرنے کی جرأت دلائی۔

عمر سالم سے سیرۃ فاروقؓ معلوم کرتے ہیں

عمرؒ نے ایک خط میں ان سے فاروق اعظمؓ کی سیرت پوچھی۔ سالم نے انھیں جواب میں لکھا۔ آپ نے مجھ سے فاروق اعظمؓ کی سیرت اور مسلمانوں اور ذمیوں کے فیصلوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ فاروق اعظم نے اللہ کی ان پر رحمتیں ہوں ایک ایسے زمانے میں حکومت کی جس میں اور آپ کے زمانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ مجھے امید ہے اگر آپ فاروقؓ اعظم جیسے شاندار کارنامے انجام دیں گے۔ تو آپ کا اللہ کے نزدیک بہت اونچا مرتبہ ہوگا[2]

اقارب و اجانب سب نیک حضرات آپ کے درباری تھے

عمرؒ نے اقارب کی مصاحبت پر ہی قناعت نہیں کی اور آپ سب سے خلافت کے تمام یا بعض مسائل میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید غیروں کے پاس وہ چیز مل جائے جو اپنوں کے پاس نہیں۔ یا شاید انہیں کوئی اپنا ڈر کی وجہ سے اظہار حق پر قادر نہ ہو سکے۔ اور غیر اسے ظاہر کر دے۔

عمر کو زمانے کا فساد معلوم تھا

عمرؒ کو زمانے کا فساد معلوم تھا۔ اور یہ بھی کہ ڈر کی وجہ سے علماء کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہ جاہل اپنی جہالت

---

[1] : البیان والتبیین ج ۳ ص ۹۶

[2] : ابن جوزی ص ۱۳۱

پر جم گئے ہیں اور علمائ سے پوچھتے نہیں۔

عمر کا ایک شامی عالم سے شکوہ عمرؒ ایک شامی عالم کو اپنی موجودہ حالت لکھتے ہیں اور اس سے شکوہ کرتے ہیں کہ خیر و صلاح پر ہاتھ بٹانے والے مفقود ہیں۔ اِس لئے مجھے آپ کی رائے سے مدد کی ضرورت ہے۔ وہ آپ کو جواب میں لکھتے ہیں کہ مجھے امیرالمومنین کا حکمنامہ موصول ہوا اور مسائل خلافت میں آپ کی الجھنوں کا اور مخلص خیر خواہوں کے نہ ملنے کا علم ہوا اور اس کا بھی کہ آپ کو میری اعانت کی ضرورت ہے۔ دیکھئے! آپ ایک ایسی دنیا کے خلیفہ ہیں جو بوسیدہ ہے۔ اور جس میں پہلوں کے مٹے ہوئے کھنڈرات باقی ہیں۔ آج ڈر کے مارے علماء خاموش ہیں۔ اور جاہل اپنی جہالتوں پر اڑے ہوئے ہیں۔ اور علماء سے پوچھتے نہیں کہ آپ نے اِن چیزوں میں جن کا اللہ نے مجھ پر انعام فرمایا ہے میری اعانت کی درخواست کی ہے۔ لہٰذا خبردار آپ مجرموں کے مددگار نہ بنیں۔[1]

اکابر کی برکتیں مسلمۃ بن عبدالملک کا عقیدہ تھا کہ حق تعالٰی شانہٗ اِن جیسے بزرگوں کی وجہ سے مدد فرماتا ہے۔ اور اِن کے اشاروں سے بارش بھیج دیتا ہے۔ عمرؒ ان اکابر سے بچپن ہی سے متاثر تھے۔ اِس لئے آپ کو کبھی موقع ملتا خود بھی لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ اور خاص طور سے آپ سے پہلے جو خلفاء گذرے ہیں انھیں اپنے مواعظ حسنہ اور وصیتوں سے مستفید فرماتے رہتے تھے۔ سابق خلفاء نازک موقعوں پر عمرؒ ہی سے مسائل حل کرایا کرتے تھے۔

عمرؒ کی مجلس علما ہی کے لئے مخصوص تھی عمرؒ نے علماء کو اپنے قریب رکھا اور دوسرے لوگوں کو پاس نہیں آنے دیا۔ پہلے خلفاء کے پاس ہر قسم کے لوگ جمع رہتے تھے۔ پھر جب عمرؒ کے ہاتھ میں خلافت آئی تو یہ لوگ منتشر ہو گئے۔ اور عمرؒ نے انھیں اپنے سے دور ہی رکھا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ایک ایسے شخص کے بارے میں آپ سے گفتگو کی جو عمرؒ کا مصاحب تھا۔ پھر عمرؒ نے اِسے الگ کر دیا تھا۔ اور اسے اپنی مجلس میں پھر کبھی نہیں بلایا تھا۔ عمرؒ نے جواب دیا کہ ہم نے اسے اس طرح چھوڑ دیا جیسے مہین و دبیز منقش ریشم کو چھوڑ دیا۔[2] عمرؒ نے یہ اچھا ہی کیا کیونکہ لوگوں پر اور ان کی جائیدادوں پر سلاطین

---

[1]: الخراج لابی یوسف ص۱۱۴ ، ص۲ : ابن جوزی ص۲۴

اور لوگوں کی لائی ہوئی مصیبتیں سلاطین کے مصاحبوں ہی کی طرف سے آتی ہیں۔

عہدِ عمرؓ میں مواعظ کا بازار گرم تھا

عمرؓ کا بازار مواعظ سے بھرپور رہتا تھا۔ اور اس میں بے شمار علماء فقہا اور پارسا حضرات جمے رہتے تھے۔ اور اپنے مواعظ کو نظم و نثر میں پیش کرتے رہتے تھے۔

علماء کے مواعظ

حسن بصری فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین! دیکھئے غور و فکر خیر کی اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور بُرائی پہ ندامت برائی چھڑا دیتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں۔ امیرالمومنین! اللہ سے ڈرتے رہئیے اور عوام کے لئے اپنے دروازے کھول دیجئے اور دربانوں کو نرم بنا دیجئے اور مغصوبہ جائیدادیں واپس کرا دیجئے اور مظلوموں کی مدد فرمائیے۔

سالم بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ آپ سے پہلے وہ لوگ تھے کہ جو کچھ عمل کر گئے اور حق کو جس قدر دبانا تھا۔ دبا گئے۔ اور باطل کو جس قدر ابھارنا تھا۔ ابھار گئے۔ حتی کہ باطل ہی کے زمانے میں بچے پیدا ہوتے۔ اور جوان ہو کر انہوں نے اسی کو سنت سمجھا۔ انھوں نے اللہ کے بندوں پر فراخی اور سہولت کے دروازے بند کر دئے۔ اور اللہ نے ان پر مصائب و آفات کے دروازے کھول دئے۔ اس لئے آپ لوگوں پر مقدور بھر نرمی اور سہولت کے دروازے کھول دیں۔ کیونکہ اگر آپ سہولت کا ایک دروازہ کھولیں گے۔ تو اللہ تعالےٰ آپ پر بلا کا ایک دروازہ بند کر دے گا۔[1]

عمرؓ زیاد بن ابی زیاد سے کہتے ہیں۔ زیاد! تم میری وہ مصیبت نہیں دیکھتے جس میں میں پھنس گیا ہوں۔ وہ بولے۔ امیرالمومنین! مصیبت کا ذکر نہ کیجیے بلکہ ایسی تدبیر سوچئے کہ آپ اس سے صحیح وسالم نکل جائیں۔ یعنی اپنے قویٰ ایسی تدبیر میں صرف کیجئے۔ جو آپ کو بے داغ نکال کر لے جائیں۔ زیاد عرض کرتے ہیں امیرالمومنین! اگر کسی شخص کا ایک جھگڑالو دشمن ہو تو اس کا کیا حال ہوگا؟ عمرؓ بولے اس کا بُرا حال ہوگا۔ پوچھا۔ اس کے دو جھگڑالو دشمن ہوں تو؟ فرمایا اس کا پہلے سے بھی زیادہ بُرا حال ہوگا۔ پوچھا۔ اگر تین ہوں تو؟ فرمایا۔ اِس کا تمام عیش ہی کرکرا ہو جائے گا۔ زیاد بولے! امیرالمومنین! اللہ کی قسم! امتِ محمدیہ کا ہر شخص آپ سے جھگڑا کرنے والا ہے۔

---

[1] : ابن جوزی ص۱۳۰

یہ سن کر عمرؒ دیر تک روتے رہے۔ حتیٰ کہ زیادہ کو خیال آیا کہ کاش! میں نے عمرؒ سے یہ بات نہ کہی ہوتی[1]

بڑا فقہ

سچ پوچھو تو عمرؒ کے پاس ان لوگوں سے زیادہ فقہ اور قوتِ گویائی تھی یا کم از کم ان کے مثل تو تھی ہی۔ لیکن آپ نے اس سے اسقدر فائدہ نہیں اٹھایا جس قدر قناعت سے اور ایذا کے رکنے سے فائدہ اٹھایا۔ جب آپ کو ان دونوں کا علم ہوا تو وہ فقہ بھول گئے جسے جانتے تھے۔ اور آپ نے اس سے بڑا فقہ سیکھ لیا۔ میمون بن مہران کہتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا، جب میں مدینہ سے نکلا تو کوئی مجھ سے زیادہ عالم نہ تھا۔ پھر جب شام آ گیا تو سب کچھ بھول گیا[2]

جدید فقہ کی کرنوں نے قدیم فقہ دبا لیا

آپ اس لئے بھول گئے کہ آپ نے اپنے نفس کے اندر قناعت کا اثر دیکھا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ آپ نے کس طرح ایذا سے رکنے کا فعل انجام دیا۔ اور آپ نے ان دونوں کو جدید فقہ قرار دیا۔ جب آپ نے اسے جان لیا۔ اور اس کے نفع کا بھی آپ کو یقین ہو گیا۔ تو اب آپ اسے لوگوں کو سکھانے لگے۔ ایک بچہ حریث بن عثمان اپنے باپ کے ساتھ آپ کے پاس آنکلے ہے عمرؒ غلام کے باپ سے پوچھتے ہیں۔ اسے کیا سکھا رہے ہو؟ بولے فقہ۔ فرمایا! اسے بڑا فقہ سکھاؤ۔ بولے۔ بڑا فقہ کیا ہے؟ فرمایا! قناعت کرنا اور ایذا سے باز رہنا۔[3]

عامل کی شرطیں

عمرؒ بن عبدالعزیز کے پاس خلافت اس حال میں نہیں آئی کہ آپ مسائلِ خلافت سے بے خبر اور بے بہرہ تھے۔ بلکہ آپ تمام فرد فردی مسائل سے باخبر اور آگاہ تھے اور قریبی واقفیت رکھتے تھے۔ اور اس کے تمام حالات کو پہچانتے تھے۔ اور آپ نے ہر بیماری کی دوا تیار کر رکھی تھی۔ اور کاموں کو اس حال پر نہیں چھوڑا تھا کہ وہ حسب سابق جاری رہیں۔ جب سے حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی ہے۔ اسی وقت سے آپ نے یہ اہتمام فرمایا کہ آپ صالح حکام سے مدد لیں۔ اور ان کے بارے میں لوگوں کے مشورے

---

[1] : ابن جوزی ص ١٣٩

[2] : تذکرۃ الحفاظ ج ١ ص ١١٣

[3] : ابن جوزی ص ٢٢٩

سُنیں۔

عمرؒ کسی عہدے کے رئیس کو خود چنا کرتے تھے۔

آپ کسی کو حاکم نہ بناتے تھے جب تک اس کا ظاہر و باطن آزما نہ لیتے تھے۔ پھر جب آزمانے کے بعد آپ کو اطمینان ہو جاتا تھا تو اسے حاکم مقرر فرما دیا کرتے تھے جو عدالت میں سخت اور سچے اور رعایا پر نرم اور شفیق ہوتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں متضاد نہیں۔ لوگوں کو آزمانے کے اور انھیں منتخب کرنے کے ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہتی تھی۔ کہ ایک شخص کو وہی کام سونپا جا سکتا تھا جس کی اس میں صلاحیت ہوتی تھی اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہوتی تھی۔

عمرؒ حکام و عمال کو ڈراتے بھی رہتے تھے

خلیفہ بننے کے بعد سب سے پہلے عمرؒ نے مسلمانوں کی تاریخ میں حکاموں اور عاملوں کو ڈرایا۔ فرمایا لوگو! اللہ کی قسم! میں نے کبھی یہ کام نہ پوشیدہ طور سے مانگا اور نہ ظاہر کر کے۔ اگر کوئی شخص میرے خلیفہ بننے کو ناپسند کرتا ہو تو اب ظاہر کر دے آپ کی اس بات سے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور اس طرح آپ نے لوگوں کو ڈرایا۔ ایک شخص بولا۔ سبحان اللہ خلفاء اربعا خلیفہ بنائے گئے۔ لیکن انھوں نے یہ الفاظ نہیں فرمائے اور عمرؒ یہ الفاظ فرما رہے ہیں۔[1]

انتخاب حکام کے دو مختلف نظریے

خلفاء عمر بن عبدالعزیز سے پہلے ایسے حکام منتخب کرتے تھے جو ظلم ڈھانے پر قادر ہوں۔ حتیٰ کہ اسلامی دنیا ایک عظیم اخلاقی مصیبت میں پھنس گئی تھی اور اسی میں ایک زمانے تک کروٹیں لیتی رہی۔ پھر اس اخلاقی گراوٹ کے نتیجہ میں محض علم و دانش عالی عہدے تک پہنچنے کا ایک واحد سبب تھا اور یہ انسان کا سب سے افضل جال سمجھا جاتا تھا۔ لیکن عمرؒ نے علم و معرفت کے ساتھ ایک اور لازمی شرط قرار دے دی تھی۔ اور وہ یہ کہ حاکم کو ایک بہترین و صالح نمونہ بن کر عوام میں رہنا ہوگا۔ یا بہترین نمونہ بننے کے لئے اور اچھی حالت کے لئے خود کو تیار کرنا ہوگا۔

قاضی اور عامل

آپ کی رائے میں قاضی میں مندرجہ ذیل پانچ خوبیوں کا پایا جانا لازمی

---

[1] العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۳

تھا۔

۱۔ سنت کا عالم ہونا۔
۲۔ بردبار و باوقار ہو۔
۳۔ صابر اور منکسر المزاج ہو۔
۴۔ پاک دامن ہو اور
۵۔ اہم مسائل میں مشورہ کرنے والا ہو۔

اگر یہ پانچ خوبیاں کسی میں جمع ہوں تو پھر وہ قاضی بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک خوبی میں بھی خلل ہو تو اس میں عیب ہے۔ آپ انھیں لوگوں میں سے قاضی منتخب فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے زمانے میں اصابت رائے اور تقویٰ میں قاضیوں کا طبقہ ضرب المثل ہے۔ یہ لوگ معرفتِ عدالت میں ماہر ہوتے تھے۔ اور اس کے پابند ہوتے تھے۔ اور راتوں کو جاگ کر عدالت کے طریقے محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ عمرؒ دور کے اور قریب کے قاضی یکساں مقرر فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ دُور کے قاضی کو منتخب کرنے میں اس کی احتیاط برتا کرتے تھے اور آزمائے بغیر کسی کو قاضی مقرر نہ فرماتے تھے۔

عمرؒ نے ابن مغیرہ کو افریقہ کا قاضی کیوں بنایا؟

لوگوں کا کہنا ہے کہ جب خلافت سلیمان کے پاس آئی تو اس نے اپنے ایک معتمد آدمی کو خراج وصول کرنے پر مقرر کیا۔ اور افریقہ کے حاکم عبداللہ بن موسٰی بن نصیر کو لکھا کہ قیروان کے دس آدمی اس مال کے ساتھ بھیجے جائیں۔ جو گواہی دیں کہ مال صحیح صحیح طریقے سے جمع کیا گیا ہے۔ پھر جب یہ دس آدمی اس مال کے ساتھ سلیمان کے پاس پہنچتے ہیں تو سلیمان ان سے پوچھتا ہے۔ کیا یہ مال صحیح صحیح طریقہ سے وصول کیا گیا ہے؟ نو اشخاص میں جواب دیتے ہیں۔ پھر سلیمان ان سے دیگر باتیں پوچھنے لگتا ہے۔ اور یہ جواب دینے لگتے ہیں۔ مگر ان میں ایک آدمی خاموش رہتا ہے۔ عمرؒ اس مجلس میں موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ بات دیکھتے ہیں پھر جب وہ واپس ہوتے ہیں تو عمرؒ اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو خاموش رہا تھا۔ لوگ کہتے ہیں یہ عبداللہ بن مغیرہ ہیں بڑے دیندار، فاضل اور متقی ہیں۔ اور لوگوں نے آپ کو یہ بھی بتایا کہ آپ اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ آپ نے عہد کر لیا ہے کہ صحیح اور حق بات ہی بولیں گے۔ عمرؒ نے ابن مغیرہ کی یہ ادا بہت پسند کی اور انھیں یاد رکھا۔ پھر جب

عمرؒ برسر اقتدار آئے تو عبداللہ بن مغیرہ کو افریقیہ کا قاضی مقرر فرما دیا۔ کیونکہ آپ نے ان میں تقویٰ، ثقاہت اور علم و معرفت دیکھا تھا۔ اسی طرح آپ نے سمح بن مالک خولانی میں ولید بن عبدالملک کے پاس امانت و دیانت دیکھی تھی۔ اس بنا پر آپ نے انھیں اندلس کا حاکم مقرر فرما دیا[2]

بلال بن ابی بردہ جب آپ کو کسی شخص کے بارے میں کچھ معلومات ہوتیں تو اسی کے بارے میں آپ برابر تحقیق کرتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو پورا پورا اعتماد حاصل ہو جاتا تھا۔ پھر آپ اس کا تقرر فرمایا کرتے تھے۔ اور اگر اعتماد حاصل نہ ہوتا تھا تو تقرر نہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کسی کو حاکم یا قاضی از راہ عنایت مقرر نہ فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ افضل کو مقدم کیا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ آپ کے خاندان کا نہ ہو۔ یا آپ کے رفقاء میں سے نہ ہو یا غیر عرب کا ہو

مشتبہ اشخاص کی کرید عمرؒ بڑے ہوشیار و چالاک تھے۔ لیکن چالاکی آپ پر غالب نہ تھی۔ عموماً آپ کو یہ خیال آتا رہتا تھا کہ کہیں آپ لوگوں کے ظاہری حالات سے دھوکہ نہ کھا جائیں۔ لہٰذا آپ مشتبہ لوگوں کے پیچھے کرید کرنے والوں کو لگا دیا کرتے تھے تاکہ وہ آپ کے پاس ان کی مخصوص خبریں لائیں۔ تاکہ آپ کو ان کی طرف سے اطمینان ہو جائے کہ صحیح ہیں یا غلط۔ سب سے پہلے عمرؒ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے بلال بن ابی بردہ کو مسترد کیا۔ اور ان کی پول کھولی۔ پھر انھیں بھگا دیا۔ اور اپنے کسی کام میں ان سے یا ان کے گھر والوں میں سے کسی کی مدد نہیں لی۔ (بلال ابو موسیٰ اشعری کے خاندان کے ہیں)

بلال بن ابی بردہ کوئی ایک ہوشیار، ذہین، ذکی اور دانش مند آدمی تھے۔ ان کا ظاہر اچھا تھا اور بظاہر دیندار بھی تھے۔ لیکن ان کا باطن بہت برا تھا۔ یہ چاپلوس لالچی اور تیزی سے باطل کی طرف لپکنے والے تھے۔ یہ خناصرہ میں عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو ان الفاظ میں خلافت کی مبارک باد دی۔ امیرالمومنین! اگر کسی کو خلافت سے شرف حاصل ہوا ہو تو آپ سے خلافت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور اگر کسی کو خلافت سے زینت ملی ہو۔ تو آپ سے خلافت کو زینت ملی ہے۔ آپ اللہ کی قسم! اسی طرح ہیں جس طرح مالک بن اسماء نے

---

۱ : ریاض النفوس ج ۱ ص ۸۲

۲ : ابن الاثیر ج ۵ ص ۲۶

کہا ہے ؎

وَمتزیدین طیب الطیب طیباً
ان تمسین این مثلک اینا

اے محبوبہ! تو سب سے زیادہ خوشبو میں بسے ہوئے شخص میں یہ خوشبو بڑھادیتی ہے۔ تیرا مثل کہاں ہے؟ کہیں نہیں۔

واذا الدر زان حسن وجوہ
کان للدر حسن وجہک زینا

اور جب موتی چہروں کا حسن دوبالا کر دیتے ہیں تو تیرے رخِ انور کا حسن موتیوں کی زینت ہوتا ہے۔

بلال کی آزمائش عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پھر یہ مسجد میں جاکر ایک تھم کے پاس لگاتار نوافل پڑھتا رہا۔ عمرؓ نے علاء بن مغیرہ بن بداء سے کہا اگر اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح ہو تو یہ واقعی عراق کا اہل ہے اور چھوڑنے کے لائق نہیں۔ علاء بولے ابھی میں آپ کے پاس اس کے حالات لاتا ہوں۔ چنانچہ علاء ان کے پاس جاتے ہیں اور انھیں مغرب وعشا کے درمیان نماز پڑھتا ہوا پاتے ہیں۔ کہتے ہیں جلدی نماز سے فارغ ہو جائیے۔ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ چنانچہ وہ فارغ ہو کر آپ کے پاس آتے ہیں۔ علاء کہتے ہیں آپ کو امیرالمومنین کی نگاہ میں میرا مرتبہ معلوم ہی ہے۔ اگر میں عراق کی حکومت کے لئے امیرالمومنین کے سامنے آپ کا نام پیش کردوں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ بلال کہتے ہیں۔ میں آپ کو اپنی ایک سال کی تنخواہ دے دوں گا جو دس لاکھ کی رقم ہوتی ہے۔ بولے! آپ لکھ دیجئے۔ بلال تیزی سے گھر گئے اور دوات اور کاغذ لے آئے اور تحریر لکھ دی۔ علاء عمرؓ کے پاس یہ تحریر لے آئے۔ جب آپ نے یہ تحریر دیکھی تو آپ نے کوفہ کے حاکم کو لکھ دیا۔ امابعد! دیکھو بلال نے اللہ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیا اور قریب تھا کہ ہم اس کے فریب میں آجاتے۔ لیکن ہم نے اسے پگھلا کر دیکھا تو اس میں سراسر کھوٹ پایا۔ والسلام

عمرؓ فریبیوں کی چالوں میں نہ آتے تھے عمرؓ پر فریبیوں اور مکاروں کے ہتھکنڈے اثر نہ کرتے تھے جب کبھی آپ کو کسی مکار کا کوئی مکر

لہ: الکامل للمبرد ج ۱، ص ۲۶۸

اور کسی فریبی کا کوئی فریب معلوم ہوتا تھا تو آپ اس کے حالات کی کرید میں لگ جاتے تھے۔ تاکہ اس کی جہالت سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ایک دفعہ خراسان سے ایک شخص آپ کے پاس آتا ہے۔ اور آپ سے کہتا ہے۔ امیرالمومنین! میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے۔ جب بنی امیہ کا اشج برسراقتدار آئے گا تو زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ جیسے وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ ولید برسراقتدار آیا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا کہ ولید اشج (زخمی) نہیں ہے۔ پھر سلیمان برسراقتدار آیا تو وہ بھی ولید کی طرح تھا۔ پھر آپ برسراقتدار آئے لہٰذا اشج آپ ہی ہیں۔ عمرؓ نے اس شخص سے پوچھا کیا تم قرآن پڑھے ہوئے ہو؟ بولا ہاں! فرمایا قسم اس کی جس نے تمہیں قرآن کی نعمت بخشی۔ کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا ہاں! پھر عمرؓ بن عبدالعزیز نے اسے مہمان خانے میں ٹھہرا لیا۔ یہ شخص تقریباً دو مہینے یہاں ٹھہرا رہا۔ پھر عمرؓ نے اسے بلا کر کہا جانتے ہو ہم نے تمہیں کیوں روکا ہے۔ بولا! نہیں۔ فرمایا۔ ہم نے آدمی بھیج کر تمہارے شہر میں تمہارے بارے میں تحقیقات کرائی ہے۔ اور تمہارے بارے میں تمہارے دوست دشمن سب ہی کی ایک رائے ہے۔ پھر وہ بات کی تہہ کو پہنچ کر واپس ہو گیا جیسے فریب میں عمرؓ کے آگے کسی کی دال نہیں گلتی تھی۔ اسی طرح گڑبڑ اور نادانی کا حال تھا۔ ایک دفعہ آپ کو آپ کے کسی عامل نے لکھا ہمارے پاس ایک جادوگرنی لائی گئی ہم نے اسے پانی میں ڈال دیا لیکن وہ پانی پر تیرنے لگی اور ڈوبی نہیں۔ آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

عمرؓ اسے جواب میں لکھتے ہیں ہمیں پانی سے کیا تعلق؟ اگر جادو کا ثبوت ہو تو سزا دی جائے۔ ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے۔[1]

عدالت کی صورت

عمرؓ نے عدل کی تعریف اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا لی تھی

عمرؓ کو یقین تھا کہ آپ تنہا سیاست حکومت پر قادر نہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ خواہ عدل کی کتنی ہی سر توڑ کوشش کی جائے پھر بھی ایسا عدل ناممکن ہے جس

---

[1] العقد الفرید ج ۱ صفحہ ۴۳۳، صفحہ ۴۳۷

میں غلطی کی گنجائش نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے عدل کی ظاہری صورت اور ظاہری مفہوم پر اپنے لئے اور اپنے قاضیوں کے لئے قناعت نہیں کی۔ اور ماہر تجربہ کاروں سے عدل کے بارے میں پوچھتے رہے۔ اور یکے بعد دیگرے ہر طریقہ کا تجربہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ عدل کو اپنے دل میں چھان پھٹک کر جا لیا۔ جو واضح نمایاں اور چیک دار کناروں والا تھا۔ اور آپ سے کسی لمحہ کے لئے بھی اوجھل نہ ہوتا تھا۔ آپ نے ابن کعب سے عدل کا حلیہ پوچھا تو انھوں نے اس کا حلیہ اس طرح بیان کیا۔ آپ چھوٹے مسلمانوں کے حق میں باپ، بڑوں کے سلسلے میں بیٹے اور ہم مثلوں کے بھائی بن جائیں۔ اور لوگوں کو ان کے قصوروں کے مطابق ان کے جسموں کا لحاظ کرتے ہوئے سزا دیں۔ اور اپنے ذاتی انتقام میں کسی کے ایک کوڑا بھی نہ ماریں۔ ورنہ آپ زیادتی کریں گے۔ اور اللہ کے پاس زیادتی کرنے والوں میں شمار کئے جائیں گے۔[1]

عمرؒ اور اصحاب عمرؒ کے نزدیک عدل عدل میں کوئی فرق نہ تھا۔ حکمی عدل میں جس کا نفاذ قاضی کرتا ہے۔ اور اجتماعی عدل میں جو امام کا کام ہے۔ ان کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا۔ اور اگر دونوں کا وجود ہو تو دونوں ایک دوسرے کی ٹیک ہیں اور ایک دوسرے کی بنیادیں مضبوط کرتے ہیں۔ اسی لئے ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور ان سے اکٹھا ہی سوال کیا جاتا ہے۔

وقوعِ عدل

عدل کا وقوع اس طرح ہوتا ہے کہ جو احسان کا مستحق ہے۔ اس کے ساتھ احسان کیا جائے۔ اور جو سزا کا مستحق ہے اسے سزا دی جائے اور ہر قصور کی سزا کا ایک اندازہ مقرر ہو۔ یہ نہ ہو کہ تمام مجرموں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جائے۔ پھر درمیانی راہ اختیار کی جائے نہ تو زیادتی ہو اور نہ کمی ہو اور عدل میں عربی یا غیر عربی سب برابر ہیں۔ جس طرح قرظی نے عدل کی تعریف کی تھی۔ اسی طرح عمرؒ نے اس پر عمل کیا۔ یہی عدل ہے۔ رہی نظریات میں عدل کی تصویر تو یہ نہ تو قرظی جیسے عالم کا وظیفہ ہے اور نہ عمرؒ جیسے حاکم و امام کا۔

عدل یہ بھی چاہتا ہے کہ شبہہ کا فائدہ مجرم کو پہنچے

عدل میں یہ بھی ہے کہ شبہہ کی وجہ سے حد ہٹا دی جائے یہ مقدمات عدل کا ایک حکم ہے۔ کیونکہ اس میں ایک لچک ہے کہ لوگ ظلم و دکھ سے بچ جائیں اور مجرموں پر شفقت کا بھی اعتبار رہے کہ وہ اسراف و زیادتی سے محفوظ رہیں۔ اسی لئے شبہہ سے حد ہٹا دینا

---

[1] : ابن جوزی ص۱۱

موجب خیر ہے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی سے فیصلہ میں اجتہادی غلطی بھی ہو جائے تو پھر بھی شبہ سے حد کا ہٹا دینا محلِ عدل ہے۔ اِس سلسلے میں عمرؓ اپنے عمال وقضاۃ کو لکھتے ہیں: جہاں تک ہو سکے حدوں کو شبہات سے ہٹا دو۔ ہر شبہ میں یہی کرو کیونکہ حاکم کا معافی میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ آپ نے اس مسئلے میں اپنے نانا فاروق اعظمؓ کا طریقہ اختیار کیا تھا۔[۱]

عدل سے ہٹی ہوئی چیزیں یہ عدل نہیں کہ دعویداروں کو ان کے دعووں کے مطابق ہمیشہ حقوق دیئے جائیں کیونکہ اکثر غنڈے جھوٹے موٹے دعوے بھی کر دیتے ہیں۔ قاضی کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ اس کے سامنے لایا جائے تو اس کی صحت و غلطی سمجھنے کی کوشش کرے تا کہ غلط فیصلہ کرنے سے بچ جائے۔ بہت سے دعویداروں کے حق میں آگ کے ٹکڑوں کا غیر شعوری طور پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ عمرؓ نے ایک لالچی کی درخواست مسترد کر دی۔ کیونکہ اِس کا لالچ آپ کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ سلیمان کی موت کے بعد عمرؓ کے سامنے عنبر کا ایک بڑا ڈلا لایا گیا۔ ایک شخص اس بات کا منتظر تھا کہ کب یہ ڈلا عمرؓ کے سامنے پیش ہو۔ اور میں ان سے رقم وصول کروں۔ پھر جب یہ ڈلا عمرؓ کے سامنے لایا گیا تو اس شخص نے کھڑے ہو کر کہا امیرالمومنین! یہ میرا عنبر ہے۔ عمرؓ نے پوچھا! اس کا کیا قصہ ہے؟ بولا! میں نے اسے سلیمان بن عبدالملک کو سات ہزار میں فروخت کیا تھا۔ حالانکہ یہ ۱۰ ہزار سے بھی زیادہ کا ہے۔ عمرؓ نے کہا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔ کیا انھوں نے تجھے ڈرایا تھا؟ بولا! نہیں۔ فرمایا! کیا انہوں نے تجھ پر جبر کیا تھا یا تجھ سے زبردستی چھینا تھا؟ بولا! نہیں۔ پوچھا! پھر کیا بات ہے؟ بولا! امیرالمومنین میرا عنبر ہے۔ عمرؓ نے حکم دیا کہ مقدمہ کی تاریخ ڈال دی جائے۔ تاکہ تحقیق ہو سکے۔ اِس عنبر میں اس کا حصہ معلوم نہیں ہوتا۔

اجرائے احکام عمرؓ کی نگاہ میں عدالت کا کوئی فائدہ نہیں جب تک قاضی ناقابلِ تسخیر قوت کا اور نہ ٹوٹنے والے غلبہ کا مالک نہ ہو۔ اور یہ انتہائی ضروری ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہر چیز پر نافذ ہو۔ حتیٰ کہ امام و بادشاہ پر بھی۔ دراصل فیصلہ ایک مقدس کام ہے گویا وہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ جب عمرؓ کے پاس حلوان سے ایک مصری آکر

---

[۱] : المرشد ج۲ ص ۱۲۹

عرض کرتا ہے کہ آپ کے والد عبدالعزیز نے مصر پر اپنی ولایت کے زمانے میں میری جائیداد غصب کر لی تھی۔ اور اس نے عمرؒ کو ڈانٹا بھی۔ عمرؒ اس کے لئے نرم ہو گئے اور اس سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کر سکے۔ آپ نے اس حلوانی کو سمجھایا کہ مجھ سے شریفانہ جھگڑ۔ اور میری ذاتیات پر حملہ نہ کر۔ کیونکہ اس جائیداد میں میرے ساتھ میرے بہن بھائی بھی شریک ہیں۔ اگر میں قاضی کے فیصلے کے بغیر یہ جائیداد لوٹا دوں تو میرے بہن بھائی راضی نہ ہوں گے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے جا۔

قاضی نے دونوں کے بیانات سن کر مصری کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ عمرؒ نے کہا ہم نے جائیداد پر دس لاکھ درہم خرچ کیے ہیں۔ قاضی نے غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ بقدر خرچ آمدنی بھی ہو گئی ہے۔ اور جائیداد واپس کرا دی۔ عمرؒ نے کہا۔ قاضی صاحب اللہ تعالٰے آپ کو برکت عطا فرمائے۔ اور آپ نے خود کھڑے ہو کر وہ زمین مصری کو دے دی۔

عدل کی تکمیل کب ہوتی ہے

عدل مکمل نہیں ہوتی جب تک احکام نافذ نہ کرائے جائیں۔ اور حقوق پر قبضہ نہ دلوایا جائے۔ اگر قاضی کسی حقدار کے حق میں فیصلہ کر دے۔ اور حق دار اپنے حق پر قبضہ نہ کر سکے۔ تو ظلم اس سے ہٹا نہیں۔ اور حق ضائع ہونے سے محفوظ نہیں ہوا۔ ان دونوں باتوں میں حاکم سے باز پرس ہو گی۔ اور لوگ حاکم ہی کو برا کہیں گے۔ عمرؒ ان تمام باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شخص کا پرچہ آتا ہے جو اپنے بیٹے کے ظلم کی شکایت کرتا ہے۔ آپ اسے لکھتے ہیں اگر میں اس سے انصاف کے ساتھ تیرا حق نہ دلواؤں تو میں ہی ظالم ہوں۔[1]

نفاذ احکام میں نرمی مناسب ہے

عمرؒ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ احکام کا نفاذ نرمی اور ملائمت سے ہو اور قصوروار کو اپنے قصور کا احساس بھی ہو اور حکمناموں کے نفاذ میں تاخیر نہ کی جائے۔ اور ان پر سالہا سال گذر جائیں اور ان کا نفاذ ہی نہ ہو۔ شروع میں عبدالملک بن عمرؒ کو بھی یہ طریقہ ناپسند تھا۔ اور انھوں نے اپنے والد کو ابھارا تھا کہ آپ بلا کسی پس و پیش کے احکامات جاری کریں۔

---

[1]: المرشد ج ۱ ص ۱۲۹

[2]: العقد الفرید ج ۱ ص ۲۰۹

اور عمرؓ نے انھیں جواب دیا تھا۔ بیٹا میرا نفس میری سواری ہے۔ اگر میں اس سے نرمی سے پیش نہ آؤں تو وہ مجھے منزل تک نہ پہنچائے گی۔ اگر میں اپنے نفس کو اور اپنے معاونین کو تھکا دوں تو تھوڑی دیر تو وہ چلے گا۔ پھر میں اور میرے ساتھی گر جائیں گے۔ اگر حق تعالےٰ شانہٗ دفعتاً تمام قرآن پاک اتارنا چاہتا تو اتار دیتا۔ لیکن آیت کر کے قرآن اتارا گیا۔ تاکہ ایمان لوگوں کے دلوں میں جم جاتے اور جڑیں پھیلا لے۔ اگر میں ایک دن میں ان تمام کاموں کو جمع کر لوں تو مجھے اپنے اوپر انتشار کا خوف رہے۔ البتہ میں ایک ایک آدمی کا فیصلہ کروں گا۔ تاکہ وہ فیصلہ اس تک پہنچے۔ اور اس کے لئے مفید ثابت ہو۔ پھر اگر حق تعالےٰ یہ کام پورا کرنا چاہے گا تو پورا کر دے گا۔ ورنہ بندے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے سلسلے میں لوگوں کو معلوم کرا دے کہ میرا بندہ اپنی تمام رعایا میں انصاف پسند کرتا ہے[1]۔

عمرؓ کے خیال میں قاضی کو فیصلہ میں جلدی کرنی چاہیئے جب اس پر حق کا ثبوت ہو جائے اور وقوعِ ظلم پر یقین ہو جائے۔ قاضی کے علم و یقین کے ہوتے ہوئے دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا کہ یہ فقہ کے خلاف ہے۔ فقہ کے نام سے اور موادِ قانون کے نام سے باطل کی مدد کرنا ہے۔ عمرؓ کے پاس کوئی ایسا جھگڑا جسے وہ تفصیل سے پہلے نہ جانتے ہوں۔ اور اس پر انھیں یقین نہ ہو نہیں آیا۔ اس لئے آپ نے اس کا فوراً فیصلہ فرمایا۔ جیسا کہ آپ نے ولید کے بیٹوں کے مقدمات کے سلسلے میں جنہوں نے حمص والوں پر ظلم کیا تھا۔ فوراً فیصلہ فرمایا[2]۔ ابوالزناد فرماتے ہیں؛ عمرؓ بن عبدالعزیز ظلم سے لی ہوئی چیزیں حقداروں کو بلا قطعی ثبوت کے ادنیٰ سے ثبوت پر قناعت کرتے ہوئے لوٹا دیا کرتے تھے۔ جب آپ کسی شخص پر ظلم کئے جانے کی وجہ پہچان جایا کرتے تھے۔ تو اس کی چیز اسے دلوا دیا کرتے تھے۔ اور اسے تحقیق ثبوت پر مجبور نہیں کیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ سابق خلفاؑ لوگوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ بلکہ بلا کسی دباؤ کے اسے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ تاکہ یا تو وہ اقرار کر لے۔ یا انکار کرتا ہے تو قسم کھا لے۔ ایک دن آپ کو عدی بن ارطاۃ نے لکھا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں لوگوں کو قید سے سزا دیا کروں۔ تاکہ وہ اقرار کر لیں۔ اس کے جواب میں عمرؓ نے انھیں لکھا اما بعد مجھے

---

[1] : ابن جوزی ص۱۰۶

[2] : حیٰوۃ الحیوان ج ص۶۹

انتہائی حیرت ہے کہ تم نے مجھ سے لوگوں کو سزا دینے کے بارے میں اجازت مانگی ہے گویا میں اللہ کے عذاب سے تمہاری ڈھال ہوں اور گویا میری رضا تمہیں اللہ کی ناراضی سے بچالے گی۔ لہٰذا غور کرو جس پر ثبوت قائم ہو جائے۔ اسے ثبوت کی وجہ سے پکڑ لے اور جو اقرار کرلے اسے اقرار کی وجہ سے پکڑ لو۔ اور جو انکار کرے اس سے عظمت والے اللہ کی قسم کھلواؤ۔ پھر اگر وہ قسم کھائے تو اسے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم اگر لوگ اپنے جرموں کے ساتھ اللہ سے ملیں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ان کے خونوں کے ساتھ اللہ سے ملوں۔ والسلام۔

پھر جیسے آپ کے خیال میں علم کے وقت حکم میں جلدی واجب تھی۔ اسی طرح دلیل کے ظہور کے وقت بھی جلدی واجب تھی اگر قاضی کے پاس علم بھی نہ ہو اور دلائل بھی نہ ہوں تو اس کا فرض ہے کہ مقدمہ کی تحقیق و کرید کرے۔ حتیٰ کہ اس پر اس کے دلائل ظاہر ہو جائیں اگر پھر بھی دلائل ظاہر نہ ہوں تو مقدمہ عمرؒ کے پاس بھیج دیا جاتے۔ تاکہ آپ کوئی رائے قائم کر سکیں۔

یہ جلدی ہر مقدمہ میں واجب تھی جس میں قطع یا قتل کی حد نہ ہو۔ اگر حد ہو تو اس کا عدم نفاذ واجب تھا۔ جب تک اسے خلیفہ کے پاس بھیج کر خلیفہ سے تبادلہ خیالات نہ کر لیا جائے۔ جیسی بات عمرؒ نے ولید کو سمجھائی تھی۔ لیکن اس نے نہ مانی۔ پھر جب آپ برسر اقتدار آتے تو آپ نے اس پر عمل کر کے دکھایا[۲]۔ اور غیر حدود والے مقدمات میں آپ نے قاضیوں کو اجازت دے دی تھی کہ مجھ سے مشورے کے بغیر ہی لوگوں کے حقوق انہیں لوٹا دیتے جائیں۔

سابق خلفا کے عہد میں فیصلوں کے نفاذ میں تاخیر

عمرؒ سے پہلے یہ رواج تھا کہ اگر حقوق لوٹانے ہوتے تو وہ نہیں لوٹائے جاتے تھے۔ جب تک ان پر ایک زمانہ نہ گزر جاتا۔ اور انھیں لوٹائے جانے کی مسرت ختم نہ ہو جاتی یا ان سے ناامیدی نہ ہو جاتی۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ اسے اس کا حق مل جاتا جب تک اس کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جاتا اور اس کی کھال فنا نہ ہو جاتی۔ کیونکہ اس میں ایک طویل زمانہ گزر جاتا تھا کہ

---

[۱]: ابن عبدالحکم ص۱۲۹، ابن جوزی ص۹۰ ص۸۴ العقد الفرید ج۱ ص۳۴ الخراج لابی یوسف ص۱۱۹
[۲]: تاریخ الامم الاسلامیہ ج۲ ص۱۸۴

کاتب کاتب کو لکھتا۔ پھر کاتب عامل کو لکھتا۔ پھر عامل خلیفہ کو لکھتا۔ معاملہ نیچے سے اوپر تک پہنچتا۔ پھر اوپر سے نیچے تک آتا۔ جب عمرؓ نے یہ معاملہ دیکھا تو آپ کے دل پر یہ دیری اور تاخیر گراں گذرتی۔ ایک دفعہ آپ کا ایک عامل عبدالحمید بن عبدالرحمٰن مقدمات میں بار بار آپ سے تبادلہ خیالات کرتا رہا۔ آپ نے اسے لکھا مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں تم کو لکھتا کہ کسی شخص کو ایک بکری دے دو تو تم یقیناً مجھے لکھتے کہ بکری دے دوں یا بکرا؟ اگر میں نر یا مادہ کی تعین کر دیتا۔ تو تم لکھتے کتنی عمر کا جانور دوں؟ اگر میں عمر کا بھی تعین کر دیتا تو تم لکھتے دنبہ دوں یا بکرا؟ جب میں تمہیں لکھوں تو فوراً اس کی تعمیل کرو۔ اور مجھ سے۔ اس کی پوچھ گچھ نہ کرو۔ والسلام۔[1]

قسم قسم کے حکمے

عمرؓ نے کوئی خاص مقام فیصلوں کے لئے مقرر نہیں کیا تھا جہاں آپ جاتے قاضی بن جاتے اور آپ کے سایہ میں عدالت چلا کرتی تھی۔ آپ لوگوں کے شکوے بیت الامارت میں بھی سن لیا کرتے تھے اور اپنے رہائشی گھر میں بھی اور مسجد میں بھی۔ اور خطبہ کے وقت بھی اور منبر پر بھی اور آرام کے وقت بھی۔[2]

اسلامی زمانوں کی طرح آپ کے زمانے میں بھی قاضی منفرد ہوا کرتا تھا۔ آپ نے قاضیوں کی کوئی جماعت مقرر نہیں کی تھی کہ وہ سب مل کر فیصلہ کریں۔ لیکن آپ نے منفرد قاضی کو لغزش سے محفوظ رکھنے کی تدبیر بتا دی تھی کہ وہ اہل علم سے مشورہ کر لیا کرے اس لئے منفرد قاضی میں کوئی عیب خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ اس کی لغزش کا خطرہ تھا جب کردہ احکام تن تنہا صادر کرے۔

جب قاضی اپنی رائے پر مطمئن ہو جاتا تو اس پر حکم نافذ کرنا واجب ہو جایا کرتا تھا۔ یہ اس صورت میں جب اسے سابق میں کوئی رہنما مثال نہ ملی ہو۔ یا فقہ میں کوئی دلالت کرنے والی چیز نہ ملی ہو۔ اور مشورہ کرنے کے بعد عاجز آ گیا ہو۔ اور مشورہ دینے والے بھی کوئی قطعی رائے دینے سے عاجز آ گئے ہوں۔

عاملوں کی دیکھ بھال

عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے عاملوں کو راستہ بتا دیا تھا کہ وہ

---

[1] : العقد الفرید ج ۲ ص ۳۴۷

[2] : البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۷۱

اپنی رائے سے انہیں مستحکم کر دیا تھا۔ اور انھیں آزادی رائے دے دی تھی جب وہ اپنے ہم نفسوں پر بھروسہ کریں اور عدل کریں۔ اور انھیں لوگوں کے احوال کا اتنا علم بھی ہو جو نہ صرف رائے پر بلکہ افضل رائے چننے پر ان کی مدد کرے۔ اپنے عاملوں اور قاضیوں کے بارے میں یہ اعتماد عدالت کی تحقیق کے سلسلے میں ان کے تقوے اور اجتہاد کا داعی تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ان کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اور آپ نے ان میں خفیہ آدمی چھوڑ رکھے تھے۔ اور جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ اس لئے ان میں سے ہر ظالم و ستمگر کے لئے سزا ہے اور ہر ٹھوکر کھانے اور غلطی کرنے والے کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔

غلطی کرنے والوں کے لئے فرط ملامت

غلطی کرنے والوں کے لئے سخت زجر و توبیخ اور ملامت عمرؓ کی پہلی سزا تھی۔ جو خطا کار عامل کے حصہ میں آتی تھی۔ اگر وہ اس کے باوجود بھی بیدار نہ ہوتا تو عمرؓ اسے معزول کر دیا کرتے تھے۔ عمرؓ نے عدی بن ارطاۃ کو کوفہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ایک دفعہ ان سے کوتاہی ہو گئی۔ عمرؓ نے انہیں لکھا امابعد تو نے مجھے اپنی سیاہ پگڑی سے علماء کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے اور اپنے پیچھے پگڑی کے شملہ چھوڑنے سے مجھے دھوکہ دیا اور تو نے میرے سامنے بھلائی ظاہر کی۔ اور میں نے تیرے ساتھ اچھا گمان کر لیا لیکن اللہ نے وہ باتیں ظاہر کر دیں جن کو تم چھپایا کرتے تھے۔ والسلام

سفراء کے ساتھ بھی جاسوس رہتے تھے

عمرؓ نے سفیروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو عاملوں اور قاضیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اور ان کے پیچھے جاسوس لگا دئے کہ وہ آپ کو ان کے احوال کی اطلاع دیتے رہیں۔ جب آپ نے عبداللہ بن عبدالاعلیٰ کو شاہ روم کی طرف بھیجا تو ان کے ساتھ عبس کا بھی ایک شخص کر دیا۔ پھر جانے سے پہلے آپ نے اس عبسی کو خلوت میں بلا کر اس سے کہا۔ ابن عبدالاعلیٰ کے تمام احوال یاد رکھو۔ پھر جب دونوں واپس لوٹے تو آپ نے عبسی کو خلوت میں بٹھا کر تن تنہا اس کے حالات معلوم کئے اور اس نے آپ کو تمام باتیں بتائیں [1]

حکام کا رائے عامہ کے بعد تقرر اور ان کی برطرفی

عمرؓ عوام کی رائیوں سے بھی بے خبر نہیں رہے۔ اور آپ نے قوم کے

---

[1] : الکامل للمبرد ج ۱ ص ۳۰۶ ، ابن جوزی ص ۱۸

عکم کے سلسلے میں والیوں اور قاضیوں سے رلئے عامہ کا محاسبہ ساقط نہیں فرمایا۔ اور لوگوں کو رائے میں شریک کر لیا۔ اور حج کا موسم والیوں اور قاضیوں کے اعمال ناموں کو ان پر پیش کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ تاکہ لوگوں سے مشورہ کے بعد جسے آپ چاہیں بحال رکھیں۔ اور جسے چاہیں معزول فرما دیں اور اس لئے بھی کہ حجاج واقف ہو جائیں کہ عدل میں آپ کی نیت پر خلوص ہے۔ اور وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کو آپ کی پرخلوص نیت سے آگاہ کر دیں۔ اس سلسلے میں عمرؓ نے پوری پوری طرح دوڑ دھوپ کی اور تقوے سے کام لیا۔ اور عوام کی رائے حسب مرضی معلوم کی۔

خطبہ میں اعلان کہ عمرؓ ظلم وزیادتی سے بری ہے

عمرؓ کو وہ بات آج بھی یاد تھی جو آپ نے سلیمان سے کہی تھی جب سلیمان حجاج کی کثرت دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ پھر جب عمرؓ برسر اقتدار آ گئے تو آپ نے آہستہ آہستہ چل کر موقف میں حاجیوں کو دیکھا جیسے سلیمان کے ساتھ گھوم پھر کر انہیں دیکھا تھا۔ اور سلیمان والے سال کی بہ نسبت امسال حاجی بہت دیکھے۔ تلبیہ کی آوازوں نے فضا بھر رکھی تھی اور فضا میں کثرت سے تلبیہ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ عمرؓ سخت بے قرار ہوئے اور آپ نے اطراف واکناف سے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ آپ نے اثنائے خطبہ میں لوگوں پر اپنی برأت ظاہر کی اور اللہ کو گواہ بنا کر فرمایا۔ کہ آپ کی طرف سے ظلم وزیادتی کا حکم نہیں ہے۔ نہ آپ اس کے قائل ہیں اور نہ اس سے راضی ہاں اگر غلطی سے غیر شعوری طور پر کسی پر ظلم سرزد ہو گیا ہو تو دوسری بات ہے۔ لہٰذا ہر غیر شعوری قصور کو اور غلطی کو رعایا کو معاف کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ عمرؓ ظلم وزیادتی ہٹانے کے لئے کس قدر دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ اور ان کے دل میں یہ جذبہ کس قدر سرگرم عمل ہے۔

عمرؓ کے حج کے موسم میں دو اعلان

عمرؓ نے حج کے موسم میں اعلان فرما دیا تھا کہ میں ہر مظلوم کی پناہ گاہ ہوں۔ اور مجھے چھوڑ کر کسی مظلوم کو کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں۔ اور اس حاکم کی اطاعت فرض نہیں جو حق سے ہٹ جائے اور قرآن وحدیث پر عمل پیرا نہ ہو۔ پھر عمرؓ نے ظالم حکّام کے سلسلے میں ایک نہایت خطرناک اعلان کرایا یعنی آپ نے یہ اعلان کرایا کہ میں ظالم حاکموں کا معاملہ رعایا کو سونپنے والا ہوں تاکہ وہ شرمندہ اور ذلیل ہو کر حق کی طرف لوٹیں۔ اس اعلان نے حکّام کے دل لرزا دیئے کہ ان کا معاملہ رعایا کی طرف لوٹنے والا ہے۔ تاکہ رعایا ان سے اپنے حقوق واپس لے لے۔ لوگوں کو معلوم

تھا کہ مدینہ والوں نے ہشام بن اسماعیل سے جب ولید نے اسے مدینہ سے معزول کر دیا کس طرح اپنا حق لیا تھا۔ ہر شخص اس کے پاس آ کر اپنے حق کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور اس سے اپنے ظلم کا جو اس پر کیا گیا تھا بدلہ لیتا تھا[1]۔

رعایا وہی عدل چاہتی ہے جو موجب سعادت ہو۔

رعایا وہی عدل چاہتی ہے جس سے اسے سعادت نصیب ہو۔ اور حقیقی معنی میں عدل منظوم ہی چاہتا ہے۔ لوگ عدل سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ عدل سے انھیں سعادت تونگری اور برکتیں ملتی ہیں۔ اگر عدل انہیں آسانی اور تونگری فراہم نہ کرے تو پھر انہیں عدل کی کیا ضرورت ہے؟ عمرؒ کو یہ تمام باتیں معلوم تھیں۔ اس لئے آپ نے حج کے زمانے میں اعلان کرا دیا کہ کوفہ کا پیسہ حقداروں ہی پر صرف کیا جا رہا ہے۔ اور پیسہ کی گردش فقراء کو چھوڑ کر مالداروں تک ہی محدود نہیں رہے گی۔

یہ اعلان کہ شکایتوں کے لئے سفر سے ڈرنا نہیں چاہیئے

عمرؒ کی نگاہوں سے یہ بات بھی اوجھل نہ تھی کہ رعایا حکام کی شکایت کرنے سے دو باتوں سے ڈرتی ہے۔ یا تو حکام ہی سے ڈرتی ہے یا سفر سے اور راستہ کی مشقت سے ڈرتی ہے۔ اس لئے آپ نے لوگوں کو ان الفاظ میں دعوت دی۔ اگر کوئی گھس جانے والا کسی ایسے کام میں گھس جائے جس کی اللہ نے اس میں خصوصی یا عمومی صلاحیت ودلیعت فرمائی ہے تو اسے سو اشرفیوں سے لے کر تین سو تک اشرفیاں دی جائیں گی۔ یہ رقم اسے اس کی مشقت اور خلوص نیت کو دیکھتے ہوئے مقرر کی جائے گی۔ حق تعالےٰ شانہ اس پر رحم فرمائے جو سفر کو گراں نہ سمجھے کہ اللہ اس کے ذریعے اس کے بعد والوں کا حق زندہ فرما دے۔

مذکورہ بالا اعلان سن کر لوگوں کو فرط مسرت

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے یہ دیکھا کہ لوگ آپ کی بات سن کر خاموش رہے اور اتنے خوش ہوئے کہ مسرت کے مارے احکام حج سے بھی غافل ہونے کے قریب ہو گئے۔ آپ ان کی مسرت کو سمجھ گئے اور فتنہ کا ڈر محسوس کرنے لگے۔ پھر آپ نے انتہائی جامع الفاظ میں فرمایا۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم احکام حج سے بے خبر ہو جاؤ گے تو میں حق کے سلسلے میں تم کو چند ایسی باتیں بتاتا جن

---

[1] زین العابدین للمؤلف صـ۹۳

کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہارے لئے زندہ فرما دیا ہے۔ اور باطل کے سلسلے میں بھی ایسی باتیں بتا جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تم سے مٹا دیا ہے۔ اس لئے اللہ ہی کی حمد بیان کرو کسی اور کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیتا تو میں بھی دوسروں ہی کی طرح ہوتا[1]

عمرؒ نے لوگوں کو ان کے مناسک سے بے خبر نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ حج اسی لئے فرض کیا گیا ہے کہ لوگ اپنی اصلاح کے لئے آپس میں مشورہ کریں۔ اگر ہر حاجی کی غرض اپنے جسم کی کھال میں رہتے ہوئے محض طواف و تلبیہ تک ہی محدود ہو تو اس کا کیا خاک حج ہوگا؟ لیکن عمرؒ نے ایک نئے انداز سے اپنا کلام پیش کیا۔ کیونکہ آپ نے لوگوں میں مزید وضاحت کی تڑپ پائی۔ پھر سب حاجی آپ کی فضیلت کا لوہا مان گئے۔ آپ نے انہیں اپنی سمت کی دعوت دی اور انہیں ان کے قبیلے کی طرف چھوڑ دیا۔

شکایتیں

عہد عمرؒ میں شکایتیوں کو سفر خرچ بھی دیا جاتا تھا

جب سے عمرؒ خلیفہ نامزد کئے گئے اور دار الخلافہ دمشق میں پہنچے۔ برابر آپ کے پاس شکایت کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ یہ حضرات دمشق پہنچتے اور عمرؒ جہاں جہاں جاتے وہیں آ دھمکتے۔ حتیٰ کہ ہر وقت شکایتیوں کی بھیڑ دیکھ کر عمرؒ گھبرا گئے کیونکہ قدم قدم پر حتیٰ کہ آرام و خطبہ کی حالت میں بھی شکایت کرنے والے موجود رہتے تھے۔ پھر جب آپ دیکھتے کہ ان میں سے اکثر بیچارے سفر کی تکلیفیں اُٹھا کر دور سے آئے ہیں اور انھوں نے کسی کو فریاد رس نہیں پایا کہ ان کی تکلیفیں رفع ہو جائیں تو آپ انہیں سفر کا خرچ دے کر رخصت کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ سلامتی سے اپنے اپنے گھر پہنچ جائیں اور پھر ان جیسا کوئی آپ کے پاس نہ آئے۔ یا وہ نہ آئے جس کی بے جا شکایت ہے۔

عدل ہر شخص کے پاس اس کے گھر پہنچ جائے گا

ایک دن عمرؒ نے جمعہ کو انتظار کیا تا کہ آپ نماز کے لئے تشریف لائیں۔ دمشق کی جامع مسجد کے گوشے

---

[1] ابن جوزی ص۲

شکایتی مسافروں سے بھرے پڑے تھے۔ عمرؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں۔

لوگو! میں نے یہاں تم کو بھلا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں تمہارے شہروں میں یاد رکھوں گا اگر کسی کو اپنے حاکم سے دکھ پہنچا ہے۔ اور اس نے اسے ستایا ہے وہ یہاں میرے پاس نہ آئے۔ اور جو آرام سے ہے لیے میں یہاں نہ دیکھوں اگر میں اپنی ذات کو اور اپنے خاندان والوں کو اس مال سے باز رکھوں۔ اور اس سے تم پر بھی بخل کروں تو اس صورت میں واقعی میں بخیل ٹھہروں۔ آخرکار لوگ خوشی خوشی اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ عدل انہیں راستہ ہی میں پکڑ لے گا۔

ایک جدید فن

شعراء فنی جھوٹ پر آزاد تھے

عربی اشعار نے شعرا کی طبیعتوں کو فنی جھوٹ پر آزاد چھوڑ رکھا تھا۔ شعراء مدحیہ قصائد سے امراء کا تقرب حاصل کیا کرتے تھے۔ اور باطل میں ڈوب کر ان کا قرب ڈھونڈا کرتے تھے۔ تاکہ امراء کو خوش کریں یا ان کے دِلوں سے مال کی قدر و قیمت گرا دیں۔ اور مال کو بخشش اور نیکی کے نام سے ان کے دِلوں میں حقیر ظاہر کر دیں۔ یا لوٹے ہوئے مال میں حق کے نام سے ایسا کریں مثلاً فرزدق معاویہ سے کہتا ہے ؎

ابوک وعمی یا معاوی اورثا
تراثا فاولی بالتراث اقاربہ

"معاویہ! تمہارے والد اور میرے چچا نے ورثہ پیدا کیا۔ اور ورثہ کے حقداروں میں ان کے اقارب ہی ہیں"

حالانکہ بخشش و نیکی کا یہ طریقہ نہیں۔ اور نہ لوٹے ہوئے مال کا یہ مصرف ہے لیکن خلفاء نے ان کے مصرف کا غلط طریقہ اختیار کر لیا تھا اور عہد جاہلیت کی طرح تصرف کرنے لگے تھے جیسے انہوں نے خصومات و نزاع میں بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے یہ طریقہ قطعی طور پر مٹا دیا تھا۔ لیکن یہ رسم امیہ کے سایہ میں پھر زندہ ہو گئی تھی۔ پھر عمرؓ بن عبدالعزیز

لہ: ابن عبدالحکم صفحہ ۱۵۲

نے اس کے سر پر گرز مارا جس سے اس کا بھیجا نکل پڑا اور ان کے پرسکون عہد میں یہ بجھ کر رہ گئی پھر آپ کے بعد اس نے سر ابھارا۔ جب کہ باطل کو فروغ ہوا۔ کیونکہ اب عمرؓ بن خطاب اور عمرؓ بن عبدالعزیز کے ہاتھوں کی طرح اسے مارنے والا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

عمرؓ شعرا کا مرجع نہ تھے

دمشق میں شعراء عمرؓ کے دروازے سے لوٹ گئے۔ کیونکہ آپ شعراء کے لوٹنے کی جگہ نہ تھے۔ کہ شعراء اپنے کندھوں سے شعروں کا بوجھ اتار کر ان پر پھینک دیتے۔ آپ کے پاس تو حق ہی کو جگہ ملتی تھی جو ناپید ہو گیا تھا۔ اور حق ہی کی دال گلتی تھی جس سے عالم محروم ہو گیا تھا۔ پھر عوام کی طرح شعراء بھی عمرؓ کے پاس کے لوگوں سے اسلحہ وانداز لے کر جاتے تھے اور سچائی کے ساتھ شکائتیں کرتے تھے۔ اور حق سے کھاتے تھے۔ اس طرح اشعار نے جھوٹی مدح اور غلط اقوال سے رہائی پائی۔ اور شعراء نے غزل کی ہر نوع چھوڑ دی اور ملمع سازی کا ہر رنگ ترک کر دیا۔ کیونکہ جب جریر نے عمرؓ کے سامنے شعر پڑھنے چاہے تو عمرؓ نے اس سے کہا: ابو حزرۃ! اشعار تو کہو مگر صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

عہد عمرؓ میں شعرا کے خیالات تقوے کا محور رہتے تھے

غرضیکہ اسی طرح شعراء کے افکار و خیالات، زہد، صدق اور رضا کے محور کے اردگرد گردش کرنے لگے اور لوگوں کی برائی سے رُک گئے۔ اور مذمت و ہجو کے انجام سے ڈرنے لگے۔

جریر عمرؓ کے پاس پھر پہنچا ہے۔ آپ نے جریر کو سچے شعروں کی اجازت دے دی تھی وہ آپ سے کبھی تو اپنی ناداری کا شکوہ کرتا۔ اور دیہاتیوں کے صدقات میں اپنی حرماں نصیبی کا رونا روتا ہے۔ عمرؓ اسے فقیر والا عہد دے دیتے ہیں۔ اور مظلوم کی طرح اس کی شکایت سن لیتے ہیں۔ جب ابن سعد ازدی دیہاتیوں کے صدقات کے حاکم بنائے گئے اور اس سے انہوں نے جریر کو محروم رکھا تو جریر نے ان کا ان اشعار میں شکوہ کیا۔

ان عیالی لا فواکہ عندھم
وعند ابن سعد سکر و زبیب

میرے بچوں کے پاس پھل نہیں۔ اور ابن سعد کے پاس شکر اور منقے ہیں۔

وقد کان ظنی باابن سعد سحاکۃ
وما الظن الا مخطئ ومصیب

ابن سعد کے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ مگر گمان غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی۔

وان ترجوا رزقی الیّ فانہ
متاعٌ لیالٍ والاداء قریب

اگر میرا رزق مجھے پہنچا دو تو چند دنوں کا خرچ ہے۔ اور ادا بھی قریب ہے۔

ایک شخص عمرؓ کے پاس عاملوں کی شکایت میں لکھتا ہے۔

ان الذین امرتھم ان یعدلوا
نبذوا کتابک واستحل المحترم

جن کو آپ نے عدل کرنے کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے آپ کا حکنامہ پھینک دیا اور حرام کو حلال کرلیا۔

واردت ان یلی الامانۃ منھم
بر وھیھات الابر المسلم

آپ نے چاہا تھا کہ امانت کے والی نیک ہوں۔ افسوس! نیک مسلمان کہاں ہیں؟

طلس الثیاب علی منابر ارضنا
کلٌ یقص زمیبا متکلم

ہماری زمین کے منبروں پر سبز چادریں پہنی جاتی ہیں۔ اور ہر شخص ہمارے حصہ کی کمی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

باوجودیکہ عمرؓ کے مقرر کردہ حکام عدل میں عمرؓ ہی کے نقش قدم پر تھے۔ لیکن لوگ انہیں بھی ظلم سے متہم کرنے لگے۔ اور آپ کے پاس آآ کر ان کی شکایتیں کرنے لگے دراصل لوگوں کو ایک غلط فہمی ہوتی۔ وہ یہ سمجھے کہ عمرؓ اس لیئے برسر اقتدار آئے ہیں کہ انھیں توش نصیب بنائیں اور ان پر خیر و رزق کی بارش کرتے رہیں۔ عمرؓ اس قسم کی شکایتیں تو سن لیا کرتے تھے۔

مگر انھیں کوئی اہمیت نہیں دیا کرتے تھے۔ اور اگر ضرورت سمجھتے تو اس قسم کے حضرات کی تحقیقات بھی کرالیا کرتے تھے۔ تاکہ اگر وہ عدل کے مستحق ہیں تو انھیں یہ حق ملنا چاہیئے

عدالت کے اثرات

عدالت کا کم از کم اثر یہ ہوتا ہے کہ لوگ خوش نصیب وسعادت مند ہو جاتے ہیں۔ یا اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگتے ہیں۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پائیدار امن قائم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عمرؓ کے زمانے میں جب عدالت کا دور دورہ تھا تو پورے ملک میں امن قائم ہو گیا تھا۔ اور باغیوں اور فتنہ پسندوں کا سر ابھارنا بند ہو گیا تھا۔ اور ظالم ظلم سے ناامید ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ جب خارجیوں کو عمرؓ کی سیرت کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی کہ آپ نے ظلم سے حاصل کی ہوئی جائیدادیں حقداروں کو واپس دلا دیں تو انھوں نے ایک جلسہ کیا اور اس میں یہ قرارداد پاس کی کہ ہمیں ایسے نیک و مخلص خلیفہ سے جنگ ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ان دونوں چیزوں کے علاوہ ایک اور اہم چیز باقی رہ گئی جس کا پایا جانا فرض ہے۔ اور وہ ایک ایسی چیز ہے جو لوگوں کے ذہن میں آتی بھی نہیں وہ یہ ہے کہ جب بھی عہدہ قضا کا بار قاضیوں پر بھاری ہو جائے تو انھیں اپنے عہدوں سے سبکدوش ہو جانا چاہیئے۔ اور جسے پھسل جانے کا خطرہ ہو وہ کبھی یہ عہدہ قبول نہ کرے

لوگ عہدہ قضا مشکل سے قبول کرتے تھے

عمرؓ کے زمانے میں قاضیوں میں یہی چیز پیدا ہو گئی تھی۔ جو عموماً پیدا نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ عدالت عام ہو گئی تھی۔ اور ایک مخلص چرواہے کی بیداری میں اللہ کے خوف سے تمام کارکن سرگرمی سے عمل کرنے لگے تھے۔ قاضی قضا کے عہدوں سے بھاگنے لگے تھے۔ خواہ ان میں خشیت الٰہی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قاضیوں کو اپنے فرائض کا احساس تھا۔ اور اس کا بھی کہ ان سے بازپرس کی جائے گی۔ اس لئے یہ عہدہ ان پر بھاری تھا۔ اللہ سے ڈرنے والا تو اس لئے بیدار رہتا ہے کہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے۔ اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر نہ تھا۔ وہ عمرؓ سے اور لوگوں سے ڈرنے لگا تھا۔

عمرؓ کی ایک قاضی کو ہدایت

آپ کے ایک عامل میمون بن مہران نے جو جزیرہ کے عہدہ خراج کے رئیس تھے۔ اور وہاں کے قاضی تھے اور اس عہدے سے گھبرا کر استعفیٰ دے دیا۔ آپ عمرؓ کو لکھتے ہیں۔ "میں آپ کو ایسی تکلیف دینا نہیں چاہتا جو آپ کو مصیبت میں ڈال دے۔ پاکیزہ پھل چنئے۔ اور جو حق آپ پر

منکشف ہوا۔ اس کی روشنی میں فیصلہ کیجئے۔ اگر آپ کو کسی کام میں الجھن پیدا ہو تو اسے میرے پاس لائیے۔ کیونکہ اگر کسی کام کے بھاری ہونے کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ بیٹھیں تو نہ دین قائم رہ سکتا ہے نہ دنیا[1]

ایک حاکم کو ہدایت

ایک حاکم نے آپ کو اپنی بیداری اور مشقت کی شکایت لکھی۔ آپ نے اسے لکھا۔ میرے بھائی جہنم میں اہل جہنم کی بیداری یاد کر لیا کرو۔ اور اس میں دوام کا تصور کر لیا کرو۔ کیونکہ یہ تصور تم کو تمہارے رب کی طرف لے جانے والا ہے۔ خواہ تم سوئے ہوئے ہو یا بیدار۔ خبردار! اس راہ سے تمہارے قدم نہ پھسلیں۔ اور اسی پر تمہاری آخری سانس ختم ہو۔ اور اسی پر ساری امیدیں آکر ختم ہوں۔ والسلام۔

پھر جب حاکم نے آپ کا خط پڑھا تو سفر کر کے حاضر خدمت گرامی ہوا۔ عمرؓ نے پوچھا کیسے آئے۔ بولے: آپ نے اپنے خط سے میرا دل توڑ دیا۔ میں آپ کا کبھی عامل نہ بنوں گا حتیٰ کہ اللہ سے جا ملوں[2]۔

عہدۂ قضا سے انکار کا ایک واقعہ

عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے عامل (بصرہ کے) عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ایاس بن معاویہ اور قاسم بن ربیعہ جوشنی کو بلا کر ان میں جو زیادہ فیصلہ کو نافذ کرنے والا ہو۔ اسے قاضی بنا دو۔ آخر کار عدی نے دونوں کو بلوایا۔ ہر اک یہی کہتا تھا کہ میں عالم و فقیہ نہیں اور یہ عہدے دوسرے پر ڈال دیتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ایک کو جھوٹی قسم کھانا پڑی تاکہ اس بہانے سے عہدہ قضا سے بچ جائے۔

ایاس نے عدی سے کہا۔ آپ میرے بارے میں اور قاسم کے بارے میں بصرہ کے دو مشہور عالموں حسن اور ابن سیرینؒ سے پوچھ لیجئے۔ قاسم ان دونوں بزرگوں کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور ایاس آتے جاتے نہ تھے۔ قاسم کو معلوم تھا کہ اگر عدی میرے بارے میں ان دونوں بزرگوں سے پوچھیں گے تو یقیناً دونوں مجھے بتا دیں گے۔ اس لئے

---

[1] : الخراج لابی یوسف ص۱۱۱، ابن جوزی ص۹۷

[2] حیواۃ الحیوان ج۱ ص۱۳۵

انھوں نے عدی سے کہا کہ آپ ان دونوں سے میرے اور ان دونوں کے بارے میں نہ پوچھیں۔ اس کی قسم جس کے سوا کوئی حقدار عبادت نہیں واقعی ایاس مجھ سے زیادہ فقیہ اور قضا کو جاننے والے ہیں۔ اگر اس بات میں میں جھوٹا ہوں تو جھوٹے کو قاضی بنانا لائق نہیں۔ اور اگر سچا ہوں تو تمہیں میری بات ماننا پڑے گی۔

عدی حیرت میں پڑ گئے جب کہ قاسم نے ان پر راہ کے تمام دروازے بند کر دئے آخر کار انھیں ایاس ہی کو قاضی بنانا پڑا۔ مگر ایاس کو معلوم تھا کہ ایاس نے جھوٹی قسم کھائی ہے آخر کار قاسم نے بھی قسم کھالی کہ میں ولایتِ قضا قبول نہ کروں گا۔ انھوں نے عدی سے کہا۔ عدی! تم نے ایک شخص کو لاکر جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا۔ پھر اس نے جھوٹی قسم کھاکر اپنا نفس آزاد کر لیا۔ اللہ اسے اس جھوٹ پر معاف فرماتے اور اس سے نجات دے جس سے ڈر کر اس نے جھوٹ بولا ہے۔

اس گفتگو سے عدی کے سامنے روشنی آجاتی ہے۔ اور وہ پہچان جاتے ہیں کہ ایاس نے قاسم کی گفتگو کے ماوراء کو پالیا ہے۔ اور وہ حکم و فقہ کو پہچانتے ہیں اس لئے ان سے عدی کہتے ہیں۔ ایاس جب تم قضاء کو پہچانتے ہو تو تم ہی اس کے اہل ہو اور عدی نے ایاس سے درخواست کی کہ براہ کرم آپ ہی قاضی بن جائیں[1]

عہد عمرؓ میں قاضیوں نے حکام کے لئے ہر فتنہ کا دروازہ بند کر دیا تھا

قاضیوں کے مظالم سے حکام ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب قاضی حکمران کے لئے برائی کا دروازہ کھول دیتا ہے تو اس کے لئے دوسرے دروازوں کا کھولنا عام و آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن عمرؓ کے زمانے میں حکام کے علاقوں میں ایسے قاضی تھے جو ان پر ہر فتنہ کا دروازہ بند کر دیا کرتے تھے۔ اس لئے حکام کی عادتوں میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ بلکہ عامل لوگوں کے لئے موجب بشارت ہوتا تھا۔ بشرطیکہ ان کی عملداری میں عہدہ قضا کسی متقی و پاک قاضی کے پاس ہو۔ اسماعیل بن عبید اللہ انصاری حاکم افریقہ قیروان میں جاکر لوگوں کو خوش خبری سناتے ہیں کہ تمہارے لئے عبداللہ بن مغیرہ قاضی بن کر آرہے ہیں۔ جو علم معرفت دین اور پارسائی کے پیکر ہیں۔ آپ کے قاضی بن جانے سے اسماعیل بڑے

---

[1] قصص العرب ج ۳ ص ۳۶۹ [2] ریاض النفوس ج ۱ ص ۸۱

سکے اور آپ پر فخر کیا کرتے تھے۔

ان حکام کے ساتھ ہر چیز بدل گئی۔ حتیٰ کہ عمرؒ کے زمانے کے سکے بھی بدل گئے۔ اب سکوں پر آپ کے حکم سے " امر اللہ بالوفاء والعدل (اللہ نے وفاداری اور عدل کا حکم فرمایا ہے)، لکھا جانے لگا۔[1]

عہدِ عمرؒ میں طبیعتوں میں اعتدال

اس زمانے میں طبیعت بھی عدل کی طرف لوٹ آئی تھی۔ اور عدالت پر عمرؒ کی معاون تھی۔ حتیٰ کہ دریائے نیل کا پانی بھی اعتدال پر آگیا تھا۔ یہ دریا ۹۹ھ میں ۱۹ ہاتھ چڑھ گیا تھا۔[2] بلکہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں عدل عام تھا۔ حتیٰ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گیا تھا لوگوں نے تو اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور آپ کے بارے میں ایک عجیب واقعہ بیان کرتے ہیں۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ جب عمرؒ بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے۔ تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکریوں کے چرواہوں نے پوچھا۔ وہ صالح خلیفہ کون ہیں جو آج کل برسر اقتدار ہیں؟ ان سے کہا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ کہ وہ خلیفہ صالح ہیں۔ بولے۔ جب صالح خلیفہ برسر اقتدار آتا ہے تو بھیڑیئے اور شیر ہماری بکریوں کو نہیں چھیڑتے۔ اور ہماری بکریاں محفوظ ہو جاتی ہیں۔[3]

---

[1] : ابن جوزی ص۸

[2] : النجوم الزاہرہ ج۱ ص۲۴۵

[3] : صفۃ الصفوہ ج۲ ص۶۷

سیاست

پہلا زمانہ

عہد عمرؒ سے پہلے زمانے کا تیسرا دور تھا

عمرؒ سے پہلے زمانے کا تیسرا دور تھا جس میں لوگ صالح تھے مگر حکام خراب تھے۔ پھر لوگ زمانے کے چوتھے دور میں چلے گئے اور خراب ہو گئے اور حکام بھی۔ لیکن عمرؒ نے اچانک آکر لوگوں کو زمانے کے پہلے دور کی جھلک دکھا دی۔ آپ حالت صلاح میں آئے اور امت کی ہر صلاح کو باقی رکھنے کی کوشش کی۔ کاش! آپ ہمیشہ رہتے تاکہ پہلا زمانہ برقرار رہتا۔ لیکن آپ کی عمر اور مدت خلافت مقرر تھی۔ پھر آپ کے بعد زمانہ اور لوگ چوتھے زمانے میں پستی کے دور میں چلے گئے۔[1]

عمرؒ سے پہلے خلفا کو تین باتوں کا زیادہ خیال رہتا تھا

جب عمرؒ برسراقتدار آئے تو آپ نے بادشاہوں کو تین باتوں میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا۔

(۱) تمام ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو اور سلامتی و عافیت سایہ فگن رہے۔

۲۔ وادیوں کے نشیب میں بارش ہو اور سیلاب کے پانی کا ایک قطرہ بھی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہو۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے ایک بکری بھی نہ ہٹائی جائے۔ نہ تو اسے کوئی چور پکڑ کر لے جائے اور نہ بھیڑیوں کے منہ میں جائے۔

۳۔ رعایا اور راعی میں پیار اور محبت کا تبادلہ ہو اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب راعی رعایا کے حقوق کا خیال رکھے۔ اور اس میں اپنی سعادت سمجھے۔ اور اس سعادت کے دروازوں تک بلا کلفت و مشقت کے اور شکوہ و شکایات کے پہنچ جائے۔ جب یہ باتیں واقع ہو جاتی ہیں۔ تو لوگ امام کی تعریف کرتے ہیں۔ اور حسن ثنا سے اسے یاد کرتے ہیں۔ ان تینوں باتوں پر امن و امان رعایا کی محبت اور امام کی حسن تعریف مبنی ہے اور انھیں تین باتوں سے بادشاہوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔[2]

---

[1] : الیتیمۃ لابن المقفع میں زمانے کی اقسام کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] : ابن جوزی ص۸۵

عمرؒ کا ہر صاحب خیر سے مشورہ

جب عمر برسر اقتدار آئے تو لوگوں پر علم و تجربہ کے بعد حکمرانی کرنے لگے۔ جہالت و ناتجربہ کاری کے ساتھ نہیں۔ آپ کی نگاہ ایک طویل غور و فکر کے بعد پھیلتی تھی۔ اور مستحکم تدبیر کے ساتھ اُٹھتی تھی۔ آپ غور و فکر کے بعد لوگوں پر ایک راسخ عقیدہ اور سرگرمی عمل لائے۔ اور آپ کے اپنے پاس خیر خواہ مشیر جمع کر لئے۔ اور مخلص ہمدرد و بہی خواہ آپ کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ اور آپ ہر اس شخص سے مشورہ کرنے لگے جس میں آپ خیر و صلاح دیکھتے تھے۔ اور ملک کے دُور سے دور علاقہ والوں میں کسی اس شخص سے جس میں آپ نے خیر و صلاح دیکھی ہو اور وہ صحابہ میں سے باقی ہو۔ آپ نے مدد لینے میں اور راہنمائی کرنے میں کوتاہی نہیں فرمائی۔[1]

خلافت سے پہلے عمر نے خود ہی اپنی اصلاح کی پھر لوگوں کے کام بنائے پھر رات بھر روتے رہے

جب آپ نے اپنا جسم ذاتی کمزوریوں سے پاک و صاف کر لیا تو اسی دن آپ لوگوں کی خدمت کے لئے بیٹھ گئے۔ اگر شام ہو گئی اور آپ لوگوں کے کاموں سے فارغ نہیں ہوئے تو رات بھر ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں لگے رہے۔ اور دوسرے دن شام کو فارغ ہوتے پھر آپ نے چراغ منگایا جسے اپنے ذاتی مال سے جلایا کرتے تھے۔ پھر دوگانہ ادا کر کے اکڑوں بیٹھ گئے اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر رونے لگے۔ اور یہاں تک روئے کہ آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ اور صبح صادق تک برابر روتے رہے۔ پھر صبح ہو جانے کے بعد صبح کی نماز ادا فرمائی۔

رونے کی وجہ

آپ کو اس حالت میں دیکھ کر فاطمہ بنت عبدالملک نے آپ سے پوچھا امیرالمومنین! رات آپ کیوں رو رہے تھے؟ فرمایا۔ ہاں چونکہ میں اس امت کا خواہ وہ سیاہ ہو یا سرخ! امام بنایا گیا ہوں۔ تو میں قانع مسافر کا، نادار محتاج کا اور مجبور اسیر وغیرہ کا جو ملک کے اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں تصور کر کے رونے لگا تھا۔ اور مجھے یہ خیال آرہا تھا کہ حق تعالیٰ ان سب کے بارے میں مجھ سے حساب لے گا۔ اور سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑیں گے۔

---

[1] : الخراج لابی یوسف ص ۱۱۴

اور میں ڈر رہا تھا کہ میں اللہ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا۔ اور اس کے مقدس رسول کو کیا جواب دوں گا۔ اور مجھے اپنی جان کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔

بیت المال (سرکاری خزانہ) آپ کے نزدیک بیت المال میں بجز حقدار کے کسی کا حصہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس کا بھی نہ تھا جو کہ بیت المال کا منتظم و نگران ہے۔ اگر بیت المال میں کچھ رقم بلا کسی خیانت کے کم ہو جاتی تھی تو وہ منتظم و نگران کو اپنے ذاتی مال میں سے پوری کرنی پڑتی تھی۔ وہب بن منبہ کو بھی جو ایک متقی عالم تھے اور جن کا شمار اللہ والوں میں ہوتا تھا۔ معاف نہیں کیا گیا جب کہ آپ بیت المال کے منتظم تھے۔ اور رقم کم ہو گئی تھی۔ اور آپ نے عمرؓ کو لکھا تھا: دیکھئے بیت المال میں ایک دینار یا چند دینار (راویوں کے اختلاف کے مطابق) کم ہیں۔ عمرؓ ان کو جواب میں لکھتے ہیں: میں آپ کے دین کو متہم نہیں کرتا۔ اور نہ آپ کی امانت کو۔ البتہ آپ کو آپ کے ضائع کرنے پر اور کوتاہی پر ضرور ملامت کرتا ہوں۔ مجھ سے اپنے مال کے بارے میں مسلمان جھگڑا کرنے والے ہیں جتنے دینار کم ہیں براہ کرم اتنے دینار بیت المال میں جمع کر دیجئے۔ آخر کار وہب نے اپنے ذاتی مال میں سے وہ دینار جمع کئے[1]

بیت المال میں خلفاءؓ کے حقوق فاروق اعظم کے اور آپ کے بعد دیگر خلفاء کے بیت المال میں حقوق تھے۔ جن کی ابتدا فاروق اعظم نے اپنے زمانے میں دو درہم سے کی تھی۔ اور خلفائے بنو امیہ کے زمانے میں انتہا پورے بیت المال پر ہوئی۔ یعنی وہ سارے بیت المال پر قابض ہو گئے تھے۔ لیکن عمرؓ بن عبدالعزیز نے بیت المال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اور اس سے بالکل مستغنی رہے۔ اور آپ نے جو جائیداد اپنے خرچ کے لئے بچائی تھی اسی پر قانع رہے اور روزانہ اپنے خرچ کے لئے اپنے ذاتی مال میں سے دو درہم مقرر فرمالئے۔ اس سے خلیفہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ اپنے اوپر اللہ کا مال حرام کرلیں۔ البتہ اس سے آپ نے اپنی اولاد کو غلاموں کو اور جانوروں کو فائدہ اٹھانے سے محروم کرنا چاہا۔ آپ اپنے کو بیت المال کا منتظم سمجھتے تھے۔ مالک نہیں! اگر اس میں خلیفہ کا حق ہے تو بقدر اس کے کام کے ہے زیادہ نہیں۔ عمرؓ جو چراغ اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے جلایا کرتے تھے۔ اور جو پانی جاڑے کے زمانے میں وضو کے لئے گرم کیا کرتے تھے اور جو پھل یعنی سیب وغیرہ کھایا کرتے تھے اس پر

---

[1]: ابن جوزی ص۸۰

بھی اپنا ذاتی پیسہ خرچ کیا کرتے تھے۔ اور بیت المال میں اس سلسلے میں بھی اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ عنبر کی خوشبو میں بھی جن کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔ اپنا حق نہیں سمجھتے تھے۔ اور اسے اپنے پاس سے ہٹوا دیا کرتے تھے۔ اور اپنی ناک بند کر لیا کرتے تھے۔ جب تک کہ وہ دُور نہیں کر دی جاتی تھی۔ آپ کے پاس ڈاک کے سرکاری جانور پر کوئی ہدیہ بھیجا جاتا تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے ڈاک کے سرکاری جانوروں کو چارہ کھلا دیا کرتے تھے[1]

کسی بجز سرکاری حق کے سرکاری مال میں تصرف کی اجازت نہ تھی

عمرؒ کے خواص میں سے کسی کو یہ اختیار نہ تھا کہ سرکاری مال میں یا غلام میں یا جانور میں بجز سرکاری حق کے تصرف کرے۔ ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے ایک شخص کو ڈاک کے سرکاری گھوڑے پر آپ کی اجازت کے بغیر سوار کر دیا تھا۔ آپ نے اسے بلا کر اس سے فرمایا۔ جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہ کر دے یہاں سے ہٹ نہیں سکتا[2]

بیٹے کی یہ درخواست مسترد کر شادی کا خرچ بیت المال دے

غالباً آپ کا یہ کام بھی حیرت انگیز ہے کہ جب آپ کے ایک بیٹے نے آپ سے درخواست کی کہ بیت المال میں سے مجھے میری شادی کا خرچہ دے دیا جائے تو آپ نے درخواست مسترد کر دی۔ حالانکہ آپ کا حکم تھا کہ بیت المال سے پیسوں سے ناداروں کی شادیاں کرا دی جائیں۔ اسی بنا پر آپ کے ایک بیٹے نے درخواست کی تھی مگر ان کی پہلی بیوی موجود تھی۔ عمرؒ اس درخواست پر ناراض ہوئے اور انہیں لکھا: تمہارا خط وصول ہوا اس میں لکھا ہے کہ میں مسلمانوں کے مال سے سوکنوں کو جمع کر دوں۔ حالانکہ مہاجروں کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس ایک بیوی بھی نہیں کہ وہ ان کے ذریعہ پاک دامن رہے۔ خبردار! آئندہ مجھے اس قسم کی تحریر نہ ملے۔ گھر کے تانبے کے برتن اور دوسرا سامان فروخت کر کے شادی کر لو۔

ایک طرف تو عمرؒ اپنے بیٹے کے ساتھ یہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف اپنے کوفے کے عامل کو یہ لکھ رہے ہیں: تم نے لکھا ہے کہ فوجیوں کو مدد دینے کے بعد تمہارے پاس رقم

---

[1]: ابن جوزی صفحہ ۱۱۱، محاسن السلوک صفحہ ۴۶، ابن عبد الحکم صفحہ ۵۲

[2]: الخراج لابی یوسف صفحہ ۱۱۹

بیچ کتا ہے۔ لہٰذا یہ رقم اِسے دے دو جس پر واجبی قرض ہو۔ اٹھاتے کے نہیں۔ یا اس نے نکاح کر لیا ہو مگر اس کے پاس نقد نہ ہو۔ والسلام[1]

بیت المال کا مصرف

بیت المال میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ اور بیت المال ہی ذرا لیقان میں مساویانہ تقسیم ہے۔ ہر شخص اس سے اپنے حق کے مطابق لے سکتا ہے۔ مستحق اصحاب بیت المال میں سے اپنا پورا پورا حق لیں۔ ان کے حقوق میں ان کے درمیان کوئی حائل نہیں ہو سکتا۔ اور مہمان خانہ کا خرچ بھی بیت المال ہی کے ذمہ ہے جسے امام قائم کرے۔ اور بیت المال ہی سے قرض داروں اور مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔

کہتے ہیں کہ خلفا میں سب سے پہلے عمر ہی نے سرکاری مہمان خانہ قائم کیا۔ آپ نے اپنے والد عبد العزیز کو دیکھا تھا کہ انھوں نے مصر میں ایک سرکاری مہمان خانہ بنوایا تھا جب وہ مصر کے حاکم تھے۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے بیت المال میں مسافروں کا حصہ مقرر فرمایا۔[2]

قرضداروں سے کیا مراد ہے؟

چنانچہ جب آپ نے انھیں لکھا کہ قرض داروں کے قرض ادا کر دئے جائیں تو انھوں نے آپ کو لکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس گھر نوکر گھوڑا اور گھریلو سامان سب کچھ ہے۔ اور اس پر قرض بھی ہے۔ کیا اِس کا بھی قرض اتار دیا جائے؟ عمرؒ جواب میں لکھتے ہیں۔ مسلمان کے لئے ایک گھر کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ سر چھپا سکے اور خادم کا ہونا بھی ضروری ہے جو کاموں میں اس کا ہاتھ بٹا سکے۔ اور گھوڑے کا ہونا بھی ضروری ہے جو سواری کا کام دے سکے۔ اور گھریلو سامان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ان چیزوں کے باوجود اس کا شمار قرض داروں ہی میں ہے اس لئے اس کا قرض اتارا جائے۔

پورے ملک کا سرکاری خزانہ ایک ہی ہے

پھر عمرؒ نے ملک کے تمام سرکاری خزانوں کو ایک ہی سرکاری خزانہ قرار دیا۔ اگر اسلامی سلطنت کا کوئی شہر مالدار ہے اور کوئی نادار تو مالدار شہر نادار شہر کی ضرورتیں

---

[1]: ابن عبد الحکم ص ۲۷، ص ۱۳۸

[2]: حیٰوۃ الحیوان ج ا ص ۹۸، ابن جوزی ص ۸۵

پوری کرے گا۔ اگرچہ مالدار شہر کے پاس کچھ بھی نہ بچے۔ جب آپ نے مغصوبہ جائیدادیں واپس دلوائیں اور عراق کا مال ختم ہوگیا تو آپ نے فرمایا۔ شام عراق کی ضرورتیں پوری کرے۔ اس طرح آپ کے زمانے میں دنیائے اسلام ایک طاقتور اور اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی اکائی بن گئی تھی۔ اور ایک شہر دوسرے شہر کی ضرورتیں پوری کیا کرتا تھا۔

بیت المال میں درھم و دینار ڈھالے جاتے تھے اور اس میں وہ درہم و دینار واپس لے لیے جاتے تھے جو کثرتِ گردش کی وجہ سے خراب ہوجایا کرتے تھے۔ اور لوگ انھیں لیتے نہ تھے تاکہ خرید و فروخت کا بازار گرم ہو اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچے[1]

اعتدال و اسراف

عمرؓ کی نگاہ میں بیت المال کا یہ فرض نہ تھا کہ دینار جمع کرکے رکھے حتیٰ کہ ان کے منجمد پہاڑ بن جائیں۔ اور ان سے سیراب کرنے والا سیلاب جاری نہ ہو۔ یا ان سے شبنم کی طرح تھوڑی سی تری حاصل ہو۔ بلکہ آپ کی رائے میں بیت المال کی رقم کو جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر رعایا کو سارے مال کی ضرورتیں لاحق ہیں تو پھر جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نظریے نے حکام کو اور محافظین بیت المال کو پریشان کر دیا کیونکہ ان کی رائے تھی کہ بیت المال میں مال کا جمع رہنا ضروری ہے اور آپ کی رائے ان کے خلاف تھی۔ یہ لوگ اس سلسلے میں آمادہ کرنے کے لئے آپ کو لکھتے رہتے تھے اور آپ انکار کرتے رہتے تھے۔ پھر ایک حاکم جرأت کرکے آپ کو لکھتا ہے: آپ نے بیت المال کو نقصان پہنچایا۔ اس پر عمرؓ جواب میں لکھتے ہیں۔ جو کچھ بیت المال میں ہے خرچ کرتے رہو۔ پھر جب اس میں کچھ باقی نہ رہے تو اسے کیچڑ سے بھر دو[2]

اسراف کی تعریف

عمرؓ کا یہ حکم نامہ لوگوں کو اسراف کی دعوت نہیں دیتا۔ اسراف یہ نہیں کہ حقداروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ البتہ حکام مسرف تھے۔ اور لیضا اسراف سے بے خبر تھے۔ جو پیسہ مفت کی اور سستی چیزوں کا جمع ہوتا تھا اسے خرد برد کر جاتے تھے۔ لہٰذا عمرؓ نے حکم صادر فرمادیا کہ خرچ کم کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے سے ہاتھ تنگ نہ ہو۔

---

[1]: ابن عبدالحکم صـ۲۷، ابن جوزی صـ۹۰

[2]: ابن جوزی صـ۸۵

اسراف کی ممانعت

حکام وعمال ان کا غذات کے خریدنے پر جن پر شاہی فرامین مندرج ہوتے تھے۔ اور ایک بالشت سے کم ہی ہوتے تھے۔ کافی رقم خرچ کیا کرتے تھے۔ اور حکام راستوں پر چراغوں کے جلانے میں اسراف کیا کرتے تھے اور امراء عمارتوں پر ان کے رنگ وروغن پر، نقش ونگار پر اور خوبصورت بنانے پر پانی کی طرح پیسہ بہایا کرتے تھے اور تو اور بیت اللہ کے محافظین کو بھی اسراف کی لت پڑ گئی تھی۔ اور سال کے سال بیت اللہ کے لئے نیا غلاف چاہتے تھے۔ حالانکہ پچھلا غلاف پرانا نہ ہوتا تھا۔ بہرحال ہر شخص اپنے کاموں میں اسراف پسند تھا۔ عمرؓ یہ اسراف دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور حکم فرمایا کہ کاپیوں میں فہرستیں مندرج نہ کی جائیں۔ اور کاغذوں پر موٹے قلم سے نہ لکھا جائے۔ اور تحریر میں لمبے لمبے مد نہ کھینچے جائیں اور حرف ملا ملا کر لکھے جائیں۔ اور جملے مختصر لکھے جائیں۔ عاملوں نے یہ حکم نافذ کر دیا اور بہت سا کاغذ بچا لیا۔ اس کے بعد خطوط قریب قریب ایک بالشت کے رہ گئے[1]

عمرؓ نے حکم فرمایا کہ بنی عدی کی مسجد کی کچی اینٹوں سے درمیانی عمارت بنائی جائے۔ کیونکہ بنی عدی نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ مسجد منہدم ہوگئی ہے۔ اسے بنوا دیا جائے۔ جب آپ سے بیت اللہ کے منتظمین نے کعبہ کے لئے نیا غلاف مانگا جیسا کہ سابق خلفاءؓ کی ہر سال نیا غلاف دینے کی عادت تھی۔ تو آپ نے انہیں لکھا: میرا ارادہ ہے کہ میں یہ رقم بھوکوں پر صرف کر دوں۔ کیونکہ وہ بہ نسبت بیت اللہ کے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

حاکم مدینہ کو اسراف سے بچنے کی ہدایت

مدینے کے حاکم ابوبکر بن حزم نے سلیمان سے بڑی بڑی موم بتیاں مانگی تھیں۔ تاکہ وہ صبح وشام مسجدوں کے دروازوں پر جلائی جائیں۔ سلیمان فوت ہو گئے تھے۔ آخر یہ تحریر عمرؓ کے ہاتھ لگی۔ اور اس کے بارے میں آپ نے ابن حزم کو یہ جواب لکھا۔ اما بعد! مجھے آپ کا وہ پرچہ ملا جو آپ نے سلیمان کو موم بتیوں کے بارے میں لکھا تھا۔ وہ تو فوت ہو گئے اور اب یہ کام مجھے سرانجام دینا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ پہلے حکمرانوں کو جس قدر موم بتیاں دی جاتی تھیں۔ اسی قدر مجھے ملنی چاہئیں اور میرے پاس تمام موم بتیاں ختم ہو

---

[1] : ابن جوزی ص۷، ص۹۹

پکی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے کثرت سے آپکو اندھیری راتوں میں کیچڑ میں مسجد جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! آج کی بہ نسبت اس زمانے میں آپ اچھی حالت میں تھے۔ والسلام علیک[1]۔

رعایا کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک جب عمرؓ کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آئی ہے تو لوگ عدل سے ناامید ہو چکے تھے۔ اور مغصوب اپنا حق واپس لینے پر قادر نہ تھا۔ اس زمانے کو بڑا خوش نصیب اور بخت آور سمجھا جاتا تھا جو اپنی ذات سے ظلم ہٹا دے۔ یا اس سے بچ جائے۔ اور اس سے زیادہ وہ خوش نصیب تھا جس سے سلطان غافل ہو جاتے۔ اور وہ بھلاتے ہوئے لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جائے اور اس کے بارے میں ظلم کا وہم و گمان اور تصور بھی نہ ہو۔ پھر جب عمرؓ آئے تو آپ نے نہ صرف مغصوبہ جائیدادیں لوٹائیں بلکہ لوگوں سے بیگار بھی ہٹا دی۔ جو عوام کی بہبودی کے کاموں میں لوگوں سے لی جاتی تھی۔ کیونکہ عمرؓ بیگار کو ظلم میں شمار کرتے تھے۔ لہٰذا آپ نے بیگار یک قلم موقوف کر دی۔ پھر اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ لوگوں میں یہ تصور بھی بیدار کر دیا۔ کہ مظالم قبول نہ کریں۔ پھر وہ جب اس پر عمل نہ کریں اور ظلم ہی سے اصلاح قبول کر لیں تو اللہ تعالےٰ ان کی اصلاح نہ فرمائے[2]۔

ظلم و تشدد کا دور دورہ اہل مصر مظلوم تھے۔ اسامہ بن زید نے ان کو تنگ کیا تھا اور خوب خون چوسا تھا۔ اور جزیرہ کوفہ اور عراق کے باشندوں پر حجاج نے خوب ستم ڈھائے تھے اور انہیں تباہ کر دیا تھا اور وہاں کے صلحاء کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور مدینہ و حجاز والے قتل و قید کر دئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ کے بارے میں یہ گمان ختم ہو گیا تھا کہ یہ شہر طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی اپنی سابق رونق پر نہیں لوٹے گا۔ اور مدینے کا رہا سہا سہاگ واقعہ حرہ نے لوٹ لیا تھا۔ موصل والوں میں چوروں رہزنوں اور ٹھگوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ حمص والوں کی جائیدادیں اور دکانیں چھین لی گئی تھیں افریقہ میں غنڈہ گردی اور لاقانونیت عام تھی۔ سمرقند پر ظلم توڑے جا رہے تھے اور ان کے

---

[1] : ابن جوزی ص۸۱، ص۸۲، ص۸۳

[2] : ابن عبدالحکم ص۱۰۰، ص۱۲۱

ساتھ غداری کی جا رہی تھی۔ آذر بائیجان کے مال چھین لئے گئے تھے۔ پھر یہ ظلم سمندر کو عبور کر کے اندلس بھی پہنچ گیا تھا۔ اور اسلام کے ہر شہر کو ظلم کے پیروں نے روند ڈالا تھا۔ پھر ظلم کی آفت ایک طویل زمانے تک مسلط رہی اور ایک بلا تھی جس سے طرح طرح کی وہ بہت سی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ اور ہر پیدا ہونے والے بچہ نے ہوشیار ہو کر یہی سمجھا کہ یہی (ظلم ہی) عدل ہے۔ اور اسلام کا حکم ہے۔ ظلم نے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کر لئے تھے۔ اور قسم قسم کے مظالم معرض وجود میں آ گئے تھے۔ عجمی اور عربی کے حق میں مساوات نہ رہی تھی۔ نہ آزاد و غلام کے حق میں۔ اور نہ عورت و مرد کے حق میں۔ اور نہ ذمی اور مسلمان کے حق میں۔

تمام خرابیوں کو دُور کرنے کی ذمہ داری

عمرؓ نے ان تمام خرابیوں کو بمنزلہ ان گھاٹیوں کے قرار دیا جن کا بند کیا جانا ہی اولیٰ ہے اور جن دروں کا بند کیا جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ آپ اس کام میں آگے ہی بڑھتے رہے اور آپ نے عجمی غلام عورت اور ذمی کے حقوق کو پامال ہونے سے بچا لیا۔ اور ہر ایک کو اس کا وہ حق دلوا دیا جو دین نے اس کے لئے فرض کیا تھا۔ اور ان کے حق میں جبر بھر کمی نہیں کی۔ جب آپ مجاہدین کے وظائف میں دس دس کا اضافہ کرنے لگے تو آپ نے عربی اور غلام کو برابر رکھا۔[1]

بالغ اور نابالغ کی حد اور وظائف میں فرق

عمرؓ نے وظائف دینے میں بجز چھوٹے اور بڑے کے فرق نہیں کیا۔ ۱۵ سال کے جوان کو فوج میں بھرتی کے قابل قرار دیا۔ اور اس سے کم عمر کے بچہ کو اولاد میں شمار کیا اور یہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جسے آپ نے لوگوں میں نافذ فرما دیا۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر عمرؓ نے خود کو جنگ کے لئے پیش کیا۔ تو آپ نے انہیں چھوٹا سمجھ کر فوج میں لینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت آپ ۱۴ سال کے تھے۔ پھر اگلے سال جنگ خندق کے موقعہ پر پیش کیا تو آپ نے قبول فرما لیا۔ یہ حدیث نافع نے براہ راست عمرؓ بن عبدالعزیز سے بیان فرمائی جب کہ آپ خلیفہ بن گئے تھے۔ اس سے عمرؓ کو بالغ و نابالغ کا فرق معلوم ہو گیا۔ اور آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ دیا کہ پندرہ سال کا بچہ بالغ اور اس سے کم کا بچہ نابالغ

---

[1]: تاریخ العرب المطول ص۲۸۱، ابن جوزی ص۸۴

شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی[۱]

اصلاح رفتہ رفتہ ہوتی ہے

عمرؒ کو معلوم تھا کہ کوئی شخص گناہوں سے محفوظ نہیں جب آپ کے فرزند عبدالملک آپ سے کہا کرتے تھے۔ کہ امیرالمومنین! احکام جلد نافذ کیجئے۔ تو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے بیٹا جلدی نہ کرو۔ کیونکہ خرابیاں تھوڑی نہیں ہیں۔ دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں شراب کی دو بار مذمت فرمائی اور تیسری بار اسے حرام فرما دیا۔ اگر میں دفعتاً لوگوں پر تمام حق لا دوں تو وہ تمام حقوق کو گرا دیں گے۔ اور اس سے مجھے فتنہ پیدا ہونے کا ڈر ہے[۲] لیکن عبدالملک بن عمر اس سے خوش نہ تھے کیونکہ ان میں جوانی کا جذبہ کارفرما تھا۔ اور وہ فوری طور پر حق کی بلند شان دیکھنا چاہتے تھے لیکن ان کے والد محترم اپنی اختیار کی ہوئی راہ پر دلائل پیش کرتے تھے تو آپ خوش ہو جایا کرتے تھے مگر حکام جن کے ساتھ عمر نے نرمی کا برتاؤ کیا تھا۔ عمرؒ کے افعال پر حیرت نہ کرتے تھے۔ تاہم وہ جن کو عمرؒ نے عہدوں کے لئے چن لیا تھا۔ اور انھیں نرمی پر آمادہ کر لیا تھا۔ اور پورے پورے اختیارات دے دئے تھے۔ راضی نہ تھے اور آپ کے حکم کی جو لوگوں پر محبت و شفقت اور نرمی کے بارے میں ہوتا تھا۔ روک ٹوک اور پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ آپ کے فرمان پر کڑی تنقید کرنے والوں میں عبدالحمید بن عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی صالح بھی شامل تھے۔

اہل عراق

عمرؒ کی سیاست عراق کے حکام کو پسند نہ تھی۔ چنانچہ عبدالحمید حاکم کوفہ اور صالح بن عبدالرحمٰن اور اس کا رفیق عراق میں اور یحییٰ غسانی حاکم موصل وغیرہ چاہتے تھے کہ لوگوں پر سختی کے ساتھ اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ حکومت کریں۔ کیونکہ کوفہ والے جور و تشدد ہی کو پہچانتے تھے۔ اور اہل عراق کی اصلاح تلوار ہی کر سکتی تھی اور بصرہ مدہوش و مخمور تھا۔ اس کا خمار زیاد بن ابیہ کی تلوار ہی اتار سکتی تھی۔ اور سرزمین موصل چوروں رہزنوں اور ٹھگوں کا اڈا تھا۔ یہاں عمرؒ کی سیاست کارآمد نہ تھی۔

عراق والوں پر عمرؒ کو تشدد کا مشورہ

یہ حکام برابر ان شہروں کی سیاست میں عمرؒ کو ٹوکتے رہتے تھے اور آپ کو مشورہ دیتے

---

[۱] : الخراج لابی یوسف صـ ۱۱۵

[۲] : العقد الفرید ج ۴ ، صـ ۴۳۳ ، الموافقات ج ۲ صـ ۹۴

رہتے تھے کہ نرم پالیسی چھوڑ کر سخت پالیسی اختیار کریں۔ اور جور و تشدد کے پلہ میں ان تمام شہروں کو رکھیں۔ اگر آپ کو ان شہروں کی اصلاح پیش نظر ہے۔

عمر کا جواب اس پر آپ نے عبدالحمید کو لکھا کہ کوفہ والوں کو کافی جور و تشدد سے دوچار رہنا پڑا ہے۔ اور وہ ان مظالم کا شکار رہ چکے ہیں جو بُرے عاملوں نے ان پر ڈھائے ہیں۔ اور سید ھا دین عدل و احسان ہے۔ اس لیے ان کے حق میں انتہائی اہم بات یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت پر جم جائیں۔ اور صالح اور صاحب صالح کو لکھا۔

اے گندوں میں سے دو گندو اور اے ناکاروں میں سے دو ناکارو! کیا تم میرے لیے مسلمانوں کا خون پیش کر رہے ہو۔ اور میرے لیے تم دونوں کا خون عوام میں سے کسی ایک کے خون سے زیادہ آسان ہے۔[1]

عمر کی بصرے والوں کو ہدایت عمرؓ بصرہ والوں کو لکھتے ہیں کہ شراب کی حرمت یاد کرو۔ اور آخر خط میں ان الفاظ میں ان کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تم میں سے جو ہدایت پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اضافہ فرمائیں۔ اور جو گناہ گار ہیں انھیں عافیت و سہولت کے ساتھ توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔[2]

عمرؓ کے اس کلام میں اور زیاد بن ابیہ کے کلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عمرؓ نے بصرہ والوں کے آنسو پونچھ دیے اور ان کے دکھوں کا اعتراف کر لیا۔ اور ایک دفعہ ان میں مال بھی بانٹا۔ ہر شخص کو تین تین درہم دیے اور اپاہج کو پچاس پچاس دیتے۔ اور ان کے بچوں کو بھی دیے جن کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا۔[3]

کیا شبہہ پر لوگ پکڑے جائیں موصل میں یحییٰ غسانی عامل موصل نے عمرؓ کو لکھا کہ اس شہر میں کثرت سے چور ڈاکو اور گرہ کٹ اور ٹھگ ہیں۔ یہاں آئے دن نقب زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کیا میں محض شبہہ پر لوگوں کو پکڑ

---

[1]: ابن عبدالحکم ص ۱۲۹

[2]: ابن جوزی ص ۱۰۲

[3]: طبری ج ۹ ص ۳۲۲

سکتا ہوں۔ اور انہیں تہمت پر مار سکتا ہوں؟ یا ثبوت کے ساتھ پکڑوں جیسا کہ طریقہ جاری ہے۔ عمرؓ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: لوگوں کو سب سنت ثبوت کے ساتھ پکڑو۔ اگر حق بھی ان کی اصلاح نہ کرے تو اللہ تعالے ان کی اصلاح ہی نہ کرے۔ یحییٰ غسانی کہتے ہیں۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں موصل سے آیا ہوں تو یہ شہر اصلاح پسند بن گیا تھا۔ اور اس میں چوری وغیرہ کی سب خبروں سے کم وارداتیں ہوتی تھیں۔

عمر اہل عراق کی خیریت معلوم کراتے ہیں

ایک دفعہ رباح بن عبیدۃ عمرؓ کے ساتھ تھے رباحؒ نے آپ سے اپنے گھر عراق جانے کی اجازت مانگی تاکہ بیوی بچوں اور جائیداد کو دیکھ آئیں۔ دوسرے دن رخصت ہوتے وقت رباح نے کہا۔ امیر المومنین! اگر عراق میں کوئی کام ہو تو مجھے فرمائیے۔ عمرؓ نے کہا۔ اہل عراق کی خیریت پوچھ لینا۔ اور عراق میں حکام کی حسن بصیرت کے معاملے میں بھی اہل عراق سے تحقیق کر لینا۔ کہ آیا اہل عراق ان سے خوش ہیں یا ناخوش۔

جب رباح عراق پہنچے اور عراق کے عوام سے تحقیق کی تو عوام کو ان سے خوش پایا۔ پھر جب رباح واپس آئے تو عمرؓ کو سلام کر کے آپ کو عراق کے حکام کی حسن سیرت کی خبر دی اور یہ بھی کہ لوگ ان سے خوش ہیں۔ اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ عمرؓ نے کہا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ اگر تم اس کے خلاف خبر لاتے تو میں حکام کو معزول کر دیتا۔ اور پھر کبھی ان سے کام نہ لیتا[1]

اہل مدینہ

زمانہ گذرتا چلا جا رہا تھا اور عمرؓ کے دل میں مدینہ کی تڑپ بڑھتی جا رہی تھی۔ آپ کا دل مدینہ ہی کی طرف لگا ہوا تھا کبھی اس سے ہٹتا ہی نہ تھا آپ نے حکام کو مدینے کے بارے میں خیر و بھلائی کا حکم دے رکھا تھا۔ اور مدینہ والوں کے حقوق ان پر تقسیم کر دئے تھے۔ جب کبھی مدینہ منورہ سے کوئی شخص آتا۔ تو عمرؓ اس سے تمام مدینہ والوں کی خبر پوچھا کرتے تھے۔ شہر والوں کا کیا حال ہے؟ تاجر کس طرح ہیں؟ ناداروں کی زندگی کس طرح بسر ہو رہی ہے؟ اور دیگر تمام مردوں اور عورتوں کا کیا حال چال ہے؟ ایک دفعہ آپ کے پاس مدینہ سے ایک شخص آتا ہے۔ عمرؓ اس سے پوچھتے ہیں۔ ان مسکینوں کا کیا حال ہے؟ جو فلاں

---

[1] ابن جوزی صـ ۹۷، الخراج لابی یوسف صـ ۱۱۹

فلاں جگہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس نے کہا۔ امیرالمومنین! اب وہ اس جگہ نہیں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مالدار بنا دیا ہے۔ ان مسکینوں میں وہ حضرات بھی تھے جو مسافروں کو پتے فروخت کیا کرتے تھے۔ بعد میں ان سے پتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو بولے۔ اللہ نے ہمیں پتے بیچنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ کیونکہ عمرؓ نے ہمارا وظیفہ باندھ دیا ہے۔[1]

زیاد کا ایک واقعہ

عیاش بن ربیعہ نے زیاد بن ابی زیاد مدنی کو اپنے کسی کام کے لئے عمرؒ کے پاس بھیجا۔ جب زیاد آپ کے پاس پہنچے تو جلدی سے بولے السلام علیکم اور امیرالمومنین کہنا بھول گئے۔ عمرؒ بولے! وعلیک السلام! پھر زیاد کو خیال آیا تو بولے۔ السلام علیکم یا امیرالمومنین! عمرؒ بولے اے ابن ابی زیاد! ہم تمہارے پہلے سلام سے بھی مانوس ہیں۔ اور اسے آداب اسلامی کے خلاف نہیں سمجھتے۔ اس وقت کاتب آپ کو وہ مظالم پڑھ کر سنا رہا تھا جو بصرہ سے آئے تھے۔ آپ نے زیاد سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زیاد دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ گئے۔ کاتب پڑھ کر مظالم سنا رہا تھا۔ اور آپ ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔ پھر جب وہ فارغ ہو گیا تو کمرہ سے تمام لوگ ہٹا دیے گئے۔ حتیٰ کہ خادم بھی ہٹا دیا گیا۔ پھر عمرؒ زیاد کی طرف آئے اور اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔

عمرؒ نے زیاد سے مدینہ کے حالات پوچھے

زیاد کہتے ہیں کہ میں اونی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ مجھ سے عمرؒ نے فرمایا اے ابن ابی زیاد! تم اپنے کرتے میں گرم ہو نا؟ اور ہمارے زمانے میں آرام سے ہو نا؟ پھر آپ نے مجھ سے مدینہ کے صلحا کا حال معلوم کیا کہ ان میں سے مردوں اور عورتوں کا کیا حال ہے؟ اور ان میں سے ایک ایک کا حال پوچھا۔ کسی بھی مرد یا عورت کو نہیں چھوڑا۔ اور بھی مجھ سے چند باتیں پوچھیں جن کے نفاذ کا آپ نے مدینہ میں حکم فرمایا تھا۔ میں نے ان سب کے بارے میں آپ کو تفصیلی حالات بتلائے۔ پھر آپ نے عیاش کی مزدوری پوری کیں۔ اور زیاد کو اپنی خاص جیب سے بیس دینار دیے۔ اور فرمایا۔ ان سے اپنا کام نکالو۔ اگر تمہیں تمہارا حق ہوتا تو ہم تمہیں تمہارا حق دے دیتے۔ لیکن وہ دینار زیاد نے قبول نہیں کئے۔ مگر آپ کے پیہم اصرار سے اسے قبول کرنے پڑے۔ پھر عیاش کو لکھا کہ میرے ہاتھ زیاد کو فروخت کر دو۔ تاکہ میں ان کو آزاد کر دوں

---

[1] ابن جوزی ص۶۲

لیکن عیاش نے بجائے فروخت کرنے کے خود ہی زیاد کو آزاد کر دیا۔[۱]

کسر نفسی کی ایک مثال

لوگ کہتے ہیں عمرؓ اس جگہ زمین پر اترے جہاں زیاد تھے۔ اور فرمایا۔ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جو تمہارے خیال میں تم سے افضل نہ ہو تو صدر مجلس میں اسے جگہ نہ دو۔[۲] پھر فرمایا۔ مجھے وہ جگہ محبوب نہیں جہاں میں زیاد سے اونچا دکھائی دوں۔ پھر جب زیاد اپنا مقصد حل کرا چکے تو روانہ ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمرؓ نے بیت المال کے خازن کو حکم دیا کہ زیاد کے لئے سرکاری خزانہ کا دروازہ کھلا رکھے۔ اور ان کے رفقاء کے لئے بھی تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورتوں کے مطابق لے لیں۔ پھر خازن نے دیکھا اور عمرؓ کی نگاہوں نے اسے مجبور کر دیا۔ آخر کار اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر زیاد نے بیت المال میں داخل ہو کر اپنے لئے اسی سے کچھ اوپر درہم لئے۔ پھر جب خازن نے یہ معاملہ دیکھا تو بولا۔ امیر المومنین کو خوب معلوم ہے۔ وہ جسے چاہیں بیت المال پر مسلط فرما دیں۔[۳]

مدینہ کے حالات معلوم کر کے عمرؓ خوش ہوتے ہیں۔

عمرؓ ایک دن مزاحم کے ساتھ سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آپ اکثر سوار ہو کر نکلا کرتے تھے۔ اور آنے والے قافلوں سے شہروں کے حالات معلوم کیا کرتے تھے۔ ان دونوں حضرات کی مدینہ کے ایک سوار سے ملاقات ہوئی۔ اور دونوں نے اس سے مدینہ کے۔ اور اس کے اس پاس کے حالات پوچھے۔ سوار بولا! اگر چاہو تو مختصر حالات بیان کر دوں۔ اور اگر تفصیل چاہو تو مفصل حالات بیان کردوں۔ عمرؓ بولے مگر جامع الفاظ میں مختصر حالات بیان کرو۔ بولا! میں نے مدینہ کو اس حال میں چھوڑا ہے۔ کہ وہاں ظالم مغلوب ہے اور مظلوم مدد یافتہ ہے اور مالدار بہت ہیں اور ناداروں کی ناداری کی تلافی کر دی گئی ہے۔ یہ سن کر عمرؓ خوش ہوئے اور فرمایا۔ اللہ کی قسم! اس صفت پر تمام شہروں کا ہو جانا۔ میرے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔[۴]

---

[۱]: صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۶۹

[۲]: البیان والتبیین ج ۲ ص ۸۴

[۳]: ابن عبدالحکم ص ۵۲

[۴]: ابن عبدالحکم ص ۱۳۵

عمرؓ کی ڈاک میں کسی نیکی ہی کا حکم ہوتا تھا

رباح بن حیان جو مدینہ کے حاکم تھے کہتے ہیں: عمرؓ کی طرف سے ہمارے پاس جو ڈاک آتی تھی۔ اس میں یا تو کسی مردہ سنت کو زندہ کرنے کا حکم ہوتا تھا۔ یا مال تقسیم کرنے کا۔ یا عوام کی بہبودی کے کاموں کا لے

آپ کے لئے مسلمانوں کی دعائیں

حتیٰ کہ مہاجرین و انصار آپ کی طویل زندگی کے لئے دعائیں کرتے تھے تاکہ آپ سے ناگوارِ خاطر باتوں کا دفاع کرتے رہیں۔ حتیٰ کہ فاطمہ بنت حسین فرماتی ہیں۔ اگر ہمارے لئے عمرؓ بن عبدالعزیزؒ زندہ رہیں تو ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ جریر کہتا ہے۔

اشبهت من عمر الفاروق سيرته
قاد البرية وأتمّت به الامم

یعنی سیرت میں آپ عمر فاروقؓ کے مشابہ ہیں۔ جو ایک مخلوق کے راہنما تھے۔ اور قومیں آپ کی پیروکار تھیں۔

تدعو قريش وانصار الرسول له
ان يمتعوا بابي حفص وما ظلموا

قریش اور انصار ان کے لئے دعائیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ابوحفص کی وجہ سے محفوظ تھے۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں کرسکتا تھا۔

کہتا ہے ؎

يعود احلم منك على قريش
وتفرج عنهم الكرب الشدادا

آپ کی سنجیدگی قریش پر لوٹتی ہے۔ اور آپ ان سے سخت بے چینیاں دور فرما دیتے ہیں۔

وقد آمنت وحشتهم برفق
ويعيي الناس وحشك ان يصادا

آپ نے نرمی سے ان کے نامانوس لوگوں کو امن دی اور لوگ آپ کے غیر مانوس کاول کو شکار کرنے سے عاجز آگئے۔

وتبنی المسجد یا عمر بن لیلی
وتکفی الممحل السنة الجماد[1]

اے عمرؓ! آپ شرف کی عمارت بنا رہے ہیں۔ اور قحط زدہ کے لئے منجمد سالوں سے کافی ہیں۔

اہل مکہ

مکہ میں عمرؓ سے ایک مظلوم کی فریاد

جب عمرؓ اہل مکہ کو ان کی مغصوبہ جائیدادیں دلوا چکے۔ اور اس کی نیابت کر کے واپس لوٹے۔ تو آپ کو رخصت کرنے والوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا۔ جسے کسی حاکم نے قید کر لیا تھا۔ اور اس کی جائیداد ضبط کر لی تھی۔ اور اس سے قسم کھلوائی تھی کہ خبردار! کبھی کسی سے میری شکایت نہ کرنا۔ اس نے عمرؓ سے ان الفاظ میں شکایت کی۔ مجھ پر ظلم کیا گیا مگر میں ظلم کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں! عمرؓ بھانپ گئے کہ اس سے معاملہ ظاہر نہ کرنے کی قسم کھلوائی گئی ہے۔ آپ نے حاکم کو بلوایا جس کے ماتھے پر سجدوں سے گٹہ پڑا ہوا تھا۔ اس سے فرمایا! تمہارے اس گٹہ نے مجھے دھوکہ دیا۔ پھر آپ نے اس شخص سے کہا جاؤ! میں نے تمہارا مال تمہیں واپس کرا دیا۔ اور تمہاری قسم بھی نہیں ٹوٹی[2]

اہل رقہ اور اہل ایلہ

امام حسنؓ اور حسینؓ کی رائے تھی کہ حاجت مند بقدر اپنے علم کے حاجت روائی کا مستحق ہے۔ اگر پورا عالم ہے تو اس کی تمام ضرورتیں رفع کی جائیں۔ اگر آدھا یا تہائی یا چوتھائی عالم ہے تو بقدر علم کے حاجت روائی کی جائے۔ یہ جب ہے جبکہ وہ اصحاب غرض ارباب صدقہ میں سے نہ ہو۔ لیکن عمرؓ نے اپنی رقت طبع کی وجہ سے مال دینے کا حکم دیا اور آپ نے حکم فرمایا کہ سرکاری خزانہ میں سے ہر اس شخص کو دیا جائے جو ہاتھ پھیلائے۔ کیونکہ آپ کو حاجت مندوں کی حاجتیں معلوم تھیں۔ اور ان کی مجبوریاں بھی معلوم تھیں۔

سچ پوچھو تو دونوں باتوں میں فرق ہے۔ کیونکہ حسنؓ اور حسینؓ کا حکم صدقوں کے بارے میں اور عمرؓ کا حکم اصحاب عقوق کے بارے میں ہے۔

---

[1] : الکامل للمبرد ج ۱ ص ۴۰۱
[2] : ابن عبدالحکم ص ۱۳۸

اہل سمرقند و آذربائیجان

ایک آذربائیجانی کی فریاد

آذربائیجان سے ایک شخص آتا ہے اور عمرؒ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے شہر کے حاکم کی اِن الفاظ میں شکایت کرتا ہے: حاکم نے مجھ پر زیادتی کی۔ اور مجھ سے بارہ ہزار درہم لے لئے۔ اور سرکاری خزانے میں جمع کر دئیے عمرؒ کہتے ہیں۔ ابھی وہاں کے حاکم کو لکھو دو کہ وہ مال اسے لوٹا دیا جائے۔[1]

اہلِ سمرقند کی فریاد

اہل سمرقند نے قتیبہ بن مسلم کی شکایت کے لئے اور اس کے ظلم و غداری کو بیان کرنے کے لئے عمرؒ کے پاس ایک وفد بھیجا۔ عمرؒ نے فی الفور سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السرح کو لکھا کہ ان لوگوں کے لئے ایک قاضی مقرر کیا جائے کہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ اس کام کے لئے سلیمان کو قاضی مقرر کیا گیا۔ اور یہ لوگ سلیمان کے فیصلوں پر راضی ہو گئے۔

اہل خراسان

خراسان کے حاکم کو نصیحت

جراح بن عبداللہ حکمی نے عمرؒ کو لکھا: میں خراسان پہنچا تو میں نے خراسانیوں کو فتنوں میں اترتا ہوا پایا۔ ان کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ کا حق روک لیں۔ جو ان پر واجب ہے۔ اور اس سے انہیں روکنے والی تلوار اور کوڑے ہی ہیں۔ لیکن میں نے اس پر اقدام اچھا نہیں سمجھا جب تک آپ سے اجازت نہ لے لوں۔

عمرؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: بہ نسبت ان کے تو فتنہ کا زیادہ حریص ہے۔ خبردار! کسی مومن کو یا ذمی کو ناحق نہ مارنا۔ اور قصاص سے احتیاط برتنا۔ کیونکہ تو اس کی طرف لوٹنے والا ہے جو خیانت والی آنکھوں کو اور دل کے رازوں کو جانتا ہے۔ اور تو ایک ایسی کتاب پڑھنے والا ہے جو کسی چھوٹے بڑے عمل کو گنوائے بغیر چھوڑنے والی نہیں۔[2]

---

[1]: ابن جوزی ص۷۵، [2]: تاریخ الامم الاسلامیہ ج۲ ص۱۸۱، ابن الاثیر ج۵ ص۲۴

گھڑدوڑ کے گھوڑے

عمرؒ رعایا پر بڑے مہربان تھے

عمرؒ لوگوں پر بڑے شفیق و مہربان تھے۔ لیکن ایسی خیر و صلاح کے قائل نہ تھے جو لوگوں کو خیر و صلاح کی حد سے نکال باہر کرے۔ شفقت کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کی گردنوں سے شرع و آئین کی پابندی کی رسی نکال کر پھینک دی جائے اور انھیں شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ یہ آزادی انھیں برائیوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ بجز ایک یا دو موقعوں کے عمرؒ حدود شفقت سے آگے نہیں نکلے۔ ان دو موقعوں پر بھی آگے نکلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو لوگ مقہور و مغلوب اور ناامید ہو کر اپنے اپنے گھر پہنچتے۔

ایک گھڑدوڑ کا واقعہ

سلیمان نے اپنے علاقے کے تمام شہروں کو لکھا تھا۔ کہ گھڑ دوڑ کے لئے ہر شہر سے عمدہ گھوڑے بھیجے جائیں۔ لوگوں نے ملک کے گوشے گوشے سے نفیس گھوڑے بھیجے۔ تاکہ وہ گھڑ دوڑ میں حصہ لیں ہر شہر سے گھوڑے آئے لیکن گھوڑ دوڑ کے انعقاد سے پہلے سلیمان فوت ہو گئے۔ اور دمشق میں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ بمعہ گھوڑوں کے لگ گئے۔ پھر جب عمرؒ برسراقتدار آئے تو آپ نے گھڑ دوڑ منسوخ کر دی اور اس کے لئے راضی نہیں ہوئے۔ لوگ آپ کو راضی کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراشنے لگے۔ اور آپ سے کہنے لگے۔ امیرالمومنین! لوگوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور دور دور سے اپنے اپنے گھوڑے لے کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں گھڑ دوڑ سے دشمنوں پر بھی رعب پڑتا ہے۔ غرضیکہ آپ کو برابر اکساتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ نے گھڑ دوڑ کا حکم صادر فرما دیا اور آپ نے جیتنے والوں کو انعام بھی دیا۔ اور انھیں ناامید نہیں فرمایا۔ آپ نے پیچھے رہنے والوں کو بھی انعام دیا۔ لیکن انھیں جیتنے والوں سے کم دیا۔[1] اور اس موقعہ پر بھی آپ نے گھڑ دوڑ کے معاملہ میں حد سے تجاوز نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس کے بعد آپ کے حکم فرمایا۔ کہ بلا وجہ کوئی گھوڑا نہ دوڑایا جائے۔[2]

---

[1]: ابن جوزی ص ۵۶

[2]: ابن جوزی ص ۵۵

حدودِ شفقت سے تجاوز کا دوسرا واقعہ

ایک تو یہ تجاوز گھڑ دوڑ کے معاملہ میں تھا۔ دوسرا تجاوز لہو ولعب جیسی چیز میں تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی خلفاءُ میں گانے بجانے کا رواج تھا۔ اور ان کے نزدیک رقص وسرود مباح تھا۔ یزید بن معاویہ سب سے پہلا خلیفہ ہے جس نے یہ رسم ایجاد کی اس کے دیکھا دیکھی عبدالملک نے ابن مسجح کو بھی اس طائفہ میں شامل کر لیا۔ اور ولید نے ابن سریج اور معبد کو بھی دمشق میں بلا لیا۔ پھر سلیمان بن عبدالملک اس طائفہ کے بالمقابل کھڑا ہوا۔ لیکن اس نے چپکے سے دلال مغنی کو مدینہ سے دمشق میں بلوا لیا تاکہ وہ اسے گا گا کر خوش کرے۔ پھر جب عمرؒ خلیفہ بنے تو آپ شعر ونغمہ کے درمیان حائل ہو گئے۔[1]

ایک حیرت انگیز واقعہ

چونکہ عمرؒ کی طبیعت میں رقت اور سوز وگداز تھا۔ اور حلم ووقار میں افراط کار فرما تھا اس لئے آپ کو ایک حیرت انگیز معاملہ میں گانا سُننا پڑا۔ کہتے ہیں مدینہ سے عراق میں ایک نوجوان ایک لونڈی کو ڈھونڈتا ہوا آیا جس کا اسے یہ کمال بتایا گیا تھا کہ وہ قاری، قوال اور مغنیہ ہے۔ اس نے اس لونڈی کو شہر کے قاضی کے پاس پایا۔ قاضی کو اس کی خوبیاں معلوم نہ تھیں۔ پھر جب اس نے قاضی کی موجودگی میں اپنے طلب گار کے سامنے گایا تو یہ اشعار پڑھے ؎

الیٰ خالدٍ حتیٰ انخنا بخالدٍ

فنعم الفتیٰ یرجیٰ ولقم المؤمّل

ہم خالد کے پاس پہنچے۔ اور ہم نے خالد کے پاس اپنے اونٹ بٹھا دئے۔ پھر وہ کتنا اچھا نوجوان تھا کہ اس سے امید باندھی جاتی۔ اور اس سے امید باندھنے والا بھی کس قدر اچھا تھا۔

قاضی لونڈی سے یہ اشعار سُن کر بہت خوش ہوا۔ کھل اٹھا اور اس پر کمال بے خودی طاری ہو گئی۔ اور اس نے اس سے مزید اشعار کی درخواست کی۔ اور کہنے لگا میرے ماں باپ تجھ قربان ہوں کچھ اور گانا سنا۔ اب اس مغنیہ نے یہ شعر پرسوز نغمہ میں گایا۔

---

[1] : تاریخ العرب المطول صـ۳۴۸
معالم الموسیقی العربیہ صـ۲۹

الروح الی القصاص کل عشیۃ
ارجی ثواب اللہ فی عدد الخطا

میں ہر روز زوال کے بعد واعظ کے پاس جاتی ہوں۔ اور اپنے قدموں کی تعداد میں اللہ سے ثواب کی امیدوار رہتی ہوں۔

اب تو قاضی کی بے خودی کی انتہا نہ رہی۔ اور اسے ہوش نہیں رہا کہ کیا کہہ رہا ہے اور گھٹنوں پر بیٹھ کر دیوانوں کی سی حرکتیں اور باتیں کرنے لگا۔ پھر جب مغنیہ خاموش ہوگئی تو قاضی نے نوجوان سے کہا۔ آپ واپس چلے جائیں! ہم تو اس کی خوبیاں جاننے سے پہلے ہی اس کے طالب تھے۔ اور اب تو ہمیں اس کی اور زیادہ چاہت ہوگئی۔ آخرکار نوجوان چلا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز کو بھی قاضی کی حرکات واقوال کی خبر لگ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ اسے غارت کرے! اسے خرطرب نے غلام بنالیا! اور آپ نے اس کی برطرفی کا حکم صادر فرمادیا۔ پھر جب قاضی کو معزول کر دیا گیا تو بولا! میری عورتوں پر طلاق پڑ جائے۔ اگر اس کا گانا سن کر عمرؓ مجھ سے زیادہ بے خود نہ ہوجائیں۔ اور بے پناہ وجد میں نہ آجائیں۔ عمرؓ کو بھی قاضی کی اس بات کی خبر لگ گئی۔ آپ نے اسے معہ اسی لونڈی کے بلوایا۔ پھر جب دونوں آگئے تو عمرؓ نے قاضی سے کہا۔ ذرا اپنی بات تو دہراؤ۔ اس نے وہی جملہ دہرایا۔ پھر لونڈی سے کہا۔ کہہ: اس نے بڑے پیارے لہجہ میں یہ شعر پڑھے۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر

گویا حجون سے صفا تک کوئی ہمدم نہ تھا۔ اور مکہ میں کسی نے افسانہ نہیں چھیڑا تھا۔

بلی نحن کنا اھلھا فابادنا
صروف اللیالی والجدود العواثر

کیوں نہیں! ہم اس کے باشندے تھے۔ پھر ہمیں زمانہ کی گردشوں نے اور نکل جانے والے حصوں نے ہلاک کر دیا۔

ابھی وہ فارغ بھی ہوئی تھی کہ عمرؓ میں بھی ایک ظاہری ہیجان پیدا ہوا۔ اور آپ نے اسے تین بار یہی اشعار دہرانے کی فرمائش کی۔ اور آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر آپ نے قاضی

کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ تم اپنی قسم کے قریب پہنچ گئے تھے[1] لہٰذا میں نے تم کو بحال کردیا جاؤ اپنا کام سنبھالو۔[2]

ایک سخت سبق

لیکن اپنی جگہ اسی نرمی نے عمرؓ کو ایک غیر صالح اور نامناسب جگہ کی طرف منتقل نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے اس سے اپنے طیش پر مدد لی۔ ایک دفعہ ایک مشرقی شیخ اپنے بھتیجے کے ساتھ آپ کے پاس آیا۔ اور دونوں آپ کے سامنے جھگڑنے لگے۔ شیخ کی اتنی لمبی لمبی مونچھیں تھیں کہ انہوں نے اس کے منہ کے دہانے کو ڈھانپ رکھا تھا اور منہ میں جا رہی تھیں۔ یہ شیخ صلہ رحمی اور صلح صفائی چاہتے چاہتے اچانک شر لپیٹ گیا اور جھگڑنے لگا۔ پھر اس قدر غصہ میں بھر کر قطع رحمی پر اتر آیا۔ عمرؓ نے اس کی طرف تعجب سے دیکھ کر فرمایا میں نے کسی کو تجھ سے زیادہ میٹھا نہ دیکھا تھا اور نہ کڑوا اور نہ دور دیکھا اور نہ قریب تو اس حال میں کہ تو صلح و صلہ چاہتا تھا کہ اچانک تیرے نفس نے تجھے ظلم و قطع رحمی کی دعوت دی۔ عمرؓ نے پکار کر مینا کو آواز دی۔ دروازہ کھلا اور تیزی سے ایک نائی عمرؓ کے فرمان کی تکمیل کے لئے آگے بڑھا عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ قطار میں سے اس شیخ کو نکال کر لے جا۔ اور اس کی بڑھی ہوئی مونچھیں کاٹ کر اسے میرے پاس لے آ۔ مینا نے حکم کی تعمیل کی۔ اور اس شخص کو خلیفہ کے آگے خصومت کی جگہ لوٹا دیا۔ عمرؓ نے کہا۔ یہ حالت پاکیزہ ہے۔ اور اس میں فطرت کے تقاضوں کے مطابق صفائی بھی ہے اے شیخ! اپنے بھتیجے سے صلح کر لے۔ آخر کار دونوں صلح پر راضی ہو گئے۔ پھر آپ نے دونوں میں صلح کرا دی۔ اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ الحمد للہ۔ یعنی اے اللہ تیرا شکر ہے۔

کمزوروں پر رحم

عمرؓ کا رحم کسی خاص جماعت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جب جب آپ لوگوں میں کمزوری کا اضافہ دیکھتے۔ آپ کا جذبہ رحم جوش میں آجاتا۔ آپ کے رحم کا یہ عالم تھا کہ آپ نے نابیناؤں پر ترس کھا کر ان کے لئے قائد (ہاتھ پکڑ کر چلنے والا) مقرر فرما دئے تھے[3] آپ کا حکم تھا کہ لوگوں کو بعد گناہوں کے سزا دی جاتے۔ ایسا نہ کیا جائے جیسا

---

[1] یعنی قسم میں سچے ثابت ہوتے
[2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۰
[3] ابن عبدالحکم ص ۴۶، ص ۱۳۴

خود عمرؓ نے مدینہ منورہ کی ولایت کے زمانے میں کیا تھا۔ اور مزاحم نے آپ کو ٹوکا تھا کہ آپ تو سزا میں حد سے آگے بڑھے جا رہے ہیں۔ آپ کا حکم تھا کہ قیدیوں کو باندھا نہ جاتے۔ کیونکہ بندش انہیں نماز سے قیام کی حالت میں روک دے گی۔ اور یہ بھی حکم تھا کہ رات میں ہر قیدی کے طوق و سلاسل کھول دئے جائیں۔ بجز اس قیدی کے جس پر خون واجب ہو۔ آپ قیدیوں کو اتنا وظیفہ دیا کرتے تھے جو ان کی روٹی سالن کو کافی ہوتا تھا۔[1]

عمرؓ نے صرف ایک ترک قتل کرایا

عمرؓ نے لڑائیوں میں عورتوں، بچوں، قیدیوں اور زخمیوں کو قتل کرنا حرام قرار دے دیا تھا۔ اور قیدی کو اجازت تھی کہ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا مال ہے آپ نے بجز ایک ترک کے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا۔ ایک شخص نے جو اسے لے کر آیا تھا۔ آپ سے کہا۔ امیر المومنین! آپ اسے دیکھتے جب یہ مسلمانوں کو قتل کر رہا تھا۔ تو آپ ان مسلمانوں پر خوب روتے۔ آخر کار آپ نے اسے قتل کرا دیا۔[2]

آپ نے ایک چور کو معاف فرما دیا

ایک دن عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ چور نے آپ سے اپنی ضرورتوں کا عذر پیش کیا۔ آپ نے اسے معذور سمجھ کر معاف فرما دیا۔ اور اسے دس درہم دئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔[3] (غالباً چور اپنی جگہ پر سچا تھا)۔

ایک نادار کی فریاد

عمرؓ بوڑھوں اور کثیر الاولاد پر انتہائی شفیق اور مہربان تھے۔ اور یتیموں پر بھی۔ اور ضرورت مند بیواؤں پر بھی۔ ایک شخص آتا ہے اور آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے۔ امیر المومنین! میں سخت ضرورت مند ہوں اور فاقوں تک نوبت آپہنچی ہے۔ اور آپ کے سامنے اس وقت میرے کھڑے ہونے کے بارے میں اللہ آپ سے پوچھنے والا ہے۔ پوچھا! کتنے بچے ہیں۔ بولا! ہم پانچ آدمی ہیں۔ میں اور میری بیوی اور تین بچے۔ پھر آپ نے اس کا اور اس کے بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

---

[1]: الخراج لابی یوسف ص۱۵۰، حیات الحیوان ج۱ ص۹۸، ابن جوزی ص۹۷

[2]: فجر الاسلام ص۹۶ ط

[3]: ابن جوزی ص۵۷، ص۷۹، ابن الحکم ص۶۵، ص۱۷۷

ایک لونڈی کی درخواست پر فوری توجہ

مصر سے ڈاک نکلتی ہے جس میں سیاہ فرتونہ ذ دا صبح کا خط بھی ہوتا ہے۔ جس میں وہ لکھتی ہے کہ میرا ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ اس میں کوئی گھس کر میری مرغیاں چرا کر لے جاتا ہے۔ عمرؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط اللہ کے بندے عمرؒ امیر المومنین کی طرف سے فرتونہ کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ تیرا خط مجھے مل گیا اور معلوم ہوا کہ تیرے چھوٹے سے باغ میں کوئی شخص گھس کر تیری مرغیاں چرا کر لے جاتا ہے۔ میں نے تیرے بارے میں ایوب بن شرجیل کو خط لکھ دیا ہے۔ جس میں انہیں حکم دیا ہے کہ باغ کی دیوار بلند و مضبوط بنا دی جائے۔ تاکہ تیری چیزوں کی حفاظت ہو سکے۔ انشاء اللہ ایسا ہوگا۔ والسلام

آپ نے ایوب بن شرجیل کو جو صدقات مصر و حرب مصر کے افسر تھے لکھا: یہ خط عبداللہ عمرؒ المومنین کی طرف سے ابن شرجیل کو لکھا جا رہا ہے۔ اما بعد! فرتونہ ذی اصبح کی لونڈی نے مجھے لکھا ہے کہ میرا باغ چھوٹا ہے اور وہاں سے مرغیاں چرا لی جاتی ہیں۔ وہ درخواست کرتی ہے کہ اس کی چار دیواری کو مضبوط بنا دیا جائے۔ اور اسے محفوظ کر دیا جائے جب یہ خط ایوب کے پاس پہنچتا ہے تو ایوب بذاتِ خود سوار ہو کر جزیرہ پہنچتے ہیں۔ اور فرتونہ کا گھر معلوم کر کے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ بے چاری سیاہ فام اور غریب تھی۔ اور اسے امیر المومنین کے خط کی اطلاع دیتے ہیں اور اس کا باغ محفوظ کر دیتے ہیں۔

سیاہ فام فرتونہ عدالت کے حرفوں میں سے ایک حرف بھی نہیں پہچانتی تھی۔ لیکن اسے نفس معنی کا ذوق تھا جیسے فلاسفر اور علماء کو ہوا کرتا ہے۔ آخر کار اس نے دمشق میں خلیفہ کو لکھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ دمشق اور جزیرۃ الفسطاط میں کتنا فاصلہ ہے۔

عمرؒ کے پاس ایک عراقی عورت

عمرؒ کے پاس ایک عراقی عورت آتی ہے۔ پھر جب یہ خاتون آپ کے دروازے پر پہنچتی ہے تو پوچھتی ہے: کیا امیر المومنین کے دروازے پر کوئی دربان ہے؟ لوگوں نے کہا۔ نہیں۔ اگر تم چاہو تو اندر جا سکتی ہو۔ اس جیسی خاتون کے لئے آپ نے بلا اجازت اندر آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ یہ خاتون آپ کی رفیقہ حیات فاطمہ کے پاس جاتی ہے۔ فاطمہ کے ہاتھ میں روئی ہے جسے کات رہی ہیں۔ یہ انھیں سلام کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ پھر نگاہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھتی

ہے۔ تو گھر میں کوئی خاص واہم چیز نہیں دیکھتی۔ کہتی ہے۔ میں تو اس لئے آئی ہوں کہ اس ویران گھر سے اپنا گھر آباد کروں! فاطمہ اس سے فرماتی ہیں کہ تجھ جیسی خواتین کے گھروں کو آباد کرنے ہی نے یہ گھر اجاڑا ہے۔

عمرؒ آتے ہیں حتیٰ کہ گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر اس خاتون کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھتے ہیں کیا کام ہے؟ کہتی ہے۔ میں ایک عراقی عورت ہوں۔ میری پانچ ناز پروردہ بچیاں ہیں۔ جن کا ناداری کی وجہ سے کہیں سے پیام نہیں آتا۔ میں آپ کی حسن توجہ کی طلب میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے قلم دوات اور کاغذ منگوا کر عراق کے حاکم کو اس کے بارے میں لکھا۔ آپ نے ایک ایک بچی کا نام پوچھ کر اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ ہر ایک کے وظیفہ پر وہ خاتون اللہ کا شکر ادا کرتی رہی۔ جب آپ چار بچیوں کا وظیفہ مقرر کر چکے تو وہ پھولی نہ سمائی اور اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپ کے لئے دعا کرنے لگی۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا۔ ہم جب تک ان بچیوں کا وظیفہ مقرر کرتے رہے جب تک اس کا شکر ادا کرتی رہیں جو شکر کا اہل ہے۔ لہٰذا ان چاروں کو حکم کر دو کہ پانچویں کو بھی اس رزق میں سے دیں جو انھیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آخر کار وہ خاتون یہ خط لے کر عراق چلی گئی۔

خارجی اور حروریہ

عمرؒ نے خارجی اور حروریہ پر اس قدر عنایت و مہربانی کا اظہار فرمایا۔ کہ ان کے دل موہ لئے آپ کے پاس اس فرقے کے چند حضرات آئے۔ اور آپ سے کسی مسئلہ پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ آپ کے بعض رفقاء نے آپ کی طرف اشارہ بھی کیا۔ کہ آپ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر مرعوب کر دیں مگر آپ برابر ان سے پیار و محبت سے باتیں کرتے رہے۔ اور ان پر چھا گئے اور اس پر راضی ہو گئے کہ جو کچھ باقی ہے۔ وہی روٹی کپڑا انہیں دے دیا جاتے۔ آخر کار وہ خوش ہو کر چلے گئے۔

پھر جب وہ چلے گئے تو عمرؒ نے اپنے قریب کے شخص کے گھٹنہ کو ٹھوکر دے کر فرمایا دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی ایسی دوا ہو جس سے بلا داغ دینے کے بیمار کے اچھے ہونے کی توقع ہو تو خود اسے کبھی داغ نہ دینا[1]

ذمی

ان غیر مسلموں کے لئے جو جزیہ دیتے ہوں اور عیسائیوں کی عزت افزائی کے لئے یہ نام تجویز کیا گیا۔ یہ نام ان کے لئے اسلام ہی نے تجویز کیا ہے۔ بشرطیکہ وہ عہد اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اور مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ عمرؒ نے ان سے ایسا معاملہ کیا۔ جس کی بنیادیں احترام و محبت پر اٹھائی گئیں[2]۔ بلکہ آپ کے کوتوال آپ کی اجازت کے بغیر ہی ذمیوں سے مظالم دفع کر دیا کرتے تھے ایک دن آپ نے اپنے کوتوال عمرو بن مہاجر کو تلاش کرا کر بلوایا۔ پھر جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا: کہاں تھے؟ بولے! میں ایک اہل کتاب سے ظلم دفع کرنے کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔[3]

عمرؒ کا محبت و احترام کی بنیاد پر ذمیوں سے سلوک کرنا ٹھیک تھا۔ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ ذمی اسلامی حکومت میں رہ کر اپنے کو غیر محفوظ سمجھیں جیسا کہ حجاج نے ان کے ساتھ معاملہ کر رکھا تھا۔ حجاج نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ ذمیوں کے قلعے کے گوداموں پر مہر لگوا دیا کرتا تھا جب تک کہ وہ جزیہ ادا نہ کریں۔ مگر عمرؒ نے یہ بات ناپسند کی۔ تاکہ ذمیوں کے احترام کو ٹھیس نہ لگے[4]

ذمیوں کا خیال

عمرؒ نے ذمیوں کو تنگ کرنا نہیں چاہا۔ جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور

---

[1]: ابن جوزی صـ۶۲

[2]: تاریخ الشعوب الاسلامیہ ج ۱ صـ۱۸۴

[3]: ابن عبدالحکم صـ۱۶۴

[4]: ابن جوزی صـ۸۳

زمینوں میں کاشت کرتے رہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی معاشرت سال دو سال کے لیے نہ تھی۔ بلکہ عمر بھر کے لیے تھی[1]۔ اور عمرؒ نے حکمرانوں کو ذمیوں کے حقوق سکھانے میں سستی نہیں کی۔ آپ نے (اپنے کوفے کے عامل زید بن عبدالرحمٰن کو حکم فرمایا کہ ذمیوں کو تنگ کرنے سے باز رہیں آخرکار وہ رک گئے۔ اور آپ نے عبدالرحمٰن بن نعیم کو لکھا: کسی اس گرجا کو یا عبادت خانہ کو یا آتش کدے کو منہدم نہ کرو جس پر تم سے صلح کر لی گئی ہے[2]۔ اور جب بنی امیہ کے امراء نے سیاحت کا ارادہ کیا تو آپ نے ان سے یہ عہد لیا کہ ذمیوں کو نہ ستائیں۔ اور نہ قوم کے کسی آدمی کو تنگ کریں[3]

جزیہ میں تخفیف

عمرؒ نے شہر میں عیسائیوں پر جزیہ میں تخفیف کر دی۔ حتیٰ کہ قبرص اور ایلہ[4] اور نجران میں بھی جو عربی شہروں کے جنوب میں ہے[5]۔ ایلہ والوں پر تین سو دینار مقرر تھے۔ جب ایلہ سے یوحنا بن رؤبا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ اور آپؐ تبوک میں تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جزیہ پر اس سے صلح کر لی تھی۔ اور ہر بالغ پر سالانہ ایک دینار مقرر فرما دیا تھا۔ اور سب مل کر سالانہ تین سو دینار بنتے تھے۔ اور آپ نے یہ شرط لگائی تھی کہ ان کے پاس سے جو مسلمان گذرے گا۔ اسے کھانا بھی دینا ہوگا۔ اور آپ نے انہیں ایک تحریر لکھوا کر دے دی تھی۔ کہ ان کی حفاظت کی جائے۔ اور ان کی طرف سے دفاع کیا جائے عمرؒ نے ایلہ والوں سے تین سو دینار سے ایک دینار بھی زیادہ وصول نہیں کیا[6]

شرح چنگی

عمرؒ نے رئیس خراجِ مصر اسامہ بن زید کو قبطیوں کی حمایت ہی میں معزول کیا تھا۔ جب زریق بن حیان مصر کی چنگی پر مقرر تھے تو عمرؒ نے ایک خط کے ذریعے انھیں حکم فرمایا۔ کہ نقدی اور تجارتی مال میں چالیسواں حصہ وصول کیا جائے۔ اگر چالیس دینار سے کم نقدی یا مال ہو تو بیس دینار تک اسی حساب سے وصول کیا جائے۔ اور بیس دینار سے کم پر کچھ نہ

---

[1]: ابن عبدالحکم ص ۶۸

[2]: طبری ج ۵ ص ۳۶۴

[3]: ابن جوزی ص ۷۷

[4]: آج یہ ایک گھاٹی ہے۔ اور یہودی اسے ایلات کہتے ہیں۔

[5]: تاریخ الشعوب الاسلامیہ ج ۱ ص ۱۸۱

[6]: معجم البلدان ج ۱ ص ۳۹۱

لیا جائے اور ذمیوں سے تجارتی مال پر بیس دینار میں ایک دینار لیا جائے۔ اور دس دینار سے کم پر کچھ نہ لیا جائے۔[1]

عمرؓ پر ایک تاریخی داغ کا الزام

ذمیوں کی طرف سے عمرؓ پر بظاہر تاریخی داغ اس راہ سے آیا کہ آپ نے مصر کے قبطیوں کو ان کے علاقوں سے برطرف کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کے قبضہ میں میراث کا حساب تھا۔ کیونکہ ورثہ کا معاملہ ایک دینی عمل ہے۔ اس لئے عمرؓ نے ان سے لے کر اس پر مسلمانوں کو عامل بنا دیا۔ کیونکہ یہ عمل بہ نسبت محاسب کے قاضی کے عمل سے زیادہ مشابہ ہے۔ چونکہ عیسائیوں میں ورثہ کے لئے کوئی شرعی قانون نہیں۔ اس لئے آپ نے ان میں مسلمانوں کی طرح ورثہ رہنے دیا۔[2] لیکن ان کے ماسوا آپ بالکل بری الذمہ ہیں۔

پچھلے عبادتخانوں کی حفاظت

عمرؓ کے دل سے کبھی یہ بات اوجھل نہیں ہوئی کہ عبادت خانوں کا باقی رہنا قوم کے لئے موجب صلاح ہے۔ اور گرجے عبادت خانے ہی ہیں میں جاکر لوگ مہذب اور بااخلاق بنتے ہیں اور تکمرتے ہیں۔ آپ سے دو خارجیوں نے آکر ذمیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ان کے لئے ان کے عہد ہیں۔ انھوں نے پوچھا کیا انھیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی جاسکتی ہے۔ فرمایا! اللہ کسی کو اس کی طاقت کے اندر ہی تکلیف دیتا ہے۔ انہوں نے درخواست کی کہ اگر گرجے ڈھادئے جائیں۔ عمرؓ نے یہ بات نہیں مانی اور ان سے کہا: یہ گرجے میری رعایا کے صلاح میں شامل ہیں۔[3] پھر عمرؓ نے کسی پرانے گرجے کو نہیں ڈھایا۔ البتہ آپ نئے گرجے منہدم کرا دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ایسا ان زمانوں میں رواج تھا۔[4]

---

[1] : الخراج لابی یوسف صفحہ ۱۳۷

[2] : النجوم الزاھرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۳، الخراج لابی یوسف صفحہ ۱۳۱

[3] : ابن عبدالحکم صفحہ ۱۲۴

[4] : معلول تاریخ عرب میں عمرؓ پر زور شور سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ آپ کا ذمیوں کے ساتھ سلوک برا تھا۔ اس کتاب میں بار بار یہی الزام دہرایا گیا ہے۔ لیکن اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنی طرف سے ان کے معاملات میں تشدد اختیار نہیں کیا تھا۔ بلکہ ذمیوں نے فتح کے وقت خود ہی عمرؓ بن خطاب سے یہ شرطیں مقرر کرائی تھیں۔ اور اس سے پہلے ان کے اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تھے۔ پھر جب عمرؓ سریر آرائے خلافت ہوتے تو آپ نے ان شرائط

جانوروں پر نرمی عمرؓ کی شفقت و محبت و نرمی بڑھتی ہی رہی۔ حتیٰ کہ جانوروں کو بھی اس سے حصہ ملا۔ لوگوں کا ظلم جانوروں پر بڑھتا جارہا تھا گھوڑوں کے بھاری بھاری لگامیں ڈالی جاتی تھیں۔ اور جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادیا جاتا تھا اور ان کے جسم میں آریں گھونپی جاتی تھیں۔ تاکہ تیز چلیں اور لہو ولعب میں گھوڑے دوڑائے جاتے تھے۔ عمرؓ نے ڈاک کے گھوڑوں کے لیئے آرا گھونپنا منع فرمادیا اور اس قسم کا حکم امتناعی ہر جانور کے لیئے جاری فرمادیا۔ اور بھاری بھاری لگاموں سے منع کر دیا اور ناحق گھوڑوں کے دوڑانے سے لوگوں کو روک دیا۔ اور عبدالرحمٰن بن نعیم کو جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی تھا: بکری کو مذبح تک گھسیٹ کر نہ لے جاؤ۔ اور ذبح کئے جانے والے جانوروں کے سامنے چھری تیز نہ کرو[1] ۔ اور آپ نے مصر کے والی کو لکھا: مجھے خبر ملی ہے کہ مصر میں لدو اونٹ ہیں۔ اور لوگ ایک ایک اونٹ پر ایک ایک ہزار رطل (ساڑھے بارہ من) بوجھ لادیتے ہیں۔ جب میرا یہ فرمان تمہارے پاس پہنچ جائے تو چھ سو رطل سے زیادہ کسی اونٹ پر بوجھ نہ لادا جائے[2]

اصلاحات آبادی کے دو مقصد ہوتے ہیں۔ حسن و جمال اور فراخی، و کثرت پیداوار۔ اول الذکر کے لیئے عمرؒ مرحوم کے ساتھ ساتھ سرگرم عمل بھی رہے۔ اگر اس میں بعض امور حائل نہ ہوتے تو حسن و جمال میں تکمیل کو پہنچ جاتا۔ اور ہر در و دیوار میں اس کی میخیں گڑ جاتیں۔ رہا خوشحالی

(بقیہ صفحہ ۲۲۳ سے) وعہدوں میں استحکام فرمادیا۔ قاضی ابو یوسف نے ہارون الرشید کو اسی طرح سمجھایا تھا۔ دیکھو:۔

الخراج لابی یوسف ص ۱۲۷

العقد الفرید ج ۲ ص ۴۳۶

تاریخ العرب المطول ص ۳۶۳

تاریخ دمشق ص ۵۷۹، ص ۵۸۴

[1]: الخراج لابی یوسف ص ۱۸۹

[2]: طبقات ج ۵ ص ۳۲۳

[3]: ابن عبدالحکم ص ۱۴۹

و کثرت پیداوار کا مقصد، سو یہ مقصد ہمیشہ پیش نظر رہا۔ اور آپ نے کنویں کھودنے کی یا سرائیں بنانے کی یا زمین درست کرنے کی اسی وقت اجازت دے دی۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ چیزیں لوگوں کو فائدہ پہنچائیں گی۔ آپ کے پاس عدی بن فضیل آکر عذبہ میں ایک کنوآں کھودنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھتے ہیں عذبہ کہاں ہے؟ عدی جواب دیتے ہیں بصرہ سے دو دن کی مسافت پر۔ عمرؓ اس پر کہ اس جیسی جگہ پر پانی نہ ہو افسوس کرتے ہیں۔ پھر آپ انہیں کنوآں کھودنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اور یہ شرط لگا دیتے ہیں کہ سب سے پہلے اور سب مسافر اس کے پانی کے حقدار ہیں[1]

مسافروں کے لئے سرائیں بنوانے کا حکم

جب عمرؓ نے دور کے شہروں میں سرائیں بنوانے کا حکم صادر فرمایا۔ تو سلیمان بن ابی السری کو لکھا: کہ سرائیں بنواؤ اور مسلمان مسافروں کو ان میں ایک دن رات مفت ٹھہراؤ۔ اور ان کے جانوروں کی دیکھ بھال رکھو۔ اور بیماروں کو دو دن ٹھہراؤ۔ اور اگر کسی کے پاس سفر کا خرچ نہ ہو تو اسے اس کے شہر تک پہنچاؤ[2]

کاشت کے لئے زمین درست کرنے کا حکم

رہی کاشت کے لئے زمین کی اصلاح سو اس کی اہمیت آپ نے ہمیشہ پیش نظر رکھی۔ آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو خراج کے بارے میں جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی تھا، اور غیر آباد زمین پر توجہ دو اگر اس میں اصلاح کی ذرا سی بھی گنجائش ہو تو اسے درست کرا دو تاکہ اس میں کاشت ہونے لگے[3]

دمشق کی جامع مسجد

بہت پرانے زمانے میں مسجد دمشق کی جگہ مشتری کا صنم کدہ تھا (مشتری کلدانیوں کا ایک معبود تھا)۔ کیونکہ کلدانیوں کے زعم میں مشتری دیانتوں اور عبادتوں کا طالع تھا۔ پھر یہ صنم کدہ عیسائیوں کے زمانے میں دمشق والوں کے لئے گرجا بنوا لیا گیا۔ اور قدیس یوحنا کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر جب مسلمانوں

---

[1]: الکامل للمبرد ج ۱ ص ۹۱ : عذبہ ایک مقام کا نام ہے جو اپنے میٹھے پانی کے لئے مشہور تھا۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۱۲۰ کے خیال میں یہ شہر سلطنت حیرہ کا ایک شہر تھا جس کی شہرت ختم ہو گئی۔

[2]: تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۸۴

[3]: الخراج لابی یوسف ص ۸۶

لے دمشق فتح کر لیا تو یہ شہر آدھا جنگ سے فتح کیا گیا تھا اور آدھا صلح سے۔ ابو عبیدہ مغربی سمت سے امن کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور خالد بن ولید مشرقی سمت سے لڑتے ہوئے داخل ہوتے۔ پھر دونوں اسلامی لشکر بڑے گرجے کے پاس آملے۔ لیکن شہریوں پر ترس کھا کر اور ان کا احترام کرتے ہوتے دمشق صلح سے فتح کئے ہوئے شہروں ہی میں شمار کیا گیا۔ یہ حکم تو شہر دمشق کا تھا۔ لیکن فصیل سے باہر والا علاقہ جنگ ہی سے فتح ہوا تھا۔ اور اسی حکم پر شمار کیا گیا۔ دمشق کے مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں نے پرانے گرجے خواہ وہ علاقے صلح سے فتح کئے ہوں۔ یا جنگ سے اِن کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور انہیں چھوا تک نہ تھا۔ اور پجاریوں کو ان کے اندر عبادت کی آزادی دے دی تھی۔ اور خالد بن ولید نے دمشق والوں کو یہ تحریر لکھ دی تھی: میں نے تمہیں تمہاری جانوں کے، اولاد کے، مال کے اور گرجوں کے بارے میں امن دے دی۔ اس امن نامہ پر ابو عبیدہ عامر بن الجراح کی اور یزید بن ابی سفیان کی اور شرحبیل بن حسنہ کی گواہیاں ہوئیں[2]

مسجد مشتری کے دو حصے

لیکن بڑے گرجے کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا تاکہ جنگ و صلح کی طرف اشارہ رہے۔ اِس لئے آدھا گرجا عیسائیوں کے پاس رہا اور آدھے کو مسلمانوں نے مسجد میں منتقل کر دیا۔ اور دونوں حصوں میں دونوں گروہ ایک دوسرے کے پڑوس میں عبادت کرنے لگے پھر مسلمانوں کو عیسائیوں کی ہمسائیگی سے عبادت میں ایذا پہنچنے لگی۔ اور فتح کے وقت سے برابر یہی حال رہا۔ حتیٰ کہ ولید بن عبدالملک برسر اقتدار آتے۔ اور آپ نے اپنے حسن تدبیر سے دمشق کے عیسائیوں کی رضا سے باقی گرجا بھی مسلمانوں ہی کو دلوا دیا۔

شامیوں کی نگاہ میں ولید خلفاءؒ میں افضل سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے مسجدیں بنوائیں اور ان میں منبر نصب کروائے۔ مسجد دمشق، مسجد مدینہ، اور مسجد اقصیٰ بنوائی اور قبۃ الصخرہ بنوایا جب آپ نے مسجد دمشق بنوانے کا ارادہ کیا تو آدھے میں جو گرجا تھا۔ دمشق کے عیسائیوں کی اجازت سے اِسے منہدم کر کے مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ اور اس کے بدلے انھیں کنیسۂ مریم دے

لہ: مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۲

۲ہ: تاریخ مدینۂ دمشق ص ۵۶۹

دیا گیا[1] پھر ولید نے یہاں ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ اور اس کی عمارت نہایت مضبوط و مستحکم بنوائی۔ انہوں نے ساری مسجد منہدم نہیں کرائی تھی۔ بلکہ کہیں کہیں باقی بھی چھوڑ دی تھی[2]

مسجد دمشق کی ابتدا

ولید نے اس مسجد کی ابتداء اس سن میں کی تھی جس سن میں عمرؓ بن عبدالعزیز مدینہ کے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ اس مسجد کی پوری سرگرمی اور دوڑ دھوپ کے ساتھ برابر تعمیر و تزئین ہوتی رہی۔ اور بیس سال سے زیادہ تک جاری رہی۔ اور عہد سلیمان میں مکمل ہوئی۔ اس کی تعمیر میں بارہ ہزار معماروں اور کاریگروں نے حصہ لیا۔ حتیٰ کہ یہ پرانی دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے لگی۔ پرانے زمانے میں بھی صنم کدہ ہونے کی وجہ سے اس کا عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ کلدانیوں کے معبود مشتری کا ایک صنم کدہ تھا[3] مسجد کی دیوار نیچی تھی۔ ولید نے اونچی کرادی۔ جب ولید کو بیرونِ ملک کے معماروں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے شاہ روم کو لکھا کہ میرے پاس اتنے اتنے معمار جو اپنے فن میں ماہر

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲ ، حیات الحیوان ج ۱ ص ۶۶

یہ کنیسہ آج مریمیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پرانے دمشق کے مشرقی کنارے دروازے کے قریب ہے جو غوطہ کے پاس ہے۔ اور اس کے دروازے ہی میں مسجد کا ایک منارہ ہے۔ جو آج ٹوٹا پھوٹا اور معطل ہے (عبدالعزیز مصنف کتاب ہذا فرماتے ہیں) میں نے ۱۴ جون ۱۹۵۳ء میں ہفتہ کے دن اسے دیکھا تھا۔ میں اس کے اندر گیا تو سامنے والی دیوار میں محراب کی چھوٹی ہوئی جگہ دیکھی۔ اس جگہ حضرت مسیح کی مورتی رکھی ہوئی تھی اور محراب ایک چینی ٹھکنے سے جو نیلا اور سفید تھا بند تھی۔ اس گرجا کی تمام دیواریں اسی طرح تھیں البتہ ۱۸۶۰ء میں اس میں آگ لگ گئی تھی۔ میرے پوچھنے پر مجھے بتایا گیا کہ اس کا رقبہ مسجد اموی کے برابر ہے۔ اس کے چاروں طرف زرعی زمین چھوٹی ہوئی تھی جسے ارض بطریرکیہ کہا جاتا تھا۔ اب تو اس میں بہت سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ توما کے نام سے وہاں کوئی گرجا نہیں پایا جاتا البتہ دمشق میں ایک محلہ ہے جسے باب توما کہا جاتا ہے۔ اور اسی کے قریب عیسائی زیارت کرنے والوں کے لئے مختلف سات گرجے ہیں۔ یہ محلہ اس قدر پھیلا ہوا ہے کہ کنیسہ مریمیہ سے جا ملا ہے۔

[2] مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۷۹

[3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۹۷

ہوں بھیج دو۔ ورنہ میں چڑھائی کر دوں گا۔ شاہ روم نے دو سو ماہر معمار بھیج دیے[1] معمار مسجد بنا رہے تھے کہ اس کا ایک گنبد گر گیا۔ گویا اس سے بیزنطہ کے معماروں کی خیانت ظاہر ہو گئی۔ انہوں نے یہ گنبد کمزور بنایا تھا تاکہ ادھر وہ دمشق چھوڑ کر جائیں اور ادھر یہ گنبد گر جائے۔ لیکن ولید نے ان کی بدمعاشی بھانپ لی تھی۔ ولید نے آکر خود گنبد کو درست کرایا اور معماروں کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی سلیمان کو چھوڑ گیا اور تاکید کر گیا کہ سلیمان یہاں سے ہٹیں نہیں۔ جب تک اچھی طرح سے معمار عمارت کو مکمل نہ کر لیں۔ پھر یہ گنبد دوسری بار انتہائی مضبوط بنایا گیا۔ اور اس کا کلس سونے کا بنوایا گیا۔

اِس مسجد کی تعمیر میں اہلِ دمشق اور نواح کے لوگوں نے حصہ لیا۔ پھر مصری اور عراقی فوج نے بھی حصہ لیا۔ اگر کسی شامی کے پاس ایک پیسہ بھی بچتا تھا تو وہ اسے مسجد کے لئے مسجد کے خزانہ میں جمع کر دیا کرتا تھا۔ لوگوں نے طرح طرح کے پتھر اور سنگ مرمر اس قدر جمع کر دیئے تھے جن کی قیمت اللہ ہی جانتا ہے اور اس کی دیواریں نقش و نگار اور رنگ برنگ کے پتھروں سے آراستہ کی گئی تھیں۔

مسجد دمشق کی تعمیر پر خرچہ

اس پر ولید نے اشرفیوں کے چار صندوق خرچ کئے تھے۔ ہر صندوق میں بارہ ہزار اشرفیاں تھیں یعنی ۴۸۰۰۰ اشرفیاں خرچ کی تھیں۔ پھر ولید کو معلوم ہوا کہ دمشق والے یہ افواہ اڑا رہے ہیں کہ ولید نے ملک تمام بیت المال کو دیواروں اور لکڑیوں کے نقش و نگار میں برباد کر ڈالا۔ آخر کار ولید نے ان سے کہا۔ دمشق والو! میں نے تم کو دیکھا ہے کہ تم اپنے پانی، ہوا، پھلوں اور حماموں پر فخر کرتے ہو۔ اس لئے میں نے تمہارے فخر کے لئے ایک پانچویں چیز بھی فراہم کر دی۔ پھر ولید فوت ہو گئے اور مسجد کی تعمیر تکمیلی مراحل طے نہ کر سکی۔ اسے ان کے بھائی سلیمان نے مکمل کرا دیا۔ جب اس کی تعمیر و تزئین مکمل ہو گئی تو اس میں چھ سو زنجیریں سونے کی معلق کی گئیں۔ جن میں قندیلیں لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ زنجیریں عمرؓ کے زمانے تک اس میں قائم رہیں[2]۔

عہد عمرؓ میں عیسائیوں کا مطالبہ

پھر جب عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوتے اور آپ نے عدل و

---

[1]: مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۳

[2]: حیاۃ الحیوان ج ۱ ص ۶۶

انصاف کا اور محبت و شفقت کا بیڑا اٹھایا۔ تو عیسائیوں نے آپ کے پاس آ کر کہا۔ امیرالمؤمنین آپ کو ہمارے گرجا کا حال معلوم ہی ہے۔ فرمایا! گرجا تو مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اور دمشق کا بیرونی حصہ جنگ سے فتح ہوا تھا۔ ہم تمہارا گرجا تم کو دے دیں گے اور توما کا گرجا منہدم کرا دیں گے اور وہاں مسجد بنوا دیں گے کیونکہ وہ حصہ جنگ سے فتح ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا: بلکہ ہم چھوڑ دیں گے۔ آپ ہمارے لیے کنیسہ توما چھوڑ دیں۔

گرجا کی قیمت عیسائیوں نے نامنظور کی

ابن معلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے ولید بن مسلم نے ابن جابر سے خبر دی ہے کہ عیسائیوں نے عمرؓ کو اپنے گرجوں کی شرطوں کے بارے میں خبر دی۔ آپ نے ان سے گفتگو کی۔ اور ان کو آپ نے قیمت دینی چاہی جو بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی مگر پھر بھی انہوں نے منظور نہیں کی۔

گرجا واپس لوٹانے کا حکم

آخر کار آپ نے محمد بن سوید فہری کو لکھا کہ عیسائیوں کا گرجا واپس کر دیا جائے۔ الّا یہ کہ وہ خوشی سے چھوڑنے پر راضی ہوں۔

اس حکم پر مسلمانوں کا اظہار غم و غصہ

مسلمانوں کو عمرؓ کا یہ حکم ناگوار گذرا۔ ان میں سے چند علماء بقید حیات تھے۔ ان سے محمد بن سوید والئ دمشق نے مشورہ کیا اور علماء سے کہا یہ ایک عظیم مسئلہ ہے۔ ہم انہیں مسجد دے دیں گے۔ حالانکہ ہم اس میں نمازوں کے لیے اذانیں دے چکے ہیں؟ کیا مسجد منہدم کرا کے گرجا بنوا دی جائے گی۔

اس کا ایک حل جو عیسائیوں نے بھی مان لیا

ان میں سے ایک شخص بولا۔ اس مسئلہ کا ایک حل ہے عیسائیوں کے شہر کے اردگرد بڑے بڑے گرجے ہیں جیسے دیر مران، باب توما، اور الراہب وغیرہ۔ اگر عیسائی اپنا یہ گرجا مانگتے ہیں تو ہم دینے کو تیار ہیں۔ مگر شہر کے اردگرد کے تمام گرجے منہدم کرا دئے جائیں گے۔ اور اگر وہ چاہیں تو ان کے تمام گرجے چھوڑ دئے جائیں۔ اور وہ ہمارے لیے یہ گرجا چھوڑ دیں جو مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے۔ ہم انہیں اس سلسلے میں ایک دستاویز لکھ کر دے دیں گے۔ پھر یہ حل ان کے سامنے رکھا گیا تو انھوں نے غور کرنے کے لیے وقت مانگا انہیں تین دن کی مہلت دے دی گئی۔ پھر انہوں نے محمد بن سوید سے کہا۔ ہمیں یہ حل منظور ہے۔

ہم یہ حل خلیفہ کو لکھ دیتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لئے غوطہ کے گرجوں کی تحریر لکھ دیں چنانچہ عمرؓ کو یہ حل لکھا گیا جس سے آپ کو مسرت ہوئی اور آپ نے انہیں تحریر لکھ دی کہ ان کے گرجے انہدام ورہائش سے محفوظ رہیں۔ اور اس تحریر پر کئی گواہوں کے دستخط کرا لیے۔[1]

مساجد کی بیکار چیزیں ہٹاکر مسجدیں سادہ رکھنے کا عزم

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا اور عمرؓ اصلاحات کے درپے تھے۔ آپ نے کعبہ پر، مسجد نبویؐ پر اور مسجد دمشق پر غور کیا۔ اور آپ کو سونے کے پترے، قندیلوں کے لیے سونے کی زنجیریں، سنگ مرمر اور رنگ برنگ کے پتھر یاد آئے۔ آپ کے نزدیک عدل اور لوگوں کو خوشحال بنانا شہروں کی انجنیئری سے اور ان کی تنظیم سے اور مساجد کی ترمیم سے اور ان پر سونے کے خول چڑھانے سے بہتر تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا! میں نے کچھ مال ایسے دیکھے ہیں جو ناحق خرچ کر دئے گئے ہیں۔ میں انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر واپس لینے والا ہوں۔ اور میں اس قسم کا تمام مال جمع کرانے والا ہوں۔ اور رنگ برنگ کے پتھر اور سنگ مرمر کو اکھڑوا دینے والا ہوں اور ان کی جگہ پلاسٹر کرا دوں گا۔ اس طرح سونے کی زنجیریں بیت المال میں جمع کرا دوں گا اور ان کی جگہ رسیاں لٹکوا دوں گا۔ اور تمام اندرونی چیزوں کو نکلوا کر اور انہیں بیت المال میں جمع کرا دوں گا۔ خواہ وہ مسجد نبویؐ کی ہوں یا مسجدِ دمشق کی پھر سب سے پہلے عمرؓ نے سونے کی زنجیریں نکلوائیں۔ کیونکہ یہ ہاتھوں ہاتھ بازار میں نکلنے والی تھیں۔ اور انہیں فروخت کرکے ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرادی۔ اور سونے کی جگہ تانبے اور لوہے کی زنجیریں بنوا دیں۔[2]

اِس عزم سے اہل دمشق میں غم و غصہ کی لہر

عمرؓ کا یہ کام دمشق والوں کو بڑا ناگوار گذرا۔ اس حال میں کہ عمرؓ دیر سمعان میں تفریح کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کہ آپ کے پاس دمشق کے شرفاء جن میں خالد بن عبداللہ قسری بھی تھے۔ پہنچ گئے۔ خالد بولے اگر کہو تو میں خلیفہ سے گفتگو کروں؟ شرفاء نے اجازت دے دی پھر جب دیر سمعان پہنچے تو آپ کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے

---

[1]: ابن الاثیر ج ۵ ص ۵، مسالک الابصار ص ۱۹۰

[2]: حیاۃ الحیوان ج ۱ ص ۶۶

دی۔ خالد بولے۔ امیرالمومنین! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ نے فلاں فلاں ارادہ کیا ہے۔ فرمایا! ہاں۔ خالد بولے۔ اللہ کی قسم ایسا آپ کے لئے مناسب نہیں۔ یہ سن کر عمرؒ طیش میں آگئے اور ان کی تیزی لوٹ آئی اور آپ نے فرمایا۔ ایسا کس کے لائق ہے؟ کیا تیری کا فرماں کے لائق ہے؟ خالد! ایک عیسائی ام ولد کے بیٹے تھے۔ مگر یہ قول عمرؒ کی شان کے لائق نہ تھا مگر حدت طبع کبھی آپ سے ہٹتی نہ تھی۔ اور آپ کے قدم پھسلا دیا کرتی تھی۔ خالد بولے اگر وہ کافرہ تھیں تو انہوں نے مومن بیٹا جنا! عمرؒ شرما کر بولے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اچھا تو تمہارا مقصد کیا ہے؟ اللہ کی قسم ایسا میرے لائق نہ تھا! خالد بولے۔ اس لئے کہ ہم شامی ہیں اور ہمارے بھائی مصری اور عراقی ہیں اور ہم سب مجاہد ہیں۔ ہم میں سے ایک ایک شخص پر فرض کیا جاتا ہے کہ روم سے چھوٹے رنگ برنگ کے پتھروں کا بورا اٹھا کر لے جائے اور ایک ہاتھ مربع سنگِ مرمر اٹھا کر لے جاتے۔ چنانچہ اسے عراق دھلب والے لاد کر حلب لاتے ہیں پھر کرایہ دے کر دمشق لاتے ہیں اور حمص والے حمص لاتے ہیں۔ پھر کرایہ ادا کر کے دمشق لاتے ہیں اور شام والے اور آس پاس والے اپنا حصہ دمشق پہنچاتے ہیں۔ میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا کہ یہ آپ کے لائق نہ تھا۔ اس پر عمرؒ خاموش ہو جاتے ہیں۔

عملی کارروائی

عمرؒ اپنے ارادے پر نہ صرف مصر ہی رہے۔ بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے پر اتر آئے۔ آپ نے سوچا سب سے پہلے مسجد کا قبہ سونے سے صاف کیا جائے۔ کیونکہ یہ نمازیوں کو نماز سے بے خبر کر دیتا ہے۔ آخر کار لوگوں نے آپ سے کہا۔ امیرالمومنین اس پر مسلمانوں کا مال فے اور ان کے عطیات صرف کئے گئے ہیں۔ اور اس سے کوئی زیادہ مفید نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔ آخر آپ نے اسے چونے سے سفید بنانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ سے کہا گیا آپ اس طرح تمام لاگت کو ضائع کر دیں گے۔ پھر آپ نے اسے کنکروں سے ڈھانپنا چاہا۔ اس پر آپ سے کہا گیا۔ کیا آپ کعبہ کی نقل اتارنا چاہتے ہیں؟

دس رومیوں کی آمد

آپ اسی حال میں تھے کہ آپ کے پاس سے ڈاک کا ہرکارہ آگیا۔ اس نے والیٔ مصر کی طرف سے پیام دیا کہ روم سے ایک کشتی آئی ہے جس میں دس رومی ہیں۔ اور وہ امیرالمومنین سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں آپ نے انہیں اجازت دے دی اور حکم فرما دیا کہ ان کے ساتھ دس ایسے مسلمان رہیں جو رومی زبان اچھی طرح بول سکتے ہوں۔ یعنی ہر ایک کے ساتھ ایک ایک مسلمان رہے اور انہیں یہ

نہ بتائے کہ میں رومی زبان جانتا ہوں۔ حتیٰ کہ ان کی تمام باتیں مجھ تک پہنچا دیں۔ بجز رئیس کے۔ چنانچہ وہ دس رومی دمشق میں آ گئے۔ اور باب برید کے باہر ٹھہر گئے۔ پھر انہوں نے مسلمانوں کے سردار سے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ صحن سے گذرتے ہوئے اس دروازے سے داخل ہوئے جو قبلہ رُخ ہے اور سب سے پہلے یہیں آ کر کھڑے ہوئے پھر انہوں نے سر اٹھا کر گنبد دیکھا۔ اور ان سے ان کے رئیس نے پوچھا۔ اسلام کی کتنی مدّت ہے؟ دوسروں نے جواب دیا۔ سو سال۔ اس نے کہا تم کیسے ان کا امیر حقیر جانتے ہو؟ ایک بڑے بادشاہ ہی نے یہ عمارت بنوائی ہے۔ یہ ابھی بات ختم کرنے بھی نہ پایا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پھر اسے گھر لے جایا گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ہوش میں آ گیا۔ پھر اس سے اس کے رفقائے رومی زبان میں پوچھا۔ آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ اور آپ کیوں بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس نے کہا! ہم رومیوں میں یہ بات مشہور ہے کہ عربوں کی مدت ملازمت تھوڑی ہے۔ پھر جب میں نے ان کی بنائی ہوئی عظیم الشان عمارت دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب ان کی مدت عنقریب ختم ہو جانے والی ہے۔ اسی لیئے میں بے ہوش ہو گیا۔ یعنی مسرت کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ پھر جب مسلمان سراغرساں عمرؓ کے پاس آئے تو آپ کو ان کی باتوں کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا! چونکہ دشمن نے غصہ دلا دیا۔ اس لئے میں اسے چھوڑتا ہوں۔ اور آپ نے اس کے ساتھ جو ارادہ فرمایا تھا چھوڑ دیا۔[1]

حسن بیان

عمرؓ کو غلط گفتگو ناپسند تھی۔ یعنی ایسی گفتگو میں جس میں صرف و نحو کی غلطیاں ہوں اور نہ ایسی گفتگو پسند تھی جو حق سے تجاوز کر جانے والی ہو۔ اور نہ سخت کلامی پسند تھی۔ قواعد زبان کے خلاف غلطیوں کی وجہ سے آپ کو ولید سے نفرت تھی اور ظالمانہ کلام کی وجہ سے حجاج سے نفرت تھی۔ اور سخت کلامی کی وجہ سے سخت کلام والوں کو ادب سکھانے کی وجہ سے آپ کاتب مقرر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ فہم کلام کے لئے آپ کا ذوق حساس و لطیف تھا۔ کیونکہ سیاسی اور اجتماعی مسائل سے آپ کو واسطہ رہتا تھا جن میں لطیف شعور و احساس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور آپ کو شروع ہی سے علوم دینیہ سے خصوصاً حدیث و قرآن سے شغف تھا۔ اسی شغف نے خالص عربوں میں آپ کی لغوی حسن تمیز

---

[1] : مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۹۰، ص ۱۹۱، ص ۱۹۲

کر دی تھی۔ کیونکہ اس میں عشر تیز ہوتے ہی ہیں

مزاحم نے ایک شعر پڑھا تو آپ نے فرمایا قرآن کی فلاں آیت پڑھی ہوتی

ایک دفعہ عمرؓ آلِ جفنہ کے محل سے گذر رہے تھے کہ آپ کے غلام مزاحم نے کسی کا یہ شعر پڑھا ہے

ماذا اومل بعدِ قول محرق
ترکوا منازلھم ولبعد ایادٍ

یعنی میں محرق کے اس قول (لوگ اپنے اپنے گھر چھوڑ گئے) کے بعد اور ایاد کے بعد کیا توقع رکھوں؟

جب مزاحم اشعار سُنا چکے تو عمرؓ بولے۔ تم نے یہ آیت کیوں نہ پڑھ دی۔

کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیھا فاکھین کذالک واورثناھا قوما اخرین[1]۔

یعنی وہ بہت سے باغات سبز کھیتیاں، عزت والے مقام اور نعمتیں جن میں مزے اڑایا کرتے تھے۔ چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسا ہی ہوا اور ان کا ہم نے دوسروں کو وارث بنا دیا۔

عمرؓ خوبصورت کلام پسند فرماتے تھے

عمر شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے شعر تھوڑے ہیں مگر نہایت نفیس۔ لیکن عہدِ خلافت میں آپ نے شعر چھوڑ دیے تھے[2]۔

جب ایک شخص نے آپ کے سامنے دوسرے شخص سے کہا۔ تیری بغل کے نیچے تو عمرؓ کانپ اُٹھے۔ اور فرمایا! مقدور بھر اچھے الفاظ استعمال کرنے میں کیا نقصان ہے؟ لوگوں نے پوچھا اچھے الفاظ کیا ہیں؟ فرمایا! اگر تحت یدک (تیرے ہاتھ کے نیچے) کہہ دیتا تو انتہائی خوبصورت جملہ تھا!

آپ کے اندر کلام کی بے پناہ پرکھ

آپ کے پاس ایک کاتب لایا گیا۔ کہ آپ کا محرر بن جائے۔ یہ محرر مسلمان تھا مگر اس کا باپ کافر تھا۔ آپ نے لانے والے سے کہا۔ کاش! اس کام کے لئے تم کسی مہاجر کے بیٹے کو لاتے! محرر بولا

---

[1]: معجم البلدان ج ۲ ص ۲۶۶

[2]: العمدۃ ج ۱ ص ۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے باپ کے کفر نے ضرر نہیں پہنچایا۔ آپ نے فرمایا! تو آپؐ کو (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مثال میں پیش کیا۔ اس لئے تو میرا کبھی محرر نہیں ہو سکتا[1]

عمرؓ کے نزدیک بلا عمل کے قول ہیچ تھا

عمرؓ اس قول کو کچھ نہیں سمجھتے جس کی تصدیق عمل نہ کرے۔ بلکہ آپ عمل و قول کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔ اور ایک کو دوسرے کا جزو خیال فرماتے تھے۔ اور بلا عمل کے کلام کرنے والے کو ایسا گناہ گار سمجھتے تھے۔ جو کثرت سے گناہوں میں لتھڑا ہوا رہتا ہو[2]۔ غالباً آپ کا ذہن اس کی طرف اس وقت پورا پورا منتقل ہوا ہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں نے حجاج کے سامنے جا کر اس کے ظلم سے بچنے کے لئے طرح طرح کے جھوٹ اور قسم قسم کا کذب سیکھ لیا۔ عمرؓ اس کے بعد اٹھے اور لوگوں کو اس کی پیروی سے منع کرتے رہے۔ اور انہیں سچی زندگی کا سبق دیتے رہے جس میں قول کی راہ عمل کی راہ سے الگ نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ ان دونوں کی ایک ہی راہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی ہدایت و ثواب کا جویا ہو

سچی گفتگو سحر حلال ہے

عمرؓ نے سچے کلام کو سحر حلال سے پکارا ہے۔ خود عمرؓ جب کلام فرماتے تو آپ کی نیت میں خلوص اور دل میں صداقت ہوتی تھی اسی لئے لوگوں کے کانوں نے آپ کے زمانے میں اور خود آپ سے پر خلوص اور سچی باتیں سنیں۔ جو اب سے پہلے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے کسی سے نہیں سنی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ کی سیدھی سادی نصیحت اور سادہ قرآن پاک کی تلاوت دلوں میں ہیجان پیدا کر دیا کرتی تھی اور آلام و ہموم جگا دیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے منبر پر خطبہ میں اذا الشمس قرأت سے پڑھی۔ پڑھتے وقت آپ کی آواز میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لوگ اس قدر روئے کہ ساری مسجد گونج اٹھی۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے لوگوں کے ساتھ مسجد کے در و دیوار بھی گریاں ہیں۔

حتیٰ کہ جب آپ نے دیکھا کہ آپ کی بات لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کر گئی ہے۔ اور بلاغت نے آپ کے دل موہ لئے ہیں تو آپ اس ڈر سے خاموش ہو گئے کہ کہیں کلام کی لطافت و گونج اس کے معنی پر غالب نہ آجائے۔ اور فخر کے خوف سے بھی۔ باوجودیکہ آپ کلام میں سخت محتاط تھے

---

[1]: ابن جوزی ص۲۴۰، ص۲۴۱

[2]: طبری ج۸ ص۱۲۲

تھے۔ اور حق گوئی کی بے پناہ تڑپ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ کلام میں انتہائی احتیاط برتنے والا عمرؒ سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا گیا۔ تاہم آپ قطع کلام کر دیا کرتے تھے۔ جب دیکھتے کہ لوگ اس سے فتنہ میں پڑ جائیں گے۔

عید کا ایک پراثر اور رلا دینے والا خطبہ

ایک دن آپ نے عید کا خطبہ دیا خطبہ میں کمال سوز و گداز تھا۔ آپ نے اپنے دائیں بائیں تمام لوگوں کو رُلا دیا۔ پھر خاموش ہو گئے اور تکمیل کا لوگوں کا انتظار ہی باقی رہ گیا۔ آپ منبر سے اُتر بھی آتے۔ رجاء نے آپ کے قریب آکر آپ سے کہا۔ امیرالمومنین! آپ نے ایسا وعظ فرمایا جس نے لوگوں کے دِل نرم کر دیتے اور انھیں رُلا دیا۔ پھر سخت ضرورت کے وقت آپ خاموش ہو گئے۔ فرمایا! رجاء، مجھے فخر و مباہات پسند نہیں[1]۔

حسن ادا میں کمال

عمرؒ جیسے صادق القول تھے اسی طرح حسن ادا میں بھی کمال رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ چلتے چلتے آدمی بھی آپ کی باتیں سننے کے لئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ اور مسافر بھی تمنا کیا کرتے تھے کہ اے کاش! حالت سفر میں نہ ہوتے۔ آپ کا ایک خطبہ مدی بن فضیل نے سنایا۔ یہ شخص قولِ بلیغ اور حسنِ ادا کا بڑا شوقین تھا۔ مدی مسافر تھا کہ اس نے آپ کا جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے ٹھہر جانا پسند کیا اور برابر ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔ وہ محض جمعہ کے دن آپ کے خطبہ کے انتظار میں رہتا تھا۔ اور اسی غرض سے ٹھہرا تھا[2]۔

عمرؒ کے اکثر جملے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں

عمرؒ کا کوئی خطبہ کوئی خط، کوئی کلام اور کوئی مختصر راتے اور فرمان ایسا نہ ہوتا تھا جس کا بلاغت میں کوئی خاص مقام نہ ہو۔ آپ کے بہت سے جملے حکمتوں کی جگہ استعمال کئے جاتے تھے۔ مثلاً :-

۱۔ اس کی امیدوں کا دامن وسیع نہیں ہونا چاہیئے۔ جسے معلوم نہیں شاید وہ صبح کے بعد شام تک اور شام کے بعد صبح تک زندہ بھی رہے گا کہ نہیں۔ اور شاید صبح و شام کے درمیان موت آکر اسے اُچک نہ لے۔

---

[1] : ابن جوزی ص۱۹۳، ص۱۸۵۔ العقد الفرید ج ص۶۲

[2] : الکامل للمبرد ج ص۹۱

۲۔ دیکھو میں موجد نہیں بلکہ پیروکار ہوں۔
۳۔ خالق کے گناہ میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔
۴۔ گناہ لوگوں کی گردنوں میں طوق ہیں۔ اور پوری پوری ہلاکت گناہوں پر اصرار کرنا ہے۔
۵۔ اپنے دشمنوں سے جہاد کی طرح اپنی خواہشوں سے بھی جہاد کرو۔
۶۔ اللہ سے ڈرو۔ اور روزی کی تلاش میں درمیانی راہ اختیار کرو۔
۷۔ نعمتوں کو شکر سے اور علم کو لکھ کر مقید کرلو۔
۸۔ دو علموں کے اور قدرت وعفو کے ملنے سے بہتر دو چیزوں کا ملنا نہیں۔
۹۔ لوگوں سے میل جول عقلوں کے لئے پیوند ہے۔
۱۰۔ میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو نہیں دیکھا۔ جو مظلوم سے زیادہ مشابہ ہو کہ اسے دائمی غم اور لگاتار حسد رہتا ہے۔
۱۱۔ وہ شخص جس کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی زندہ باپ نہ ہو۔ موت میں ڈوبا ہوا ہے۔
۱۲۔ جس نے اپنا دین ہدفِ خصومات بنالیا۔ وہ بہت جلد اسے چھوڑ دے گا۔
۱۳۔ جس میں تین خوبیاں ہوں۔ وہ کامل انسان ہے۔ جو غصہ میں حق سے باہر نہ ہو۔ رضا میں باطل نہ ہو۔ اور قدرت پانے پر معاف کردے۔ اور بدلہ لینے سے باز رہے۔

آپ کی توقیعات بحیرِ فراست وکیاست ہیں

عاملوں کے خطوط پر آپ کی توقیعات مندرجہ ہیں۔ جو آپ کی فہم وفراست پر اور دلائل سے آگاہی پر دلالت کرتی ہیں۔

آپ ماتحتی کے زمانے میں بھی خلیفہ کے خط پر توقیع (تبصرہ) سے نہ ڈرتے تھے چنانچہ آپ نے ولید کے رقعہ پر جب کہ آپ اس کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ یہ تبصرہ لکھا۔

• اللہ جانتا ہے کہ آپ مرنے والے پہلے خلیفہ نہ ہوں گے۔

آپ نے ایک مظلوم کے قصہ میں یہ تبصرہ لکھا:۔

"عدل تمہارے سامنے ہے"۔ ایک شخص کے پرچہ پر جس نے اس میں اپنی بیوی کی شکایت لکھی تھی یہ توقیع لکھی۔

"حقوق" میں تم دونوں برابر ہو۔

ایک شخص کے رقعہ پر جس میں اس نے اپنے بیٹے کی شکایت لکھی تھی۔ یہ توقیع لکھی۔

• اگر میں تجھ سے اس کے بارے میں انصاف نہ کروں تو تیرے حق میں میں ظالم ہی ہوں۔[1]

انتخابِ کلام عمرؓ گفتگو میں انتہائی احتیاط برتنے کے اور بے پناہ جذبۂ حق رکھنے کے ساتھ ساتھ کلام کے منتخب کرنے میں بڑے تیز تھے۔ آپ کے پاس مواد ہر وقت موجود رہتا تھا اور صداقت آپ کی اعانت کرتی تھی۔ آپ حیلہ سازی یا تاخیر سے کام نہ لیتے تھے بشرطیکہ پیش آنے والا مسئلہ اور اس کا جواب آپ کے سامنے ہوتا۔ آپ کے فی البدیہہ اکثر جوابات ولید کو اور ان کی اولاد کو مطمئن کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کی بے پناہ ذہانت وفطانت سے آگاہ تھے۔ اور آپ کے لوگوں کو فی البدیہہ جوابات ولید کے جوابات کی بہ نسبت زیادہ آسان ہوا کرتے تھے۔ ایک شخص بولا۔ ہم خیر و عافیت سے ہیں جب تک آپ زندہ وسلامت رہیں گے۔ آپ نے اس سے کہا: تم بخیر ہو جب تک اللہ سے ڈرتے رہو گے۔[2]

چونکہ لوگوں کے دلوں پر عمرؓ کی بلاغت کا ایک گہرا اثر تھا۔ اس لئے بلاغت کے لئے آپ کا حوصلہ بڑھتا ہی رہا۔ اور آپ کی رائے میں حاکم کے لئے حسنِ بلاغت ایک لازمی اور عام شرط تھی کیونکہ حاکم لوگوں کا رہنما اور ان کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس میں سب سے زیادہ بلاغت اور قوتِ بیان کا ہونا ضروری ہے۔ عمرؓ سے کسی حالت میں بھی یہ بات اوجھل نہ تھی کہ حسنِ بیان لوگوں کے دلوں پر چھا جاتا ہے اور ان کے نفسوں پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اور اس سے نکیل والے اونٹوں کی طرح لوگوں کو حسبِ منشا کھینچا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ صحیح راہ پر چلتے رہیں۔ زورِ بلاغت ہی سے انسان دشمنوں کو دوست، اجانب کو اقارب اور حاسدوں کو بہی خواہ بنا لیتا ہے۔ اور حسنِ بلاغت ہی سے انسان ملک میں ایک عبرت انگیز انقلاب لانے پر قادر ہوتا ہے اور تخت وسلطنت کو زیر وزبر کر دیتا ہے۔ اس لئے قوتِ بلاغت اپنی جگہ ایک انتہائی مفید ومؤثر حربہ ہے۔

---

[1] : باب توقیعات در عقد الفرید ج ۴ ص ۲۰۸، الحکمۃ الخالدہ ص ۱۱۱

دعوتِ خیرؒ

قدریہ اور باغی

مسئلہ تقدیر

عمرؓ بن عبدالعزیز کا دل اس رعیت پر تڑپ اٹھتا تھا جو گمراہ ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اسے ڈانواں ڈول کر دیتی تھی۔ آپ ایسے لوگوں پر پوری طرح متوجہ ہو جاتے تھے۔ اور انھیں راہ راست پر لانے کے لئے اپنی بلاغت کا پورا زور صرف کر دیا کرتے تھے۔ اور اپنے صحیح و سالم عقائد کے ساتھ گمراہی کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ اس امّت پر دنیوی عذاب اس کا فتنوں میں مبتلا ہونا ہے۔ اور یہ آپ کو سخت ناگوار تھا کہ ضلالت کی ابتداء تکذیبِ تقدیر سے ہو۔ اور لوگ تقدیر کے بارے میں تبادلہ خیالات کریں۔ عمرو بن مہاجر سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرؓ بن عبدالعزیز سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان لانے کے بعد کوئی قوم شرک ہی سے ہلاک ہوتی ہے۔ اور شرک کی ابتدا تقدیر کو جھٹلانے سے ہوتی ہے[۱]۔

تقدیر پر تبادلہ خیالات منع ہے

عمرؓ کا خیال تھا کہ تقدیر میں بحث و مباحثہ کرنے والوں سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ توبہ کر لیتے تو آپ انہیں چھوڑ دیا کرتے تھے۔ عمرؓ اس رائے میں نئے نہ تھے بلکہ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کے قدم بہ قدم تھے۔ جو فرمایا کرتے تھے کسی کے پاس ثبوتِ ہدایت کے بعد ضلالت کے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہیں۔ یعنی اس ضلالت پر جو اس نے ہدایت سمجھ کر اختیار کی ہے۔ اور اس ہدایت پر جو اس نے ضلالت سمجھ کر چھوڑی ہے۔ کیونکہ ہدایت و گمراہی واضح ہیں اور ہر ایک پر دلیل قائم ہے۔ اور عذر کٹ چکے ہیں۔ پھر جو نبوت کی اور کتاب کی لائی ہوئی خبروں سے منہ پھیر لے اس کے ہاتھ سے ہدایت کی رسیاں ٹوٹ کر چھوٹ جاتی ہیں۔ اور وہ اپنے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں پاتا جس کے ذریعہ وہ ہلاکت سے محفوظ رہے[۲]۔

خارجیوں کا ایک فرقہ جو شراۃ کے لقب سے ملقب ہے

سجستان ہرات اور خراسان کے گوشوں میں خارجیوں کا ایک فرقہ تھا۔ جو امّتِ محمدیہ کو کافر کہتا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ و

---

[۱] : تاریخ دارما ج۳، ص ۹۲

[۲] : ابن جوزی ص ۹۸

وحضرت علیؓ سے بیزار و متنفر تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا مداح تھا۔ یہ لوگ بدزبان تھے اور محارم کو حلال سمجھتے تھے۔ اور بعض قرآن پاک کی آیتوں سے استدلال کیا کرتے تھے۔ اور سنت کے بالکل قائل نہ تھے۔ اس کے باوجود بڑے بہادر اور ان کی عورتیں بھی بے مثال جیالی ہوتی تھیں اور عمدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مردوں کی طرح جنگ کیا کرتی تھیں۔

ہرات اور اصطخر کے نواح میں شراۃ کی ایک جماعت تھی جو گناہ کرنے والوں کو خواہ چھوٹے گناہ ہوں یا بڑے کافر سمجھتی تھی۔ اور خلفاء کے بارے میں حروریہ کے ہم خیال تھی۔ لیکن وہ مال حلال سمجھتے تھے خواتین نہیں۔ اور وہ کسی دینی مسئلہ یا سنت کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ اور ان کی وسیع دنیا تھی اور خوش حالی و مروت ان کے قدم چومتی تھی[1]

غیلان دمشقی کا فتنہ

ملک شام میں غیلان دمشقی کا فتنہ اُبھرا۔ کیونکہ یہ قدریہ تھا اور تقدیر کا قائل نہ تھا۔ قدریہ انسان کو اپنے افعال کا خود خالق سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد اسی مسئلہ کو معتزلہ نے اپنا لیا۔ لیکن عمرؒ اسے غلو سمجھتے تھے اور آپ کا خیال تھا کہ اگر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے علم میں وجود میں آنے والی چیز نہ ہو تو اللہ کے شرکا لازم آتے ہیں۔ جو اللہ کو چھوڑ کر مخلوق میں اپنی مشیت جاری کریں۔ اور اس طرح دنیا کے گوشے گوشے میں بے چینی بے قراری کجی اور گمراہی پھیل جاتے۔ اس لئے عمرؒ نے خیال فرمایا کہ اس قسم کے گمراہوں سے مناظرہ کر کے انہیں سیدھی راہ پر لانا ضروری ہے۔

عمر کا غیلان سے مناظرہ

چنانچہ غیلان کو عمرؒ کے پاس لایا گیا۔ اور اس نے عمرؒ سے مناظرہ کیا۔ عمرؒ نے اپنی حجت اس پہ چپٹا دی۔ بولا! امیرالمومنین! میں آپ کے پاس گمراہ ہو کر آیا۔ آپ نے مجھے صحیح راہ سمجھا دی۔ میں اندھا تھا آپ نے مجھے روشنی عطا فرما دی۔ اور میں جاہل تھا آپ نے مجھے عالم بنا دیا۔ اللہ کی قسم! میں آئندہ کبھی تقدیر کے مسئلہ میں گفتگو نہ کروں گا۔ عمرؒ نے غیلان کی خباثت بھانپ لی اس لئے آپ نے اسے ڈرایا اور دھمکایا اور کہا۔ اللہ کی قسم! اگر اب مجھے خبر ملی کہ تو نے تقدیر کے مسئلہ میں زبان کھولی ہے تو میں تجھے قرار واقعی سزا دوں گا۔ آخر کار عمرؒ کی وفات تک غیلان خاموش

---

[1] : التنبیہ والرد ص۵۶، ص۵۷

[2] : التنبیہ والرد ص۱۵۸

رہا۔ پھر جب عمرؒ فوت ہو گئے تو اب تو غیلان سیلاب کی طرح یا سمندر کے جوش کی طرح مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے لگا۔

نواح موصل میں خارجیوں کا فتنہ

نواح موصل میں خارجہ حروریہ نے فتنہ برپا کر رکھا تھا اور راستے پر خطر بنا دیئے تھے اور خون ریزی عام کر رکھی تھی۔ عمرؒ نے ان لوگوں کو ڈاک کے گھوڑوں پر سوار کر کے بلوایا اور فرمایا کہ تم دو دو مل کر مجھ سے مناظرہ کرو۔ یہ دونوں جو بھی حجت پیش کرتے ہیں عمرؒ اسے توڑ ڈالتے تھے۔ آخرکار ان لوگوں نے درخواست کی ہم سیاحت پر جا رہے ہیں۔ اور قسم کھائی کہ راستے پر خطر نہیں بنائیں گے۔ اور کسی کا خون نہیں بہائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم لڑائی کو دعوت دیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نکل گیا۔ اور اس نے پھر وہی قتل و لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ عمرؒ نے کوفیوں کے ایک دستہ کو سعید حرشی کی سرکردگی میں اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ اس دستہ نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔

باغیوں کو خطوط

عمرؒ نے بعض باغیوں کو جنہوں نے فساد برپا کر رکھا تھا خط لکھا:

یہ خط اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے یحییٰ بن یحییٰ اور ان باغیوں کی طرح لکھا جا رہا ہے۔ جنہوں نے فساد برپا کر رکھا ہے۔ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اما بعد! حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ الخ۔ یعنی آپ حکمت سے اور دلفریب وعظ سے اپنے رب کی راہ کی دعوت دیں اور لوگوں سے بہترین انداز سے مباحثہ کریں بلاشبہ آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کی راہ سے گمراہ ہو گیا ہے۔ اور وہ راہ پانے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پھر آپ انہیں دلائل سے قائل کر کے کیوں پھر سکتے ہیں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اگر تم میری اولاد کے پیدا ہوتے ہوئے اور میری دعوت سے پھر جاتے اور اس پر لبیک نہ کہتے تو میں محض اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کی خاطر تمہارے خون مباح کر دیتا۔ لہٰذا یہ میری نصیحت ہے اگر تم اسے مانو اور اگر میں تم سے خیانت کا گمان کروں تو پرانے زمانے ہی سے لوگ خیر خواہوں سے خیانت کرتے چلے آئے ہیں[1]۔

بسطام بن شوذب یشکری کی بغاوت

سنہ ۱۰۰ھ میں نواح عراق میں بسطام بن

---

[1] : التنبیہ والرد ص ۱۹۴، ابن جوزی ص ۷۷۔

شوذب یشکری نے بغاوت کی۔ اس کی پشت پناہی باغی تھے۔ عمرؓ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ انہیں چھیڑیں نہیں جب تک وہ خوں ریزی نہ کریں۔ اور ملک میں فساد نہ مچائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ایک سخت و ہوشیار شخص کی سرکردگی میں ایک دستہ بھیج کر ان کی سرکوبی کی جاتے۔ چنانچہ عبدالحمید نے محمد بن جریر بن عبداللہ بجلی کی سرکردگی میں دو ہزار مجاہد روانہ کر دیئے اور عمرؓ کی ہدایات کے مطابق انہیں ہدایات دے دی گئیں۔

عمرؓ کا یشکری سے مناظرہ

عمرؓ نے بسطام کو خط لکھ کر معلوم کرایا کہ اس نے کیوں بغاوت کی اور اس کے پاس عمرؓ کا خط اور بجلی معہ دستہ کے ایک ہی وقت میں پہنچے۔ بجلی اس کے مقابلہ میں معہ اپنی فوج کے صف آراء ہو گئے۔ اور انہوں نے حسب ہدایت اپنی طرف سے پہل نہیں کی۔ عمرؓ نے خط میں لکھا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے بغاوت کر کے اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضب کو دعوت دی ہے۔ دیکھ تو مجھ سے زیادہ افضل نہیں ہے اس لئے میرے پاس آ کر مجھ سے مناظرہ کر لے۔ اگر ہم حق پر ہوں تو لوگوں کی طرح تو بھی اس میں داخل ہو جانا اور اگر تو حق پر ہو تو ہم تیرے معاملے میں غور کریں گے۔ بسطام نے عمرؓ کی رائے مان لی۔ اور فیصلہ کر لیا کہ عمرؓ نے عدل و انصاف سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اس نے ان کے پاس دو آدمی مناظر کے لئے بھیج دئے یعنی عاصم کو جو بنی شیبان کا ایک حبشی غلام تھا اور یشکری کو۔ یہ دونوں مناظرہ میں عمرؓ کے پاس پہنچے۔ اور آپ سے دونوں نے مناظرہ کیا۔

عمرؓ کا دو خارجیوں سے مناظرہ

آپ کے پاس بنو امیہ کو گالیاں دیتے ہوئے دو خارجی آئے اور آپ سے استدعا کی کہ آپ بھی ان سے بیزار ہو جائیں۔ چونکہ اول قول عمرؓ کی شان کے لائق نہ تھی۔ اس لئے آپ نے ان سے مناظرہ کیا حتیٰ کہ وہ عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے۔ آپ نے یہ بات ان پر ظاہر فرمائی کہ میں اپنے خاندان سے متنفر نہیں ہو سکتا۔ میں نے انہیں فقیر بنانے پر ان سے لوگوں کو محفوظ رکھنے پر ہی قناعت کی ہے۔ اس میدان میں اس سے زیادہ کام کرنے کا عمرؓ کو خیال نہ تھا۔ کیونکہ آپ کے خاندان میں اچھے برے خلط و ملط ہر طرح کے لوگ تھے۔

یزید کی ولی عہدی کی تنسیخ کا عمرؓ سے مطالبہ

دونوں خارجی آپ کے عدل و انصاف کے معترف تھے۔ لیکن انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ یزید بن عبدالملک کی ولی عہدی منسوخ کر دی جائے۔

عمرؓ نے جواب دیا مجھے مہلت دی جائے۔ تاکہ فرصت کے وقت میں اس مسئلہ پر غور و خوض کر لوں۔

عاصم تو قائل ہو گیا کہ عمرؓ حق پر ہیں اور عمرؓ ہی کے پاس ٹھہر گیا۔ لیکن یشکری اپنے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے واپس چلا گیا۔ اور بجلی عمرؓ کے لشکر کا سپہ سالار خارجیوں کے مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ اور دونوں طرف سے کسی نے کسی کو نہیں چھیڑا۔ ہر ایک عمرؓ کے پاس سے قاصد کے آنے کا منتظر تھا۔ لیکن افسوس اسی حالت میں عمرؓ فوت ہو گئے۔ بنو امیہ نے چپکے سے عمرؓ کو زہر دینے میں جلدی کی کیونکہ انہیں آپ سے یزید کی تنسیخ ولی عہدی کا ڈر تھا۔[1]

اسلامی لشکر

اس طرح مسلمانوں کے شہروں میں اور امیروں میں خواہش و شر رینگنے لگا۔ سرحدوں پر اور اطراف ممالک میں اسلامی فوج کچھ تو ڈگمگا رہی تھی۔ اور کچھ منتشر و پراگندہ ہو گئی تھی اور گھٹ رہی تھی۔ عمرؓ نے سوچا کہ تیر کمانوں سے روک لئے جائیں تاکہ اندرونِ حکومت میں طاقت آئے۔ اور مفتوحہ علاقوں میں لوگ اسلام کی حقیقت کو پہچان جائیں۔ یہ اس بات سے بہتر ہے کہ رفو کرنے والے کے لئے پھٹن بڑھتی ہی جائے۔

بقول مورخین عمرؓ کی ایک سیاسی غلطی

یہ تو ٹھیک ہے کہ عمرؓ کے بارے میں یہ مشہور نہیں کہ آپ فنونِ حرب و سیاست میں ماہر تھے۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ آپ اسلامی فوج کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوئے بجز اس کے کہ ایک دفعہ آپ سلیمان کے ساتھ موسم گرما کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ پھر سلیمان و عمرؓ میں اختلاف ہو گیا۔ سلیمان تو آگے بڑھ گئے اور عمرؓ واپس آ گئے۔ اسی لئے مورخین کہتے ہیں کہ عمرؓ نے سرحدوں سے توجہیں ہٹا کر سیاسی غلطی کی اور ان غربی فتوحات کو معطل کر دیا جو تمام یورپ میں مشرق سے مغرب تک پھیل جانے والی تھیں۔ اور قلب یورپ سے رُوم، قوط اور تمام یورپ کے اعضاء پر مسلط ہو جانے والی تھیں۔ پھر شرک یورپ کے عین وسط میں اپنا دم توڑ دیتا۔

فتوحات کے سلسلے میں عمرؓ کا نظریہ بنوامیہ کے نظریے کے خلاف تھا

لیکن عمرؓ سیاست فتوحات میں بنوامیہ کے خلاف تھے۔ کیونکہ آپ دیکھتے تھے کہ فتوحات سے جو مقصد

---

[1] ابن الاثیر ج ۵ ص ۲۳

ہے کہ دنیا کو عروج حاصل ہو وہ پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فتوحات سے اوّلین غرض یہ تھی کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ تاکہ وہ مشرف بہ اسلام ہوں۔ لیکن اس کے برعکس فتوحات کا محض یہ مقصد رہ گیا کہ ثروت و دولت، قیدی اور غلام زیادہ سے زیادہ حاصل کیے جائیں۔ کاش بات اسی پر آکر ختم ہو جاتی۔ لیکن فتوحات کا مقصد بالکل متضاد ہو گیا۔ کیونکہ اب فتوحات امراء اور حکام کی مالداری کا ذریعہ بنالی گئیں۔ اور مسلمانوں سے بھی جزیہ لیا جانے لگا۔ تاکہ ان کے قول کے بموجب بیت المال خالی نہ ہو۔ اس لیے لوگ خیال کرنے لگے کہ اسلام لانے سے کیا فائدہ جب ہر حال میں جزیہ دینا ہی ہے۔

عمر کے زمانے میں اسلامی فوج پہلے جیسی نہ تھی

آج کی اسلامی فوج اور اس کے سپہ سالار وہ نہ تھے۔ جو پہلے طبقہ کی اسلامی فوج تھی اور سپہ سالار تھے۔ اس لیے ان میں صحابہ جیسی بہادری نہ تھی جو دین پر قربان ہونے کے لیے سر سے کفن باندھ کر نکلا کرتے تھے۔ آج کی فتوحات فاتحین کے کندھوں پر بھاری ہوتی تھیں۔ کیونکہ ان میں مالِ غنیمت نہیں بانٹا جاتا تھا۔ اور وہ غلاموں کو چھوڑ کر آقاؤں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور اسلام ان علاقوں میں آکر ان کی بیزاریوں میں اضافہ ہی کرتا تھا اس سے تو اگر اسلام کا دامن تنگ ہو مگر ہو محفوظ وہی بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اسلام کا دامن وسیع ہو اور کمزور سرحدوں سے گھرا ہوا ہو۔ غالباً عمرؓ کی یہی رائے تھی یا واقعتہً یہی رائے تھی کہ آپ نے فوج واپس بلوا لی۔

عمر کا نظریہ حق بجانب تھا

آپ کا خیال بالکل صحیح تھا کیونکہ بگاڑ گمان سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ اور جو شہر فتح کیے جانے والے تھے۔ ان کا فتح کرنا کوئی سہل و آسان کام نہ تھا کہ ان کے فصیلوں کے آگے اسلامی فوج قربان کر دی جاتی۔ اور مال بہا دیا جاتا۔ اور اگر انہیں فتح کر بھی لیا جاتا۔ تو وہ مسلمانوں میں فساد اور بھاری پریشانی ہی کا باعث بنتے۔

عمرؓ اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور آپ نے فی الفور اطراف ممالک سے فوج واپس بلالی بجز اس فوج کے جو معرکہ کارزار میں تھی۔ یا اس سرحد پر متعین تھی جس پر دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا۔[1]

---

[1] الکامل فی التاریخ ج ۵ ص ۱۷

مسلمہ کی فوج کو واپس آجانے کا حکم

سب سے پہلے وہ فوج جس پر تضییع کا خطرہ تھا مسلمہ بن عبدالملک کی فوج تھی۔ مسلمہ نے سلیمان کے زمانے میں قسطنطنیہ کا سخت ترین محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور انہیں لگاتار خشکی اور تری سے کمک پہنچ رہی تھی۔ اور منجنیق (پتھر پھینکنے کی مشین) کو نصب کر رکھا تھا اور عرب رومیوں پر روغن نفط[1] چھڑک رہے تھے۔ اور مصری بیڑا تیزی سے مدد کے لئے آرہا تھا اور قریب تھا کہ قسطنطنیہ فتح ہو جاتا۔ اگر جنرل لیوالعیسوری جو اصل میں شامی تھا اس شہر کو مسلمہ سے اپنی حسن تدبیر سے نہ نجات دلاتا۔

پھر رومیوں اور بلغاریوں نے بھوک، وبا اور سردی کے خطرات سے مدد لی اور ان تینوں نے مسلمانوں کے مصائب میں اضافہ کر دیا۔ اسی اثنا میں سلیمان فوت ہو گیا۔ لیکن اس کی موت نے اس کے بھائی مسلمہ کے عزم میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ اور وہ برابر شہر کا محاصرہ کئے رہے۔ اگرچہ فوج ہلاک ہو ہو کر گھٹ رہی تھی۔ آخر کار عمرؓ نے تمام فوج کی تباہی کے خوف سے حکم بھیجا کہ مسلمہ معہ فوج کے واپس لوٹ آئیں۔ مسلمہ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی اور واپسی میں بطرف راستہ کی آبادیوں سے وصول کرتے ہوئے لوٹ آئے اور لوٹ کھسوٹ کی جو کسر باقی تھی وہ انہوں نے پوری کر دی۔ ان کی وجہ سے راہ کی بستیوں میں چاروں طرف سے چلنے والی آندھی آئی[2]

طرندۃ کی فوج کو واپس آنے کا حکم

پھر عمرؓ نے طرندۃ کی فوج کو ملطیۃ واپس آنے کا حکم دیا[3]

لیکن اقصائے مشرق و مغرب میں ہمیشہ جنگ کا دامن تنگ ہی رہا۔ سمع بن مالک خولانی اندلس میں برسرپیکار تھے۔ حتیٰ کہ شہر سبتمانیہ پر قابض ہو گئے۔ پھر اس سے اربونہ میں اتر آئے جو بعد میں عربوں کے لئے ایک مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔ اور ایک صنعتی شہر بن گیا[4]۔ اور حاتم

---

[1]: یہ ایک معدنی تیل ہے جو بہت جلدی آگ پکڑ لیتا ہے۔

[2]: تاریخ العرب المطول ص ۲۶۷

[3]: طرندۃ روم میں ملطیۃ سے تین منزل پر ایک شہر ہے، النجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۲۴۲

[4]: تاریخ العرب المطول ص ۵۹۵

بن نعمان باہلی آذربائیجان کی طرف سے جنگ میں مصروف تھے۔ اور حملہ آوروں کو وہاں سے نکال رہے تھے[1]

بدعت معاویہؓ اسلامی شہروں میں قابلِ افسوس و رسواکن اور حیاسوز ایک بدعت سرایت کر رہی تھی۔ جس نے شہروں کی ناک کاٹ کر رکھ دی تھی۔ پھر یہ بدعت بڑھتے بڑھتے تمام منبروں پر چھا گئی تھی۔ اور تمام کانوں میں بھی گونجنے لگی تھی۔ اور مسجد نبویؐ میں بھی گھس گئی تھی۔ اور آپ کے منبر پر بھی چڑھ گئی تھی اور ذرا نہیں شرمائی تھی۔ یہ بدعت معاویہؓ بن سفیان کی پھیلائی ہوئی تھی۔ اور ان کا اپنے حکام کو حکم تھا کہ اس بدعت کو جمعہ کے خطبوں میں منبروں پر دہرایا جائے۔ معاویہؓ کا خیال تھا کہ جب یہ بات لگاتار لوگوں کے کان کھٹکھٹاتی رہے گی اور لوگوں کے دلوں میں ٹھونسی جاتی رہے گی تو لوگ ضرور اس سے متاثر ہوں گے۔ اور ان کے دل ہماری طرف جھک جائیں گے۔

حضرت معاویہؓ کی پالیسی حضرت معاویہؓ چاہتے تھے کہ اپنی حکومت مضبوط و مستحکم کر دیں اور لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دیں کہ خلافت میں بنو ہاشم کا حصہ نہیں۔ اور یہ بھی کہ ان کے سردار (حضرت علیؓ) کا جن کی اعانت کے لئے وہ مصروفِ کارزار ہیں۔ اور جن پر فخر کرتے ہیں یہ حال ہے اور یہ مرتبہ ہے۔ لہٰذا جو ان کی طرف منسوب ہو وہ خلافت سے بدرجہ اولیٰ بہت دور ہے۔ اور اسے خلافت تک پہنچنے کا حق حاصل نہیں[2]

انسان ایک بری چیز سے بھی مانوس ہو جاتا ہے جب وہ بار بار اس کے سامنے آتی ہے

حضرت معاویہؓ کا خیال تھا کہ جب لوگ شروع میں دیکھ کر کوئی برا چہرہ ناپسند کریں گے۔ تو جب وہ بار بار ان کے سامنے آئے گا۔ اور عام و مکرر ہو جائے گا تو اس سے ان کی نفرت ختم ہو جائے گی۔ اور تنفر سٹ جائے گا۔ اور پھر وہ ایک مانوس عادت بن جائے گی۔ اور ایک قابلِ قبول طریقہ ہو جائے گا۔ پھر وہ ایک دن کے لئے بھی غائب

---

[1]: حماۃ الاسلام ج ۱ ص ۱۲۶

[2]: خطط الشام ج ۱ ص ۱۵۵

ہوگا تو لوگ اِس کے منتظر رہیں گے اور اس کے دیکھنے کے مشتاق ہوں گے۔

حضرت معاویہؓ کی یہ رائے غلط تھی

اِس رائے میں حضرت معاویہ غلطی پہ تھے اور اس حلم سے تجاوز کر گئے تھے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اِس سے متصف و ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں آپ کی رائے اور گمان کے خلاف یہ بدعت لوٹ گئی تھی کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں شدت غیظ و غضب پیدا کر رہی تھی۔ اور ان میں ندامت پیدا کر رہی تھی۔ جو استغفار پر مجبور کرتی تھی۔ ایک ذہین خطیب یہ بات سمجھتا تھا۔ اور وہ اِس سے بچنا چاہتا تھا اور اس پر عمل کرنے میں پس و پیش کرتا تھا۔ اگرچہ یہ غیر ذہین خطیب سے اوجھل رہتی تھی۔ اور دلوں کو ہلاک کرتی ہوئی اور چیختی چلاتی ہوئی چلی جاتی تھی۔

معاویہؓ کی ایک اور بدعت

معاویہؓ نے عید و بقرعید کی نماز میں خطبہ کو مقدم کر دیا تھا۔ کیونکہ لوگ لعنت کو ناپسند کر کے خطبہ نہیں سُنا کرتے تھے اور نماز پڑھتے ہی مسجد سے نکل جایا کرتے تھے۔ اِس لیے حضرت معاویہؓ نے نماز سے پہلے خطبہ دے کر لوگوں کو لعنت سننے پر مجبور کر دیا تھا لیکن لوگ ہر نماز کے بعد خطبہ سننے کے بعد خصوصاً طالبی حضرات جمع ہوتے اور اپنی تمام لعنتیں بنو امیہ پر الٹ دیا کرتے تھے۔

اِس بدعت کے خون میں اسلامی ممالک کے تمام خطباء ملوث ہو گئے اور رنگ گئے اور امیر کے حکم سے منبروں پر حضرت علیؓ کی شان گرامی میں گستاخیاں کرنے لگے۔ اور بنی امیہ کے خطبا نے تو حد کر دی اور وہ عقل و مروّت کو بالائے طاق رکھ کر ڈنکے کی چوٹ حضرت علی کو بُرا کہنے لگے۔ فسطاط مصر میں جامع مسجد کے منبر پر خود عبدالعزیز بن مروان نے ایسا کیا۔ لیکن عبدالعزیز ذہین و ذکی تھے۔ اِس لئے آپ بے چین ہوتے رکتے ہچکتے اور پس و پیش کرتے۔ جب کبھی لعنت کا ارادہ کرتے پھر آپ محسوس کرتے کہ بہت سے دلوں میں غصہ ہے۔ اور بہت سے چہروں پر بل ہے اور بہت سے موہنوں سے آہیں نکل رہی ہیں۔ لیکن اب تو لعنت ایک رسمی تقلید تھی۔ اور کوئی اس سے آپ کو روکنے والا نہ تھا۔ اگر آپ کسی کو اِس سے روکنے والا پاتے۔ تو یقیناً یا شاید رُک جاتے۔

عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا: میرے محترم والد صاحب جب خطبہ کے آخیر میں حضرت علیؓ پر لعنت کرنا چاہتے تھے تو پس و پیش کرتے تھے۔ میں نے کہا: اباجان! آپ اپنا خطبہ برابر جاری رکھتے ہیں اور کہیں نہیں رُکتے۔ لیکن جب آپ حضرت علیؓ کے ذکر پر آتے ہیں تو میں آپ میں کوتاہی پاتا ہوں۔ فرمایا! بیٹا: کیا تم نے یہ بات میرے اندر محسوس کر لی۔ میں نے کہا۔ ہاں! فرمایا: جو لوگ ہمارے ارد گرد

ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کے بارے میں وہ چیزیں جان لیں جنہیں میں جانتا ہوں تو ہمارے پاس سے اُٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔

عمر کا ذاتی اور اخلاقی رجحان لعنت کے خلاف تھا

لیکن عمرؒ کے دل پر باپ کی نصیحت کا اثر نہیں ہوا۔ اور آپ پر لڑکپن اور بھول غالب آگئی۔ پھر جب آپ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے اس بدعت کے بارے میں غور و خوض کیا۔ اور آپ کے رجحانات نے آپ کو بھی اسی طرف مائل کر دیا آپ کو حضرت علی سے محبت نہ تھی۔ حتیٰ کہ قرشی راہب نے آپکو محبتِ علیؓ کی طرف رغبت دلائی۔

آپ کو ابن عتبہ نے علی کی محبت کی طرف توجہ دلائی

عمرؒ فرماتے ہیں: میں مدینہ میں تحصیلِ علوم میں مشغول تھا۔ اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ آپ کو میری طرف کچھ باتیں حضرت علیؓ کے سلسلے میں پہنچیں ایک دن میں آپ کے پاس گیا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ میں فارغ ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے نماز سے فارغ ہو کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: یہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ بدر و اہلِ بیعت رضوان سے راضی ہونے کے بعد ناراض ہو گیا؟ میں نے کہا: میں نے یہ بات تو کسی سے بھی نہیں سُنی۔ کہا! پھر وہ خبر کیا ہے جو میں نے تمہارے بارے میں حضرت علیؓ کے سلسلے میں سُنی ہے۔ میں بولا: میں آپ کے سامنے اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ اور وہ بات چھوڑے دیتا ہوں جس پر میں قائم تھا۔[1]

فتنہ عثمانؓ و فتنہ یزیدان گستاخیوں کا محرک ہے

فتنۂ یزید و فتنہ عثمانؓ سے یہ چیز پیدا ہوئی کہ بعض لوگ حضرت عثمانؓ کی شان میں بھی گستاخی کرنے لگے۔ حالانکہ نجات یافتہ اسلاف آپ کی شان گرامی میں گستاخیوں سے محتاط تھے۔ اور بعض لوگ یزید بن معاویہؓ کے مداح ہو گئے۔ حالانکہ یزید کی غلطیوں پر لوگوں کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ان کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ حالانکہ ان دونوں شخصیتوں میں اس قسم کا اختلاف لوگوں کے لائق نہیں۔ اگرچہ یہ اختلاف تعصب و عداوت ہی کی وجہ سے ہو کیونکہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی۔ لیکن لوگ دنیا میں گمراہی پر عاشق ہیں اور اختلاف کے معاون ہیں۔

---

[1] تاریخ خضری ج ۲ ص ۱۸۱، ابن اثیر ج ۵ ص ۲۰

حضرت عثمانؓ پر بدتمیزی کے سلسلے میں ایک شخص کو سزا

عمرؒ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے حضرت عثمانؓ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔ پوچھا! تو نے کیوں گستاخی کی؟ بولا! مجھے ان سے بغض ہے۔ فرمایا! کسی کو کسی سے اگر بغض ہو تو کیا اسے گالیاں دی جاتی ہیں؟ پھر آپ نے اس کے تیس کوڑے لگوائے پھر آپ نے اس سے سُنا کہ چبا چبا کر کہہ رہا ہے۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ، آخر کار بیس کوڑے اور لگواتے۔

لوگوں کی بدعت

حضرت معاویہؓ کی بدعت لوگوں میں پھیل گئی اور لوگوں نے بھی تمام یا بعض خلفا کو بُرا کہنے کی اور ان کی مذمت کرنے کی عادت اپنالی۔ اور اب مذمت لوگوں کی عادت بن گئی۔ جس طرح بنو امیہ حضرت علیؓ کی برائی کرتے تھے۔ اسی طرح طالبی بنو امیہ کی برائی کرتے تھے۔ چونکہ اکابر کے مراتب کی قدر و قیمت نہ رہی تھی تو ان کے نیچے والوں کی توہین تو بہت آسان کام تھا۔ عمرؒ نے اس بُری عادت سے لوگوں کو روکنا چاہا۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس ایک مظلوم آکر شکایت کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں فلاں ظلم کیا گیا ہے۔ اور آپ اس کے حق میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر وہ ظالم کو گالیاں دے دیتا ہے تو آپ فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اسے مظلومیت ہی کی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں۔

عمرؒ کے خیال میں گالیوں سے مظلوم مظلوم نہیں رہتا

آپ کا عقیدہ تھا کہ گالیاں حق گھٹا دیتی ہیں۔ حجاج فوت ہو گیا وہ کہا کرتا تھا، اے اللہ! مجھے معاف فرما دے۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ تو مجھے معاف نہیں فرمائے گا۔ عمرؒ حجاج کے حق میں یہ جملہ بھی استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے کہ یہ جملہ اس کی نجات کا ذریعہ ہے۔ یعنی حجاج کی مذمت نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس رباح بن عبیدہ گئے۔ عمرؒ نے حجاج کا ذکر کیا تو رباح نے اسے گالیاں دیں اور اس کی ذاتیات پر حملہ کیا۔ عمرؒ نے ان سے فرمایا۔ رباح ٹھہرو! مجھے خبر ملی ہے کہ انسان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ اور مظلوم ظالم کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا پورا پورا حق لے لیتا ہے۔ اور ظالم ہی کا حق مظلوم پر رہ جاتا ہے۔

اس بدعت کا استیصال

جب عمرؒ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے اس بدعت کو مٹانا چاہا اور لوگوں سے واہیات اور فضول باتیں چھڑانی چاہیں۔ سب سے پہلے آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا کہ اسلامی شہروں میں خطبہ کے اندر

حضرت علیؓ کو بُرا نہ کہا جائے۔ بلکہ بجائے مذمت کے یہ آیت پڑھی جائے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ه

یعنی اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا اور اقارب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرماتا ہے۔ اور بے حیائی سے غیر معروف کاموں سے اور بغاوت سے منع فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت مان لو۔

پھر جب آپ نے حضرت علیؓ کو بُرا کہنے کے سلسلے میں حکم امتناعی جاری فرمایا تو کثیر عزہ آپ کے پاس آکر یہ شعر پڑھتا ہے۔

ولیت فلم تشتم علیاً ولم تخف
بریاً ولم تتبع مقالة مجرم

آپ نے خلیفہ بن کر علیؓ کو بُرا نہ کہا۔ اور آپ لوگوں سے ڈرے نہیں۔ اور آپ نے مجرم کے قول کی پیروی نہیں کی۔

تکلمت بالحق المبین وانما
تبین ایات الھدیٰ بالمتکلم

آپ نے روشن حق کے ساتھ بات کی۔ اور ہدایت کی نشانیاں کلام ہی سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔

وصدقت معروف الذی قلت بالذی
فعلت فاضحیٰ راضیاً کل مسلم

اور آپ نے اپنے قول وفعل سے معروف کی تصدیق کی اور ہر مسلمان راضی ہو گیا۔

جب کثیر عزہ اشعار پڑھ چکا تو عمرؓ نے فرمایا۔ پھر تو ہم کامیاب ہو گئے[1]

خلفاء کے نزدیک گالیوں کی سزا

خلفاء اسے سخت سزا دیا کرتے تھے جو کسی ایسے شخص کو گالی دے جس کے گالی دینے سے وہ راضی نہیں۔ لیکن گالی کی سزا میں عمرؓ اس غلو اور تجاوز کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ گالیاں

---

[1] مسالک الابصار ج ۵ ص ۳۵۳، ابن الاثیر ج ۵ ص ۲۰

بھی آپ کو نا پسند تھیں۔ آپ کی رائے میں گالیوں سے باز رکھنے والا دینی علم ہے کہ لوگ علم دین حاصل کر کے اس میں سمجھ پیدا کریں۔ تاکہ خود بخود بُری باتوں سے باز رہیں۔ اور ان تمام باتوں میں خلفاء ان کے لئے نمونہ ہوں۔ پھر جب خلافت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے اپنے کو بہترین نمونہ بنا کے پیش کیا۔ اور آپ گالیوں سے رُک گئے حتیٰ کہ آپ نے انہیں بھی گالیاں نہ دیں۔ جو گالیوں کے حقدار تھے اور آپ نے لوگوں کو بھی اپنی رائے سے اتفاق کرنے پر ابھارا۔ اسی طرح آپ نے گالیوں کی سزا قتل نہیں بجویز فرمائی جیسا کہ ولید نے کیا تھا۔ آپ کو حاکم عراق عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے لکھا: ایک شخص نے آپ کو گالی دی تو میں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ نے جواب میں لکھا: اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میں قصاص میں تم کو قتل کر دیتا۔

درود کی بدعت

قصہ گو حضرات نے وہ طریقہ بدل ڈالا تھا جس پر لوگ قائم تھے اور نبیؐ، آلِ نبیؐ اور مومنوں کو چھوڑ کر خلفا اور امراء پر درُود بھیجنے کی بدعت ایجاد کر لی تھی۔ آخر کار عمرؓ نے امرائے لشکر کو لکھا کہ چند قصہ گو لوگوں نے خلفا اور امراء پر درُود بھیجنے کی بدعت نکال لی ہے۔ اور ایک نبی کی اور مومنوں کی برابر ان پر درُود بھیجتے ہیں جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تم لوگوں سے یہ بدعت چھڑوا دو۔ اور ان سے کہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔ اور آپ کے حق میں ان کی دُعاء وصلاۃ دیر تک رہنی چاہیئے۔ پھر مومن مردوں اور عورتوں کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اور سب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ اور ان کی دعائیں مسلمانوں کے لئے عام ہوں۔ پھر جو چاہیں دعا مانگیں[1]۔

شیعان علیؓ

عمرؓ بن عبدالعزیز اپنے خاندان کے محافظ بھی تھے اور ان پر حکمران بھی اور بنی ہاشم کو خوش کرنے والے اور ان کے زخموں کے اور دکھوں کے تلافی کرنے والے بھی۔ یزید کی تنسیخ ولی عہدی کا فکر آپ پر سوار تھا۔ پھر آپ سے یہ فکر ہٹ گیا آپ کے کسی خاندان والے کو اجازت نہ تھی کہ آپ کے ساتھ دمشق ٹھہرے تاکہ کوئی اس کی فضیلت نہ پہچانے۔ آپ پھر خوبصورتی سے اسے رخصت فرما دیا کرتے تھے۔ عمرؓ اپنی اموی رگ پر قائم تھے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کے سلسلے میں خواب دیکھا کہ حضرت علیؓ کے حق میں حق کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اور حضرت معاویہؓ کو معاف کر دیا گیا ہے۔ عمرؓ نے یہ

---

[1] ابن عبدالحکم صـ۹۰، جلاء الافہام لابن قیم

خواب کا فیصلہ بیان کیا تھا۔ اپنا ذاتی فیصلہ نہیں[1]

ایک اموی طریقہ اموی طریقہ یہ تھا کہ ملک شام میں ان کے ساتھ کوئی ان کے خاندان کا شخص نہ ٹھہرے کیونکہ اسے ایک مخصوص فضیلت، علم اور لوگوں کی محبت حاصل ہے۔ اسی طریقے پر عمرؒ چلتے رہے۔ اور اس سے انچ بھر نہیں ہٹے یا تو اپنے اہل سے ڈر کر یا ان پر خطرہ محسوس کر کے۔ بہرحال آپ اسی حال پر جمے رہے۔ کہتے ہیں جب آپ کے پاس عبداللہ بن حسن آئے تو عمرؒ نے شام میں ان کا رہنا ناپسند فرمایا۔ پھر عبداللہ کی عمر عقل زبان اور فضیلت کو جانتے تھے۔ اس لئے آپ کو سب سے زیادہ یہی بات محبوب تھی کہ انہیں کوئی شامی نہ دیکھے۔ اسی بنا پر آپ نے ان سے فرمایا۔ مجھے آپ پر شام کے طاعون کا خوف ہے۔ (ملک شام میں کثرت سے طاعون کی عبا پھیل گئی تھی) اور آپ کے گھر میں آپ سے بہتر کوئی نہیں۔ اس لئے آپ گھر تشریف لے جائیں۔ جہاں آپ کی ضرورت کی چیزیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔ عمرؒ کی یہ گفتگو بظاہر اچھی اور قابل شکریہ تھی۔ اور بباطن انتہائی خوبصورت طریقہ سے جدا کرنے کی بہترین سعید تدبیر تھی[2]

مقدور بھر بنی ہاشم کے علاج کی طرف کوشش لیکن عمرؒ اپنی اس سیاست کے ساتھ ساتھ بنی ہاشم کے زخموں کے علاج میں جہاں تک علاج کی گنجائش ہوتی تھی۔ مقدور بھر کوشش کیا کرتے تھے۔ اور ان سے کثرت سے دفاع کیا کرتے تھے۔ یہ عادت یوں تو آپ کی پرانی تھی۔ لیکن خلیفہ بن جانے کے بعد مزید نکھر کر سامنے آگئی تھی۔ سلیمان بن عبدالملک نے زید بن حسن کے خط پر جو ولید کو لکھا گیا تھا۔ کہ وہ سلیمان کو ولی عہدی سے برطرف کر دیں اور عبدالعزیز بن ولید کے لئے بیعت لے لیں۔ یہ تبصرہ لکھا کہ والئی مدینہ ابوبکر بن حزم زید کے سو کوڑے لگوائیں۔ عمرؒ نے قاصد کو سمجھا دیا کہ وہ راستہ میں دیر لگا دے تاکہ اس سلسلہ میں خلیفہ سے بات کر لوں اور انہیں اس حکم کی تنسیخ پر راضی کر لوں شاید وہ راضی ہو کر زید کو معاف فرما دیں۔ اتنے میں سلیمان ہی فوت ہو گئے ابھی قاصد مدینہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ عمرؒ خلیفہ بنا دیے گئے۔ آپ نے فی الفور سلیمان کے جنازے سے واپس ہوتے ہی وہ خط منگوایا اور جلوا دیا[3]

---

[1]: ابن جوزی ص۲۲۸

[2]: ثمار القلوب ص۴۳۵ [3]: ابن عبدالحکم ص۱۲۲

بنو امیہ کے سامنے حضرت علی کا نام لینا بھی حرام تھا

بنوامیہ نے حضرت علیؓ کو گالیاں دینے پر ہی قناعت نہیں کی تھی بلکہ اپنے سامنے حضرت علیؓ کا نام لینا بھی حرام قرار دے دیا تھا۔ زریق حضرت علیؓ کا غلام حافظ قرآن تھا۔ اور فرائض کا عالم تھا۔ لیکن بیت المال میں سے ان کا وظیفہ مقرر نہ تھا۔ انہوں نے عمرؓ کے پاس آکر کہا: امیرالمومنین میں مدنی ہوں۔ مجھے قرآن یاد ہے اور فرائض جانتا ہوں لیکن دفتر میں میرا وظیفہ لکھا ہوا نہیں ہے۔

عمرؓ نے کہا۔ کیوں؟ اللہ تم پر رحم فرمائے، تم کن لوگوں میں سے ہو؟

زریق بولے: میں بنی ہاشم کا غلام ہوں۔

عمرؓ نے پوچھا۔ کس کے غلام؟ زریق خاموش رہے اور دوسرے شخص نے جواب دینے کا ارادہ کیا۔

عمرؓ نے زریق سے کہا۔ میں تم ہی سے پوچھتا ہوں۔ اور ان سے چیخ کر کہا کیا تم مجھ سے اپنے کو چھپاتے ہو؟

زریق انتہائی دھیمی آواز میں بولے۔ علیؓ ابن ابی طالب کا غلام۔ ندرسے کہتے ہوئے ڈرے۔

عمرؓ نے بلند آواز سے کہا۔ میرے بھی علیؓ مولا ہیں۔ کیا تم مجھ سے علیؓ کی محبت چھپاتے ہو؟ مجھ سے سعید بن مسیب نے حدیث بیان کی۔ اور وہ سعد بن وقاص سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "میں جس کا مولا ہوں۔ علیؓ بھی اس کے مولا ہیں"

عمر بن مورق کا واقعہ

عمر بن مورق کہتے ہیں میں شام میں تھا اور عمرؓ بن عبدالعزیز لوگوں میں مال بانٹ رہے تھے۔ میں بھی بڑھ کر آپ کے سامنے گیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ تم کون ہو؟ میں بولا قریشی ہوں۔ پوچھا قریش کے کس خاندان سے ہو۔ میں بولا: ہاشمی ہوں۔ پوچھا: ہاشم کے کس خاندان سے؟ میں خاموش ہو گیا پھر آپ نے پوچھا۔ کس بنی ہاشم سے ہو؟ میں نے کہا۔ میں علیؓ کا غلام ہوں۔ پھر آپ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اے علیؓ کے غلام مجھ سے چند حضرات نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔ میں جس کا مولا ہوں۔ علیؓ بھی اس کے مولا ہیں

پھر فرمایا۔ مزاحم! ان جیسوں کو کتنا دیتے ہو؟ مزاحم نے جواب دیا۔ سو یا دوسو درہم، فرمایا انہیں پچاس دینار دو۔ کیونکہ یہ علیؓ کے مولا ہیں۔ پھر ان سے عمرؓ نے فرمایا۔ اپنے شہر چلے جاؤ تمہارے ہم مثلوں کا وظیفہ تمہیں بھی ملا کرے گا[1]

شجاعت کے مفہوم میں تغیر

بنوامیہ میں بہادری کا ذوق ہی بدل گیا تھا۔ اور خود بھائی بھائی کی خوں ریزی پر فخر کیا کرتا تھا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان مشرکوں سے جنگ کر کے ان کے علاقے فتح کر کے فخر کیا کرتے تھے۔ پھر معاملہ گڈ مڈ ہو گیا۔ اور جہاد و جنگ میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ اور باہمی اور اندرونی خانہ جنگی کو بھی جہاد سمجھا جانے لگا۔ یہ بنوامیہ کا قصور تھا۔ وہ اس گناہ کے وبال سے بچنے والے نہیں۔ عمرؓ کی رائے بنوامیہ کی رایوں سے بالکل مختلف تھی۔ وہ اسی کو بہادر سمجھتے تھے جو دین کی عظمت و احترام کے لیے مشرکوں سے جہاد کرے۔ اور اسلام کا کلمہ بلند کرے جیسے خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے عملی نمونہ چھوڑا تھا۔ ایک دفعہ عمرؓ کے پاس ایک بوڑھا شخص آتا ہے اور مروان کے ساتھ مصر میں دیر جماجم وغیرہ جیسی لڑائیاں گنوا کر ان میں اپنے کارناموں پر فخر کرتا ہے۔ ایک انصاری بچہ بھی موجود ہے وہ کھڑا ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میں اس صحابی کا بیٹا ہوں جو بیعت عقبہ میں اور بدر و احد میں شریک تھے۔ عمرؓ فرماتے ہیں۔ اے شیخ! دیکھ یہ ہیں قابلِ فخر کارنامے۔ نہ کہ وہ جنگو تو گنوا رہا ہے۔ پھر آپ نے اس نوجوان کی ضرورت پوری کر دی اور شیخ کی نہیں کی[2]

عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کو اس سے مسرت نہیں ہوتی تھی کہ آلِ محمدؐ میں اختلاف آراء نہ ہو اور وہ فقہی مسائل میں مختلف نہ ہوں کیونکہ آپ اس اختلاف کے پیچھے خیر و برکت دیکھتے تھے۔ اگر لوگ تمام مسائل میں متفق ہوتے تو وہ مسائل عزائم بن جاتے اور لوگوں کو رخصت کا جو باعث تخفیف ہے استحقاق حاصل نہ ہوتا۔ اس کے ماسوا لوگوں کے درمیان فتنوں کی آگ بجھانے میں

---

[1]: ابن جوزی ص ۱۵، ۱۶

[2]: دیر جماجم کوفہ کے بالائی جانب اس سے ۲۸ میل دور ہے۔ شیخ کا اشارہ اس پر لڑائی کی طرف ہے جو حجاج اور عبدالرحمٰن بن اشعث کے درمیان ہوئی تھی۔ اور اس میں بہت سے علماء شہید ہوئے تھے۔ معجم البلدان ص ۱۳۱ ج ۴

عمرؓ نے کافی دوڑ دھوپ کی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ صحابہ کرام کے اختلافات میں اور اہلِ صفین سے جنگ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟۔ آپ نے جواب دیا یہ وہ خون ہیں کہ حق تعالےٰ شانہٗ نے ان سے میرے ہاتھ پاک رکھے ہیں تو کیا میں ان سے اپنی زبان پاک نہ رکھوں؟ صحابہ کرام بمنزلہ آنکھوں کے ہیں۔ دُکھتی ہوئی آنکھوں کی دوا ان کا نہ چھُونا ہی ہے[1]

اس طرح عمرؓ مختلف جماعتوں میں محبت و پیار کے جذبات ابھارتے رہے اور شیعہ اور علویہ کے جوش پر پانی چھڑکتے رہے۔ اس طرح خارجیوں کو ادب سکھاتے رہے۔ پھر جاہلیت کی ناحق حماقت کو مٹانے لگے جو یمنی اور معری حضرات میں پیدا ہو گئی تھی[2]۔ اس سکون و عافیت کے سائے میں جو لوگوں پر چھایا ہوا تھا۔ عباسی دعوت کا آغاز ہوا اور محمد بن علی بن عباس نے اپنے داعی اسلامی ملک کے اطراف میں روانہ کئے[3]

فدک کا واقعہ

فدک حجاز میں ایک قریہ ہے جو مدینے سے دو یا تین دن کی مسافت پر ہے۔ وہاں دائمی جاری رہنے والا ایک چشمہ ہے۔ اور کثرت سے نخلستان ہیں۔ یہ قریہ اللہ تعالےٰ نے ۷ھ میں صلح سے بطور فے کے اپنے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف لے گئے اور وہاں کے قلعے فتح کئے اور ایک تہائی کا فتح کرنا باقی رہ گیا یا دو قلعے وطیح اور سلالم فتح کرنے باقی رہ گئے اور یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ اور محاصرہ زور پکڑ گیا[4]۔ تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ انہیں امن دے دیں وہ یہ علاقہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ آپ نے انہیں امن دے دی اس کی خبر فدک والوں کو بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیج کر یہ درخواست کی کہ آپ ان سے ان کے پھلوں اور مالوں پر صلح کرلیں۔ آپ نے ان کی درخواست بھی منظور فرمالی اور آپ نے محیصہؓ بن مسعود کو ان کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ فدک والے بھی اہلِ خیبر کی طرح اس شرط پر قلعوں کے دروازے

---

[1]: معجم البلدان ج ۴ ص ۱۳۱

[2]: الانصاف ص ۶۰، الموافقات ج ۴ ص ۳۲۰

[3]: المرشد ج ۴ ص ۱۲۸ [4]: ابن الاثیر ج ۵ ص ۲۵

[4]: الخراج للقرشی ص ۴۳

کھول کر نکل آئے کہ انہیں محفوظ رکھا جائے۔ اور ان کا خون نہ بہایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو معاملہ کیا تھا اس پر انہیں بحال رکھا[1] اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی نضیر اور بنی قریظہ کی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا۔ لیکن فدک تقسیم نہیں کیا[2]

چونکہ فدک اس مال میں سے تھا جس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ اس لیئے یہ خالص اللہ کے رسول کے لیئے ہو گیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی آمدنی اپنے گھر والوں پر صرف کیا کرتے تھے۔ اور باقی آمدنی مسافروں پر صرف کر دیتے تھے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کی درخواست کی مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انکار کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فدک انہیں دے دیا تھا۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو فدک کے بارے میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی رائیں مختلف تھیں۔ شاید حضرت ابوبکرؓ نے اسے اس لیئے اپنے قبضہ میں رکھا کہ ضرورت کے وقت اس سے مسلمانوں کی مدد کریں۔ کیونکہ شروع شروع میں مسلمان تنگ حال تھے۔ باوجودیکہ حضرت ابوبکرؓ کے اس قبضہ سے فاطمہؓ راضی نہ تھیں۔ تاہم فدک خلفا کے قبضہ میں رہا۔ اور خلفاء ہی اس کے والی رہے[3]

فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں جب فتوحات میں وسعت ہوئی اور مسلمانوں کی ناداری دور ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سوچا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کو لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اسے لوٹا دیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اس میں جھگڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس میں فیصلہ کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور فرما دیتے ہیں کہ تم دونوں اپنا حال خوب پہچانتے ہو۔

پھر فدک مروان بن حکم کے پاس چلا جاتا ہے۔ حضرت معاویہ مروان کو ہبہ کر دیتے ہیں۔ پھر مروان اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے تین حصے ہو کر عمرؓ ولید اور سلیمان کے پاس آجاتے ہیں۔ پھر جب ولید خلیفہ بن جاتے

---

[1]: الخراج لابی یوسف ص۵۱

[2]: الخراج للقرشی ص۳۱

[3]: فاطمۃ الزہراء والفاطمیون ص۳۸ نقل از شرح ابوالحدید نہج البلاغہ ص۱۰۹، ابن جوزی ص۱۱۱

ہیں تو اپنا حصہ عمرؒ کو دے دیتے ہیں۔ پھر جب عمرؒ برسرِ اقتدار آتے ہیں تو حاکم مدینہ کو لکھتے ہیں کہ فدک اولادِ فاطمہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ اس لئے عمرؒ بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانہ میں فدک اولادِ فاطمہؓ کے قبضے میں رہتا ہے۔ پھر ان سے اور ان کے حکمرانوں کی مرضی کے مطابق منتقل ہوتا رہتا ہے[1]۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ آپ نے فدک بیت المال کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ اولادِ فاطمہؓ کی طرف نہیں۔ عمرؒ نے فرمایا۔ میری نگاہ میں اس سے زیادہ محبوب کوئی مال نہیں۔ اور میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے اسی حال پر لوٹا دیا جس پر عہدِ رسالتؐ میں تھا۔ اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ میں تھا[2]۔ پھر آپ نے مدینہ کے حاکم کو لکھا فدک پر قبضہ کر کے اس کا منتظم کسی ایسے شخص کو بنا دو۔ جو اس کی صحیح صحیح نگرانی کر سکے۔ والسلام[2]

دینی علوم

عمرؒ عزائب قرآن کے بھی مفسر تھے اور حدیثیں بھی روایت کرتے تھے اور فقیہ بھی تھے۔ خصوصاً فقہ کے باب زہد یا باب عدل اور باب نصیحت و بہی خواہی میں وسیع معلومات رکھتے تھے اور مختلف اخبار و عبادات میں بھی آپ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا تھا کہ حدیثیں جمع کر کے لکھ لو ایسا نہ ہو کہ علماء کے فوت ہو جانے کے بعد علم مٹ جائے جیسا کہ آپ نے اطرافِ ملک کے والیوں کو لکھا تھا کہ تلاش کر کر کے حدیثیں جمع کر لیں۔ آپ کے زمانے میں علم قرآن و فقہ اسلامی حکومت کے اقصائے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا۔ اور افریقہ کے مغربی علاقوں میں بربری مسلمانوں میں علم کی یہ ابتدائی ترقی تھی۔ عمرؒ کی طرح کسی اور خلیفہ نے علم شرع و فقہ کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ عمرؒ سے پہلے شرع و فقہ مستقل درسوں کے حلقوں میں ترقی کر رہا تھا۔ جو خلفاء کی طرف سے قائم تھے[3]۔

علم داعی قناعت اور مانع طمع ہے

عمرؒ کی رائے میں صحیح علم کی حد یہ تھی کہ قناعت کی دعوت دے اور لالچ سے روک دے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ علم سیکھو کیونکہ علم مالدار کے لئے زینت ہے اور نادار کے

۱: العقد الفرید ج ۲ ص ۳۲۵

۲: ابن جوزی ص ۱۱۰

۳: فجر الاسلام ص ۲۲۱، ص ۲۲۵

لیئے غیبی امداد ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ علم سے یہ چیزیں طلب کی جاتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علم نادار کو قناعت کی دعوت دیتا ہے۔ اگر آپ کسی میں بقدرِ ضرورت علم نہ پاتے تو اس سے فرمایا کرتے تھے۔ اگر ہو سکے تو عالم بنو ورنہ کم از کم متعلم بنو۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو علماء اور طلباء سے محبت ہی رکھو اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ان سے بغض نہ رکھو[1]۔

دینی اور دنیوی علوم کی ترغیب

آپ شروع میں شریف علم پڑھا کرتے تھے یعنی وہ علم جو قرآن و حدیث و فقہ کے ارد گرد گھومتا ہے پھر آپ نے محسوس کیا کہ مجھے اس سے زیادہ علم سیکھنا ضروری ہے۔ آپ یہی شریف علم جانتے تھے جو مجالس و مساجد کی چار دیواری کے اندر پایا جاتا تھا۔ اور عوام سے کٹا ہوا تھا۔ پھر جب آپ نے خلافت کی ڈور پکڑ لی تو آپ نے محسوس کیا کہ اتنا علم کافی نہیں۔ اور اکابر کی صحبت عوام سے بے نیاز نہیں کرتی۔ اور شریف علم رذیل علم سے بے نیاز نہیں کرتا اس لیئے آپ فرمایا کرتے تھے: میں اکابر علماء کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ اور شریف علم طلب کیا کرتا تھا۔ پھر جب میرے ہاتھ میں خلافت آگئی تو مجھے دوسرے دنیوی علموں کی بھی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس لئے اچھے اور بُرے ہر طرح کے علم سیکھو

علوم کی نشر و اشاعت کا اہتمام

آپ نے علم کی نشر و اشاعت کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ اور آپ نے علماء کو بھی لکھ دیا تھا کہ اپنی اپنی مسجدوں میں علم پھیلاتے رہیں۔ کیونکہ سنتیں مٹادی گئی ہیں۔ ایک دن آپ نے خطبہ میں فرمایا: لوگو! طبیب سخت بیماریوں کے لیئے ہی بلایا جاتا ہے۔ دیکھو جہالت سے زیادہ شدید کوئی بیماری نہیں۔ اور گناہوں سے زیادہ گندا کوئی مرض نہیں۔ اور موت سے زیادہ سنگین کوئی خوف نہیں[2]۔

جب آپ کو علم کے بھلائے جانے کا ڈر ہوا تو آپ نے اصولِ علم کو راسخ کرنے کے لیئے دفعتہً یہ قدم اٹھایا کہ تاکیدی حکم نافذ فرما دیا کہ لکھ کر علم کی حفاظت کی جائے اور اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے حدیثیں

---

[1] : ابن عبد الحکم ص ۱۳۷، ص ۱۶۹

[2] : ابن جوزی ص ۹، ص ۹۳، ص ۱۳۰، ص ۲۳۹

جمع کیں۔

احادیث رسول اللہ صلعم کو جمع کرنے کا حکم کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا: احادیث نبویہ کو تلاش کر کے لکھ لو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے کا اور علماء کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو قبول کرو۔ اور لوگوں میں علم عام کر دینا چاہیئے۔ اور ایسی مجلسیں قائم کرنی چاہیئں جن میں علم سکھایا جائے تاکہ جاہل علم سے بہرہ اندوز ہوں۔ کیونکہ علم اس وقت مٹے گا جب وہ راز بن جائے گا[1]

دنیوی علم جیسے عمرؓ نے دینی علوم کا اہتمام کیا تھا۔ اسی طرح دنیوی علوم کا بھی اہتمام کیا تھا۔ خصوصاً طب کا جس کی لوگوں کو شروع سے ہی ضرورت پڑتی ہے لوگوں سے زندگی کے بوجھ اسی وقت ہلکے ہوتے ہیں۔ جب وہ عدل سے بہرہ اندوز ہوں۔ علم کی روشنی میں محفوظ ہوں اور تندرست و توانا ہوں۔ ایمان و بدن دونوں کی صحت ضروری ہے۔ عمرؓ بن عبدالعزیز نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے افلاس جہالت اور بیماری کے خلاف پوری قوت سے مختلف اسلامی ملکوں میں علم جہاد بلند فرمایا تھا۔

عبدالملک بن ابجیر یا ابن بجر کنانی ایک عالم و ماہر طبیب تھا۔ اور شہر اسکندریہ میں طب کا درس دیا کرتا تھا۔ عمرؓ کو جوانی کے زمانے میں اس کے ساتھ رہنے اور علاج کرانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ابن ابجر پر عمرؓ کا اثر پڑا۔ اور وہ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا خلافت مل جانے کے بعد عمرؓ نے ابن ابجر سے مدد لی اور اسلامی ممالک یعنی انطاکیہ اور حران وغیرہ میں علم طب کی نشر و اشاعت میں اس پر اعتماد کیا۔ اس طرح طب یونانی کی صنعت اسلامی شہروں میں منتقل ہوئی اور اسکندریہ میں تو خوب پھل پھولی۔ اور پورے عروج پر رہی عمرؓ کے حکم سے طب میں ماسرجویا طبیب بصری اسرائیلی نے ایک کتاب تصنیف کی اور اسے لوگوں میں پڑھایا جانے لگا[2]

---

[1]: تیسیر الوصول ج ۳ ص ۱۵۷

[2]: التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیہ ص ۴، تاریخ العرب المطول ص ۲۳۵

[3]: فجر الاسلام ص ۱۶۳

علماءؒ اور مدرسین

عمرؒ علماء کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اور ہر جگہ کے علماء کی خیر خبر رکھتے تھے۔ اور ان سے اپنی مجلس میں مدد لیتے تھے۔ اور اپنے حکام و قضاۃ پہ بھی۔ آپ نے ان میں سے بہت سے علماء کو اسلام اور علم کی تبلیغ کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔ اور جو علماءؒ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے بیت المال میں سے ان کے وظائف مقرر فرما دیے تھے۔ اور انہیں بھی وظائف ملتے تھے جو فقہ میں مشغول رہتے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے کو مساجد کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ہر ایک کو سو سو دینار مقررہ تاریخ پر بیت المال سے ملتے تھے۔ آپ نے حمص کے حاکم کو لکھ دیا تھا کہ قرآن و حدیث میں مشغول رہنے والے علماء کو غنی اور مالدار بنا دیا جائے تاکہ وہ ان پر معروف رہیں اور انہیں چھوڑیں نہیں۔

طلبا کے لئے اجرا وظائف

عمرؒ نے طلباء کے لئے بھی وظائف جاری کر دئے تھے اور جن حضرات کو تعلیم کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ ان میں ایک یزید بن حبیب بھی تھے۔ آپ نے انہیں قاضی اور معلم مقرر کر کے مصر بھیج دیا تھا۔ اور دیہاتیوں میں فقہ پھیلانے کے لئے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو مقرر فرمایا تھا اور دونوں کے وظیفے جاری کر دئے تھے۔ یزید نے تو اپنا عہدہ اور وظیفہ قبول کر لیا تھا۔ لیکن حارث نے دینی کام پر اجر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور عمرؒ نے انہیں لکھا: یزید نے جو کچھ کیا ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اور حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اندر حارث بن یمجد جیسے لوگ بہت کر دے اور امت میں ان جیسوں کی فراوانی ہو جائے۔

ضحاک بن مزاحم نے آپ کے زمانے میں عوام کے لئے مفت تعلیم دینے کی ایک درس گاہ کھول رکھی تھی۔

عمرؒ نے حکام کے لئے جائز فراخی کے دروازے کھول دئے تھے

عمرؒ نے اپنے حاکموں قاضیوں اور معلمین کے لئے فراخی کے دروازے کھول دئے تھے۔ اور اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے تنگ کر دئے تھے۔ ایک دن ابن ابی ذکریا نے آپ کے پاس آکر باتیں کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ بولے! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ اپنے ہر عامل کو تین سو دینار دیتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ بولے۔ امیرالمومنین! آپ مال کے

لہ: الطبقات ج ۵ ص ۲۱۰ ، تاریخ العرب المطول ص ۳۲۳

زیادہ حقدار ہیں۔ عمرؒ نے اپنے کرتے سے اپنا ہاتھ نکال کر فرمایا۔ ابن ابی زکریا! اس کی مال فے سے پرورش ہوئی ہے۔ اب میں اس کی طرف مال فے کا ایک پیسہ بھی نہیں لوٹاؤں گا۔ آپ کی نگاہ میں عامل کی تنخواہ کی یہ انتہائی حد نہ تھی۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ بھی تنخواہیں مقرر تھیں۔ حتیٰ کہ دس لاکھ سالانہ بھی تنخواہ دی گئی ہے۔[1]

مُعلّم اور طریقہ تعلیم

بچوں کو معلم و مودب دونوں کی ضرورت ہے

عمرؒ نے جس طرح اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف توجہ دی اسی طرح اس کی تربیت کی طرف بھی توجہ دی۔ اور علم میں مہارت اور استعداد پیدا کرنے کے بعد ان کے لئے ایک نیک مودب مقرر فرمایا۔ تاکہ انہیں تربیت دے اور مودب کو آپ نے اپنی ذاتی رائے اور تجربات کی ہدایات سے بھی بہرہ اندوز فرمایا۔

جب آپ نے اپنے غلام سہل کو اپنی اولاد کی تربیت کے لئے مقرر فرمایا تو اس سے کہا میں نے تم میں صلاحیت دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کی تربیت کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے دوسرے غلاموں اور خواص کو چھوڑ کر تم کو چُنا ہے۔

تادیب کا طریقہ

آپ نے سہل کو تربیت کا طریقہ بتایا۔ اور طریقہ تعلیم کی نشاندہی کی۔ اور ان سے کہا کہ بچوں سے سخت گفتگو کریں۔ تاکہ وہ اچھی طرح سے تمہاری طرف متوجہ رہیں۔ اور ان کے ساتھ زیادہ نہ رہیں تاکہ ان کی نگاہ میں تمہاری وقعت رہے انہیں کثرت سے ہنسنے سے روک دیں۔ تاکہ ان کے دل مردہ نہ ہوں۔ اور لہو و لعب سے انہیں نفرت دلائیں۔ کیونکہ باجوں کی مجلس میں شامل ہونے سے اور گانا سننے سے دلوں میں اس طرح نفاق پیدا ہوتا ہے جس طرح پانی سے گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک واقعی بات ہے اگر انسان اپنی خواہش پر مطلق العنان چھوڑ دیا جائے اور وہ ہوس کا مطیع بن جائے۔ اور اپنے نفس کو مہذب نہ بنائے تو وہ جانور ہے انسان نہیں۔ اس کی خوش طبعی اسے اعتدال سے ہٹا دے گی اور اس کا سرکش نفس اسے بدترین راستے اور اندوہناک اور بُرے طریقے کی طرف کھینچ کر لے جائے گا مسخرے

---

[1] ابن جوزی ص۲۷، ص۹۵، ص۱۰۳، ابن عبدالحکم ص۴۳، الکامل للمبرد ج۱ ص۲۶۸

کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ حق سے ہٹی ہوئی باتیں ڈھونڈتا ہے۔ تاکہ سامعین کو ان پر تعجب ہو۔ اور وہ نہیں اور یہی نفاق ہے۔

طریقہ تعلیم رہا طریقہ تعلیم، سو اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ بچے روزانہ قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھیں۔ صحیح صحیح مخرج ادا کریں۔ پھر دوسرے علم سیکھیں پھر چھٹی ہو جانے کے بعد تیر کمان لے کر ننگے پیر ہدف پر نشانہ درست کریں اور روزانہ کم از کم سات تیر ماریں۔ پھر دوپہر کو سونے کے لئے گھر آجائیں تاکہ سستا لیں[1]۔

علم کا لکھنا ضروری ہے پھر آپ یہ ضروری خیال کرتے تھے کہ علم لکھ لیا جائے تاکہ مضبوط و مستحکم ہو اور ضائع نہ ہو[2]۔

تعلیم کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اور اس طرح سے طالب دینی اور دنیوی علموں سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔ اور بقدرِ ضرورت بدن و روح دونوں کو غذا مل جاتی ہے اور باری باری قول و عمل کا موقع مل جاتا ہے۔ اور گانے بجانے اور گانے سننے کے سلسلہ میں عمرؓ کا خیال ایک تجربہ کار اور جاننے والے دانا شخص کے خیال کی طرح ہے۔

انتخابِ معلم عمرؓ نے معلم کو دین کو اور اخلاق کو سنوارنے کے لئے پھر فہم و رائے اور سخاوت اور کثرت فیاضی کو نکھارنے کے لئے منتخب کیا۔ آپ کے نزدیک عربی اور عجمی معلم میں کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن آپ عربی زبان کی خاطر ادب میں عربی معلم کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ وہ اہلِ زبان ہونے کی وجہ سے زبان کو بخوبی سمجھتا ہے۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے کچھ پارسی دیکھے جو علم نحو کا مطالعہ کر رہے تھے فرمایا: اگر تم زبان کی اصلاح کرو تو تمہیں اصلاح کرنی چاہیئے۔ کیونکہ سب سے پہلے تمہیں نے زبان بگاڑی ہے۔ نہ آپ اس سلسلے میں ان میں فرق کیا کرتے تھے جو اصل میں آزاد ہوں یا جو اصل میں غلام ہوں۔ آپ کے زمانے میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ان کی فضیلت شائع و ذائع تھی۔ آپ نے ان میں کچھ اربابِ دانش کو چن کر اقصائے ملک میں بھیج دیا تھا۔ ان میں سے اکثر نے انہیں شہروں کو وطن بنا لیا تھا۔ جہاں وہ بھیجے گئے تھے۔ اور وہیں فوت ہو گئے۔ اور اولاد چھوڑ گئے جو وہیں کی ہو گئی۔

---

[1] : ابن جوزی ص ۲۵۰

[2] : الفاضل للبرد ص ۹۶

زکوٰۃ

مغصوبہ جائیدادیں واپس دلانے کے بعد عمرؒ کی توجہ لوگوں میں مال بانٹنے کی طرف ہوئی[1] جب مالداروں نے دیکھا کہ آپ اس تقسیم کا اہتمام کرنے والے ہیں تو زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے میں پیشقدمی کرنے لگے۔ اور حکام ان کے مالوں میں سے بہت سارا مال لائے۔ تاکہ اسے حکام جہاں مناسب سمجھیں فقرا میں بانٹ دیں اور فطروں کے ادا کرنے میں بھی جن کے ذمے دار لوگ ہی ہوتے ہیں پیش قدمی کرنے لگے۔

جب سے مالدار اس زکوٰۃ کو لائے اسی وقت سے یہ زکوٰۃ بلا تاخیر مستحق فقرا پر صرف کی جانے لگی۔ کیونکہ اس زکوٰۃ سے کیا فائدہ جو وقت پر ناداروں کے ہاتھ میں نہ پہنچے کہ وہ اپنی حاجت روائی کریں۔ اگر حکام کو زکوٰۃ کا پیسہ تقسیم کرنے کے لیے منتظم بنایا جاتا تو انہیں اس میں تاخیر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر وہ تاخیر کرتے تو عمرؒ فوراً انہیں حکم فرماتے کہ فی الفور زکوٰۃ کی رقم بانٹ دی جائے۔ عیدالفطر کے موقع پر ایک آدمی بہت سی زکوٰۃ لایا اور عمرؒ کے مشورہ کے لیے اس نے روک لیا۔ عمرؒ نے اسے لکھا: اللہ کی قسم لوگوں نے مجھے اور تمہیں اپنے گمانوں کے مطابق نہیں پایا۔ آج تک تم نے اسے کیوں روک کر رکھا؟ میرا خط دیکھتے ہی فوراً اسے بانٹ دو۔

صدقہ فطر کی وصولیابی کا حکم

عمرؒ نے حکام کو لکھا تھا کہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے اپنے علاقہ کے لوگوں سے صدقہ فطر وصول کرو۔ یہ صدقہ نہ آزاد سے معاف کیا جائے نہ غلام سے۔ نہ چھوٹے سے نہ بڑے سے، نہ مرد سے اور نہ عورت سے ہر شخص سے گیہوں کا آدھا صاع اور کھجوروں کا ایک صاع وصول کیا جائے۔ یا اس کی قیمت آدھا درہم وصول کی جائے۔ کیونکہ آپ کے زمانے میں چیزیں سستی تھیں۔ لیکن ارباب عطیات صدقہ فطر ان کی طرف سے اور ان کے کارندوں کی طرف سے وصول کیا جائے۔

مالداروں کے ہر قبیلے سے دو شخص امین چنے جاتے تھے۔ جن کو حاکم چنتا تھا۔ وہ جمع کی ہوئی زکوٰۃ پر قبضہ کر کے اسے شہر لے جا کر شہریوں پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دیہاتی اس سے بے نیاز تھے اور ان میں افلاس نہیں پایا جاتا تھا جیسے کثیر الآباد شہروں میں افلاس پایا جاتا ہے۔

---

[1]: الخراج لابی یوسف ص ۱۶

عمرؓ کے عہد میں ہر شخص خوشحال تھا

بسا اوقات محصل شہروں اور قصبوں کے قبائل کے پاس جاتا اور وہاں کے مالداروں سے صدقہ وصول کرتا۔ اور ان کے فقراء کو جمع کر کے فوراً اسے تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چونکہ زکوٰۃ وصول کرنے میں اور اسے فی الفور بانٹنے میں اس کی بہترین نگرانی میں سخت دوڑ دھوپ کی جاتی تھی۔ اس لئے ہر شخص مالدار اور خوش حال نظر آتا تھا۔ بلکہ عمرؓ بن عبدالعزیز کے زمانے میں زکوٰۃ کی پہلی تقسیم ہی سے بہت سے لوگ خوشحال ہو گئے تھے۔ اور خوش حالی کے بعد انہیں زکوٰۃ نہیں دی جاتی تھی ایک فقیر کو ایک کا یا دو کا یا تین شخصوں کا صدقہ فطر مل جایا کرتا تھا۔ اور فقیر اپنی جگہ چھوڑنے کے بعد فقیر نہ رہتا تھا حتیٰ کہ اگلے سال جب فقراء کو پکارا جاتا تو پہلے سال کے فقراء نہیں پائے جاتے تھے۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: مجھے عمرؓ بن عبدالعزیز نے صدقہ وصول کرنے کے لئے افریقہ بھیجا۔ میں نے صدقہ وصول کر کے فقراء تلاش کئے۔ تو وہاں کوئی فقیر نہیں ملا کہ اسے صدقہ دیا جاتا عمرؓ نے لوگوں کو غنی بنا دیا تھا۔ آخر کار میں نے اس مال سے غلام خرید کر انہیں آزاد کر دیا اور ان کی ولاء مسلمانوں کو ملی۔

مدتِ خلافت

اولاد زید بن خطاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے: عمرؓ بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ محض ڈھائی سال (۳۰ ماہ) ہے۔ آپ فوت نہیں ہوئے حتیٰ کہ ایک شخص ہمارے پاس کثیر مال لے کر آتا اور کہتا۔ یہ مال مستحق فقراء میں بانٹ دو مگر اپنا مال لے کر ہی واپس جاتا۔ فقراء کو ڈھونڈتا مگر کوئی فقیر نہ ملتا اور مجبوراً اسے مال لے کر واپس لوٹنا پڑتا۔ عمرؓ نے لوگوں کو مالدار بنا دیا تھا۔[1] خالی صدقہ فطر ہی تمام مسلمانوں کے فقراء کو کافی ہوتا تھا

دعوتِ اسلام

عمرؓ بن عبدالعزیز کو یہی تڑپ تھی کہ مقدس اسلام زمین کے گوشے گوشے میں پھیل جائے اور لوگ صحیح راہ پا جائیں۔ جب کبھی بیت المال میں کمی آجاتی اور گھاٹا نظر آتا تو آپ زور و شور سے عاملوں کو لکھتے کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر ذمی مسلمان ہو جاتے اور حکام پھر بھی سرکاری خزانے کے خالی ہونے کی آپ کو شکایت لکھتے تو آپ اس شکایت پر انہیں ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ (لوگوں کا راہ پاجانا سرکاری خزانہ بھرنے سے کہیں بہتر ہے۔)

---

[1] ابن جوزی ص ۸۵، ۸۶، ابن عبدالحکم ص ۶۹، ص ۱۲۸، العقد الفرید ج ۴ ص ۴۳۶

مسلمان پر جزیہ نہیں

آپ نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا: تم نے مجھے لکھا ہے کہ شہر حیرۃ کے بہت سے یہودی عیسائی اور مجوسی مسلمان ہوگئے ہیں حالانکہ ان پر جزیہ کی بھاری رقم واجب ہے۔ تم نے مجھ سے ان سے جزیہ وصول کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ حق تعالٰے شانہٗ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کی دعوت دینے والا بنا کر بھیجا جزیہ وصول کرنے والا نہیں۔ اگر غیر مسلم اقوام کے لوگ مسلمان ہوجائیں تو ان کے مال میں صدقہ ہے جزیہ نہیں۔ اور اس کی میراث اس کے عزیزوں کے لئے ہے۔ اگر وہ ان میں سے ہو تو اس کی میراث مسلمانوں کے بیت المال میں جو ان میں مال بانٹتا ہے۔ جمع ہوگی۔ اور اگر وہ کوئی خیانت کرے گا تو اس کی طرف سے اس مال سے دیت دی جائے گی۔ والسلام۔[1]

عمرؓ کے دل میں دنیا کے مسلمان ہونے کی تڑپ

عدی بن ارطاۃ عمرؓ کو لکھتے ہیں: اما بعد بکثیر لوگ کثرت سے مسلمان ہوتے جارہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہیں خراج گھٹ نہ جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا: میں تمہارے خط کا مطلب سمجھ گیا۔ اللہ کی قسم! میری تو یہ آرزو ہے کہ تمام لوگ مسلمان ہوجائیں تاکہ ہم تم کسان بن جائیں اور اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائیں۔

آپ کے زمانے میں مصر کا خراج گھٹنے لگا۔ کیونکہ اکثر قبطی مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ تھا۔ اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں پچاس لاکھ تھا۔ پھر عمرؓ کے زمانے میں اور بھی گھٹ گیا۔ مصر کے حاکم نے چاہا کہ نو مسلم مصری سے جزیہ وصول کیا جائے۔ لیکن عمرؓ نے یہ بات نہیں مانی اور یہ لکھ کر بھیج دیا کہ اللہ تعالٰے نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا۔ جزیہ وصول کرنے والا نہیں۔

آپ کے نزدیک روئے زمین کے کسی مسلمان پر جزیہ نہیں۔ اور جو آباد زمین پانی نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہوجائے اس کا خراج نرمی اور سہولت سے وصول کیا جائے۔[2]

عمرؓ نے گھڑ دوڑ کے گھوڑوں کی طرح دس تابعی افریقہ بھیجے تاکہ وہ انہیں دینی تعلیم دیں اور جہاد کا شوق دلائیں۔ اور جب عمرؓ ان کو جہاد کے لئے بلائیں تو سر سے کفن باندھ کر جہاد

---

[1]: الخراج لابی یوسف صفحہ ۱۳۱

[2]: ابن جوزی صفحہ ۱۰ الدعوت الی الاسلام صفحہ ۹۳، الخراج لابی یوسف صفحہ ۸۶

کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہر تابعی اپنی جگہ پہ ایک بے مثال نمونہ تھا۔ اور ان کے ذمے محکمہ قضا اور فتوے بھی تھا۔ یہ تابعی اپنے ساتھ مغرب میں بہت سا علم لے گئے۔

افریقیہ میں بربر کی ایک جماعت تھی جو پہلے ہی سے موسیٰ بن نصیر کے ہاتھ پہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اس نے قرآن و فقہ ان عربوں سے سیکھ لیا تھا جو موسیٰ بن نصیر کے ساتھ تھے پھر جب ۱۰۰ھ میں افریقیہ کے متولی اسمعیل بن عبیداللہ بن ابی مہاجر ہوئے تو چونکہ آپ جنگ خراج اور صدقات کے رئیس تھے۔ اور اچھے اخلاق والے تھے۔ اس لئے تمام بربر مسلمان ہو گئے اور کوئی غیر مسلم نہیں رہا۔[1]

ان دس تابعین سے جن کو عمرؒ نے افریقیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا قبائل مانوس ہو گئے حتیٰ کہ اپنے اپنے حلقہ میں ہر ایک بااثر اور ممتاز ہو گیا۔ ان میں سے دو قبیلہ معافر کے تھے ایک تجیب کا تھا باقی مخزوم، جذام، تنوخ اور بنو عبدالدار کے تھے اور ایک انصار میں سے تھے۔ یہ سب عرب نہ تھے اور نہ سب آزاد ہی تھے۔ ان میں ایک غلام تھا اور ایک پارسی تھا۔ عمرؒ نے انھیں اس طرح مرتب فرمایا تھا۔ کہ وہ تمام لوگوں میں پھیل جائیں۔ انھیں میں سے اکثر وہ قبائل ہیں جو شروع فتح مصر میں مقیم ہو گئے تھے۔

معافر قبیلہ کے عبداللہ بن یزید اور موہب بن حی تھے۔ تجیب کے سعد بن مسعود تھے۔ مخزوم کے ابن ابی المہاجر قرشی تھے۔ جذام کے ابو ثمامہ بکر بن سوادہ تھے تنوخ کے ابوالجہم عبدالرحمٰن بن نافع تھے۔ انصار کے اسماعیل بن عبید تھے۔ غلام حیان بن ابی جبلہ اور فارس کے مطلق بن جاہان تھے اور دسویں ابو سعید جعثل تھے۔

ان لوگوں میں سے دو شخصوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک ہجرت تو تعلیم پھیلانے اور علم دینے کی۔ پھر جب اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئے تو جہاد کی نیت کر لی چنانچہ دوسری ہجرت جہاد کے لئے کی اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اور دونوں سمندروں میں ڈوب گئے۔ یہ دونوں ابو ثمامہ جذامی اور ابن عبید انصاری تھے۔ انہیں لوگ اللہ کے تاجر کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں علم و فقہ بھرپور تھا اور یہ صدق و معارفت سے لبریز تھے۔

---

[1] : فتوحات و اخبار مصر ص ٢١٣، ابن الاثیر ج ۵ ص ١٠، الدعوۃ الی الاسلام ص ٢٦٦ ظہر الاسلام ج ۱ ص ٢٩٣

ایک بیباک و نڈر عالم

سعد بن مسعود تجیبی علماء کے معلم تھے۔ اور اللہ کے دین میں کسی ملامت سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ نہ ان پر کسی بادشاہ کا رعب طاری ہوتا تھا۔ ایک دفعہ امیر ریان بن عبدالعزیز نے آدمی بھیج کر آپ کو اپنے گھر جو جامع فسطاط میں تھا بلوایا۔ آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور ریان کے آدمی سے کہہ دیا: میری ضرورت نہیں ہے کہ میں ان کے پاس جاؤں۔ بلکہ ضرورت ان کی ہے۔ انہیں آنا چاہیئے۔ جب ریان کو یہ خبر لگی تو غصہ میں طیش کھاتا ہوا آیا۔ اور آپ پر اظہارِ عتاب کرنے لگا۔ آپ نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ امیر کی اصلاح فرمائے۔ آپ نے مجھے داغدار بنانے کے لیئے بلایا تھا۔ مگر میں نے آپ کو سنوارنے کے لیئے بلایا ہے۔ پوچھا! کس طرح؟ فرمایا! جس نے آپ کو میری طرف آتا ہوا دیکھا اسی نے آپ کی تعریف کی اور کہا یہ علم و خیر کے طالب ہیں۔ اور اگر کوئی مجھے آپ کی طرف آتا ہوا دیکھتا تو کہتا یہ طالبِ دنیا ہے۔ اس سے میرے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ جاتا۔ یہ سُن کر ریان بولے۔ اللہ کی قسم! آپ نے میرے دل سے غیض و غضب نکال دیا۔ اور اسے نورانی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا دل اور علم روشن رکھے[1]۔

فاتحین مفتوحہ اقوام سے حسن معاملہ کر کے ان کے دل بھی فتح کر لیتے ہیں

یہ تو ایک قطعی فیصلہ تھا کہ اگر فاتحین غازی لوگوں سے اچھا معاملہ کریں گے تو اسلام میں لوگ جوق در جوق داخل ہو جائیں گے۔ اس طرح بہت سے سندھی امراء نے دعوت عمرؓ مان لی۔ جب آپ نے انہیں اسلام کو سینہ سے لگانے کی دعوت دی اور عربی نام اپنا لیئے[2]۔ ۹۹ھ میں خود شاہ ہند مسلمان ہو گیا۔ اور اس نے عمرؓ کی خدمت میں مشک عنبر اگربتیاں اور کافور بطور تحائف بھیجے[3]۔ اور دریائے سندھ کے ماوراء بہت سے ہندو عمرؓ کی دعوت سے مسلمان ہو گئے۔ جراح بن عبداللہ حکمی والیٔ خراسان نے اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں سخت دوڑ دھوپ کی۔ اور اس کے لئے خلوص سے کام کیا۔ اور تقریباً چار ہزار غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ پھر انہیں عمرؓ نے لکھا۔ دیکھو جو

---

[1]: تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۸۱، الدعوۃ الی الاسلام ص ۲۳۲

[2]: النجوم الزاہرہ ص ۲۴۰

[3]: ابن الاثیر ج ۵ ص ۲۴

تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے۔ اس سے جزیہ موقوف کر دو۔ اور اس سے لوگ اسلام کی طرف دوڑ پڑتے[1]۔ عمرؓ کے اندر دعوتِ اسلام کا جذبہ اس قدر کارفرما تھا کہ آپ نے شاہ روم لاؤن ثالث کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

عہدِ عمرؓ میں تالیف قلوب کی مد لوٹ آئی

گویا آپ کے زمانہ میں تالیف قلوب والوں کا بھی حق لوٹ آیا جب کہ فاروق اعظمؓ نے اسے ختم فرما دیا تھا۔ لہٰذا یہ ایک منظم حرکت کے ساتھ جس کی مقدار دینی دعوت کے پھیلانے اور قبول کرنے میں بہادری کا اظہار ہے دین کی طرف متوجہ ہونے کا ایک سبب بن گئی۔ مختلف اقوام نے خلیفہ کی اور اس کے حکام کی توجہ محبت و پیار سے ان کے دل پر چھا کر انہیں اسلام کی طرف لانے کی دیکھی۔ حتیٰ کہ عمرؓ نے دل پر چھانے کے لئے عطیات دینے میں اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے ایک عیسائی پادری کو اس کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کرنے کے لئے ایک ہزار دینار دیئے۔

عہدِ عمرؓ میں لوگ کثرت سے مسلمان ہوتے

باوجودیکہ نومسلموں کو عشر معاف نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس کام میں جسے آپ کے نانا عمرؓ بن خطاب لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ ایسی حیرت انگیز کامیابی حاصل کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ آخرکار بربر خطہ جماعتیں تیزی سے اسلام میں شامل ہونے لگیں[2]۔ جزیہ کا معاف کرنا۔ اور ذمیوں کے قبضے میں زمینیں رہنے دینا۔ اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ برتنا۔ یہ تمام ایسے محرکات تھے۔ جو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہونے کی رغبت دیتے تھے[2]۔

عہدِ عمرؓ میں ہر چیز میں ترقی ہی ترقی

عہدِ عمرؓ کے یہ کارنامے اسلامی دنیا کی وسعت میں پھیل گئے اور امت اسلامیہ کی برابر اصلاح ہوتی رہی۔ اور دینی اور دنیوی علم پھیلنے لگا۔ اور ترقی کی طرف قدم بڑھانے اور ملک کی اندرونی حالت فساد سے محفوظ رہی۔ اور اسلامی قوم کی گتھلی میں بقا کی استعداد پیدا ہو گئی

---

[1]: الدعوة الی الاسلام ص ۷۶

[2]: تاریخ الحرب المطول ص ۲۷۵

(گو پیاس کی حالت میں اسے سیراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور وہ روشنی میں سانس نہیں لے سکتی تھی) اور ترقی اور نشوونما کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اگر زمانہ سازگار ہو۔ اور عدالت عام ہو گئی۔ اور آزادی کا تنفس تیز ہو گیا اور روشنی کی کرنیں عالم حیات میں پھیل گئیں۔

سمعان کے گرجے

شام کے مختلف شہروں میں بہت سے متفرق گرجے ہیں جن میں سے ہر گرجے کو دیر سمعان کہا جاتا ہے۔ انطاکیہ کے بالائی حصے میں ایک گرجا ہے۔ اسی طرح معرۃ یا حمص کے متعلقات میں ایک گرجا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کوہ لکام اور کوہ اعلیٰ کے درمیان ہے۔ کوہ لبنان میں ایک گرجا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک گرجا غوطہ میں ہے[1]۔ لیکن عمری کہتے ہیں کہ غوطہ میں کوئی گرجا دیر سمعان کے نام سے نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ دمشق میں اس نام کا کوئی گرجا نہیں سنا گیا۔ اور دمشق کے نشیب میں اس کے سبزہ زار یا خشک علاقہ میں بھی اس نام کا کوئی گرجا نہیں[2]۔

ایک گرجے کی وجہ سے تمام گرجے زندہ ہیں

یہ تمام گرجے ممتاز و مشہور ہیں کیونکہ ان میں سے ایک گرجا کا ذکر عام ہے۔ اور وہ بڑا نامی گرامی ہے۔ اور اس کی شان عظمت والی ہے۔ اور وہ معرۃ یا حمص کا گرجا ہے۔ یہ پرانے زمانے سے لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ عصر بنی امیہ میں یہاں جریر بن عطیہ اموی شاعر آیا۔ عید کا دن تھا۔ پھر جب اس نے وہاں کے رہنے والوں کو گلوں میں مالا ڈالے ہوئے دیکھا۔ تو اسی گرجے میں اس نے کچھ اشعار کہے۔ لیکن گرجا حریر کے شعروں سے زیادہ نامی گرامی تھا۔ اور زمانہ میں اس کی شہرت بہت زیادہ تھی۔ حتیٰ کہ اس کے بعد بھی کہ مٹانے والے ہاتھوں نے اسے چھوا۔ اور اس کی دیواریں منہدم ہو گئیں۔ اور اس کی جگہ بھول بسر گئی یہ گرجا تاریخ میں بلند آواز رہا۔ اور اس کی شرف و عظمت سے آگے دوسرے گرجے نہیں بڑھے اگرچہ اس کے نشانات ابھی باقی ہیں۔ اور اس کی دیواروں کے خطوط اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

---

[1]: معجم البلدان ج ۴ ص ۱۶۹، غوطہ دمشق ص ۲۳۹

[2]: مسالک الابصار ج ۱ ص ۳۵۱

دیرِ سمعان کے ایک گرجا میں عمرؓ مدفون ہیں

سب سے بڑا شرف جو اس گرجے کو نصیب ہوا وہ یہ ہے کہ عمرؓ بن عبدالعزیز جو بنی امیہ کے پانچویں برحق خلیفہ یہاں بیمار ہوتے اور اسی کی سرزمین میں مدفون ہوئے یہاں آپ کی قبر مشہور و ممتاز رہی اور نشان والی رہی۔ جب کہ ہلاکت کا ہاتھ آپ کے خاندان کے دوسرے سلاطین و خلفاء کی قبروں تک پھیلا اور آپ کی قبر شاہراہِ عام پر واضح و ممتاز رہی حتیٰ کہ اس پر ایک ایسا زمانہ آیا جس نے اسے بالکل ہی مٹا ڈالا۔ یعنی جس وقت جہالت کا سیلاب آیا۔ اور وہ مشرقی عرب پر چھا گیا۔ اور اس سیلاب نے اپنی لپیٹ میں اس کے تمام کنارے لے لئے۔ اور جب حملہ آوروں کی فوج لوٹی اور اس نے اپنی راہ میں تمام آثار مٹا ڈالے اور تمام نامی گرامی نشانات ختم کر ڈالے تو یہ قبر اور گرجا بھی شہریوں اور دیہاتیوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور لوگ بھول گئے کہ وہ ایک مدت دراز تک یہاں آتے جاتے رہے ہیں۔ اور اس گرجا کا اس لئے احترام کرتے ہیں کہ یہاں عظیم المرتبت خلیفہ کی قبر ہے۔ خواہ اس خلیفہ کے ہاتھ سے انہیں بھلائی پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔[1]

قبرِ عمرؓ پر ایک شاعر

اس قبر پر جو نشان والی اور مشہور تھی بنو خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوتا ہے۔ اور ان الفاظ میں عمرؓ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہاتا ہے۔

امنا القبور فانھن اوانس
بجوار قبرک والدیار قبور

آپ کی قبر کے پڑوس میں قبریں مانوس ہیں اور گھر بھی قبریں ہی ہیں۔

جلت ازمیتہ فھم مصابہ
فالناس فیہ کلھم ماجور

آپ کی مصیبت بہت بڑی ہے۔ اس لئے اس کا صدمہ بھی عام ہے۔ اور اس میں لوگوں کو ثواب ہے۔

---

[1] : مروج الذہب ج۲ ص۱۱۹

اذت صنائعہ الیہ حیاتہ
فکانہ من نشرھا منشور

آپ کے احسانات و سلوک نے آپ کی زندگی لوٹا دی۔ گویا آپ اپنے احسانات کے پھیل جانے کی وجہ سے زندگی بعد الموت حاصل کر چکے ہیں۔

والناس ماتم علیہ واحد
فی کل دار رنۃ و زفیر

تمام لوگوں کا آپ پر ایک ہی ماتم ہے۔ اور ہر گھر میں چیخ و پکار اور آہیں ہیں۔

یثنی علیك لسان من لم تولہ
خیرا لانك بالثناء جدیر[1]

آپ کی وہ بھی تعریف کرتا ہے جس کے ساتھ آپ نے احسان نہیں کیا۔ کیونکہ آپ ثناء کے حقدار ہیں۔

موت کا خوف عمرؒ بن عبدالعزیز پر موت کا ڈر چھایا ہوا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اور آپ کے دل و دماغ پر پورے طور سے چھا گیا تھا۔ یہ خوف بچپن ہی سے آپ پر مسلط تھا۔ کم سنی میں جب کبھی آپ کو موت کا خیال آتا تھا تو آپ رونے لگتے تھے۔ ایک دن آپ کی والدہ کو معلوم ہوا کہ آپ رو رہے ہیں۔ رونے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ اس وقت آپ قرآن پاک کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ قرآن ہر سینے کو اس کے غم سے شفا دیتا ہے۔ آپ کی والدہ نے آدمی بھیج کر رونے کا سبب معلوم فرمایا: آپ نے کہا۔ مجھے موت یاد آگئی تھی۔ پھر جب خادم نے رونے کا سبب آپ کی والدہ کو بتایا تو والدہ بہت زیادہ رونے لگیں۔ آپ اس لئے روئیں کہ آپ کو بھی موت یاد آگئی۔ اور اس لئے بھی کہ آپکے بیٹے کو چھٹپنے میں ہی خیال آرہا ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے[2]۔

خوفِ موت کے دائرے کی دن بدن وسعت آپ کے دل میں خوفِ موت کا دائرہ دن بدن بڑا اور وسیع ہوتا چلا جا

---

[1]: الکامل للمبرد ج ۱ ص ۲۶۷

[2]: ابن جوزی ص ۔

رہا تھا۔ جوں جوں آپ سن رشد کی طرف قدم بڑھاتے جا رہے تھے۔ یہ دائرہ پھیلتا جا رہا تھا حالانکہ نوجوانوں کے دلوں میں اس قسم کے خیالات نہیں آیا کرتے۔ لیکن عمرؒ میں یہ دونوں متضاد باتیں ساتھ ساتھ جاری تھیں۔ اور دوش بدوش یا امتزاجی شکل میں چل رہی تھیں بلکہ موت کا ڈر اس وقت پورے شباب پر ہوتا ہے۔ اور زور پکڑ جاتا ہے جب عمرؒ کے پیروں کے نیچے دنیا آجاتی ہے۔ اور اس سے ہر طرح سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت آپ کے دل و دماغ میں کسی دوسری فکر کے آنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ نہ کبھی آپ کے دل میں فکرِ موت ہٹا تھا۔ کہ ایک وقت ہو اور دوسرے وقت نہ ہو۔

حجاز مصر اور شام کے واقعات سے تأثر

شاید وہ واقعات جو کم سنی میں آپ کو حجاز میں پیش آئے اور سن رشد میں مصر و شام میں نمودار ہوئے۔ آپ کی طبیعت پر گہرا اثر چھوڑ گئے تھے۔ اور فقہا کے قول کی اور واعظوں کے وعظ کی اور زاہدوں کے پند و نصائح کی بہ نسبت (جو آپ کو زنجیر کے حلقوں کی طرح ہر وقت گھیرے رہتے تھے۔ اس وقت بھی جب آپ گھٹنوں کے بل چلتے تھے اور اس وقت بھی جب آپ ہوشیار تھے۔ پھر جوان ہو کر مرد بن گئے تھے) آپ انھیں واقعات سے بہت زیادہ متاثر رہتے تھے۔ آپ کے سامنے خاندانی خلفاء میں عبدالملک ولید اور سلیمان فوت ہوئے۔ اور آپ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔ اور ان کے ناز پروردہ جسموں پر مٹی ڈالی۔ باوجودیکہ ولید سے آپ متنفر تھے۔ لیکن ان کی موت سے آپ نے عبرت حاصل کی اسی لئے آپ کثرت سے خلوت میں گھٹ گھٹ کر رویا کرتے تھے۔ اور آپ کی آہوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور فرمایا کرتے تھے: کیا ان تینوں کے (عبدالملک ولید اور سلیمان) بعد جن کو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹی میں چھپایا۔ اس دفعہ میری باری ہے؟

بھائی بیٹے اور غلام کی موتوں کے صدمے

آپ کے آگے آپ کے بھائی سہل فوت ہوئے۔ آپ کے غلام مزاحم جاں بحق ہوئے۔ اور آپ کے فرزند دلبند عبدالملک اللہ کو پیارے ہوئے۔ لیکن ان اندوہنا کی اور کمر توڑ دینے والے حادثات سے آپ دل شکستہ نہیں ہوئے۔ حالانکہ سخت سے سخت دل لوگ بھی ان سے شکستہ خاطر ہو جاتے تھے۔ اگرچہ ایک بار ہی سہی ان پر دائمی شکستگی اور ناامیدی چھا جاتی۔ لیکن ان موتوں کے مصائب نے عمرؒ کے دل میں موت کے متعلق ایمان میں اضافہ

کر دیا تھا اور آپ کو موت سے ایک قسم کی انسیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس کے ہر وقت منتظر رہنے لگے تھے[1]

عمرؓ کو دہرا خوف دامن گیر تھا

آپ کا خوف موت کے ساتھ ساتھ زندگی بعد الموت کے قرب پر بھی پرخلوص ایمان تھا۔ گویا قبر کے پل پر ایک رات سو کر جنت یا جہنم میں آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور جیسے اسلام نے ثواب و عذاب کی خبر دی ہے۔ عمرؓ کے دل میں ایک دوسرا انتہائی ہولناک خوف بھی موجود رہتا تھا۔ اور وہ زندگی بعد الموت کا اور حساب و کتاب کا خوف تھا۔ اکثر لوگوں کو محض موت ہی کے تصور سے پریشانی ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا زندگی بعد الموت پر اور حساب و کتاب پر ایمان نہیں ہوتا۔

آپ موت کے تصور سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے

اِس طرح موت برابر ان کے اندر نقارہ کوچ بجاتی رہتی تھی اور آپ اِس سے خوفزدہ اور لرزہ براندام رہتے تھے جب کبھی آپ کے کان میں لفظ موت کی بھنک پڑتی یا دل میں اس کا تصور آتا تو آپ لرز اٹھتے تھے اور آپ کا جوڑ جوڑ کانپ جاتا تھا۔

یہی حال حسن بصری کا رہتا تھا

آپ کے ہم عصروں میں آپ کی طرح موت سے ڈرنے والے دوسرے حسن بصری تھے۔ حتیٰ کہ یزید بن حوشب کہتے ہیں۔ میں نے عمرؓ بن عبدالعزیز اور حسن بصری سے زیادہ کسی کو موت سے ڈرنے والا نہیں پایا گویا آگ انہیں دونوں کے لئے پیدا کی گئی ہے[1]

موت سے انسیت

چونکہ قبل از موت عمرؓ نے اپنے نفس کو موت سے مانوس بنا لیا تھا اس لئے آپ کے لئے ہوس کا گرد و غبار جھاڑ دینا نہایت آسان تھا پھر چونکہ آپ مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے۔ اِس لئے آپ نے اپنی ذاتی لذتوں اور خواہشوں کو عوام کو خوش حال اور فارغ البال بنانے کے لئے اور ان کے حقوق انہیں دلوانے کے لئے قربان کر دیا تھا۔ اور یہ قربانیاں زیادہ سے زیادہ دی تھیں اور حصول سعادت کے لئے ایک ایسا پل بنا لیا تھا جس پر انتہائی صبر کرنے والے ہی خوشی خوشی چل سکتے ہیں۔ آپ پر سوتے جاگتے ہر وقت ایمان ہی مسلط رہتا تھا۔ اور آپ کو ثبات قدمی کی تلقین کرتا رہتا تھا۔

---

[1] ابن جوزی ص ۱۸۳، ص ۱۹۱

آپ کی نگاہ میں گوشۂ قبر محض ایک زیارت گاہ تھا جس کے بعد مرنے والا جلد ہی اپنے اصلی گھر (جنت یا جہنم) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

دنیا سے بیزاری اور آخرت سے محبت

جب عمرؓ نے دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال پھینکی اور وہ خواہشیں جڑ سے نکال پھینکیں جو دل کی مٹی سے پھلتی پھولتی ہیں اور عیش و آرام اور لذتوں پر خاک ڈال دی تو آپ کا نفس آپ کا تابعدار بن گیا۔ خواہ وہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اور وہ دینی آداب و اخلاق سے آراستہ ہو گیا اور آپ نے عزم بالجزم کر لیا کہ آپ جنت تک لے جانے والے راستہ پر ہی چلتے رہیں گے۔ حالانکہ جنت کے اور انسان کے درمیان ایک انتہائی دشوار گذار تنگ گھاٹی ہے جسے دبلا پتلا شخص ہی عبور کر سکتا ہے۔

قبروں کی زیارت بڑی عبرت ناک ہے

عمرؓ کے رنگ کو بدلنے والی اور آپ کے شباب کی تازگی کو ختم کر دینے والی قبرستان کی زیارت سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپ کے ساتھ ایک قبرستان گیا۔ آپ قبریں دیکھ کر رونے لگے پھر آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ ابوایوب! یہ میرے خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ گویا انہوں نے دنیا میں عیش و آرام کیا ہی نہ تھا؟ کیا تم انہیں بچھڑے ہوئے نہیں دیکھ رہے ہو؟ ان پر عبرتیں ہیں۔ اور ان پر بوسیدگی نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں اور سوتے سوتے ان کے جسموں میں کیڑے مکوڑے تیر گئے ہیں پھر آپ دیر تک روتے رہے۔ پھر ذرا ہوش میں آئے تو فرمایا! آؤ چلیں! میرے خیال میں ان سے بڑھ کر کسی کو آرام و راحت نصیب نہیں جو قبروں میں اتر کر اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

عمرؓ نے موت کے سلسلے میں اپنے کانوں سے اور دل سے واعظوں کے قول سُنے:

ایک دن رقاشی آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے کہا۔ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ بولے: امیر المومنین! آپ پہلے خلیفہ ہیں اور فوت ہو جائیں گے۔ فرمایا! اور فرمائیے! بولے! جنت اور جہنم کے درمیان کوئی اور گھر نہیں!

خود عمرؓ اپنے زمانے میں موت کے سب سے بڑے واعظ تھے۔ اور آپ کثرت سے بطور تمثیل یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

من کان حین تمس الشمس جبهته
او الغبار یخاف الشین والشعثا

وہ شخص کہ جب اس کے چہرے پر دھوپ یا غبار پڑتا تھا تو وہ تغیر و پراگندگی سے ڈرتا تھا۔

ویالف الظل کے تبقیٰ بشاشته
فسوف یسکن یوما راغما جدثا

اور اپنی رونق کو باقی رکھنے کے لیے سایہ کا عادی تھا۔ وہ عنقریب ایک دن قبر کی خاک میں لوٹ پوٹ ہوگا۔

آپ موت کے سلسلے میں ایک خطبہ میں فرماتے ہیں! لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے باپ ایک گناہ کی وجہ سے جنت سے نکلے۔ اور تمہارے رب نے توبہ پر جنت کا وعدہ فرمایا اس لیے تمہیں گناہوں سے ڈرنا چاہیئے۔ اور رب سے اچھی امید رکھنی چاہیئے۔ لوگو! دنیا کی ایک مقررہ مدت ہے جو ختم ہو جانے والی ہے اور دنیا ایک ایسی امید ہے جس میں روز بروز نقص پیدا ہو رہا ہے۔ اور تم کو دنیا کے علاوہ ایک دوسرے گھر میں پہنچنا ہے۔ اور تم ناک کی سیدھ میں موت کی طرف بلا ادھر ادھر جھکنے کے جا رہے ہو۔ اللہ اس پر رحم فرمائے جو اپنے معاملے پر غور و فکر کرتا رہے۔ اور اپنے نفس کا خیر خواہ بن جائے اور اپنے رب کے قانون کا پابند ہو جائے اور اپنے گناہ معاف کرالے۔ اور اپنا دل روشن کرلے[1]

عمرؓ موت کے ڈر سے ہمیشہ روتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ گریہ وزاری آپ کی ایک عادت ہو گئی تھی۔ اور آپ بلا کسی سبب کے رو پڑتے تھے۔ کیونکہ ذکی الحس ہو گئے تھے[2]

عمر اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہتے تھے اور شدت خوف سے مرغ بسمل کی طرح تڑپا کرتے تھے

جب فاطمہ بنت عبدالملک سے آپ کی عبادت کے بارے میں پوچھا گیا تو بولیں اللہ کی قسم! آپ کثرت سے نمازیں اور روزے نہ رکھتے تھے۔ لیکن میں نے عمر سے زیادہ اللہ سے

---

[1]: الکامل للمبرد ج ۲ ص ۳۱۷

[2]: صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۵

ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ جب آپ کو بستر پر اللہ تعالےٰ کا تصور آجاتا تو شدت خوف سے مرغِ بسمل کی طرح تڑپا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ہمیں محسوس ہوتا کہ شاید صبح تک آپ ختم ہو جائیں گے[1]

ایک پرسکون و پرارمان دل

آپ ان لوگوں میں جن کو موت کے فرطِ خوف کے باوجود اپنے کاموں میں مشغول رہے اور خوف ان کی کامیابی کے لئے مزید معاون ثابت ہو سب سے بہتر تھے حالانکہ آپ کا زمانہ خواب کی طرح گذر گیا آپ نے کبھی اپنی سرگرمیوں میں تاخیر یا سستی نہیں کی۔ اور اس ڈر نے آپ کو کبھی عوام کے خیر خواہی کے کاموں سے غافل نہیں بنایا۔ خواہ اپنے نفس کی خیر خواہی ساتھ ساتھ کی ہو۔ یا نفس کی خیر خواہی سے قبل عوام کی خیر خواہی پیشِ نظر رکھی ہو۔ جیسے عام طور پر عبادت گذار حضرات جن کے کاندھوں پر رعایا کا بوجھ نہیں ہوتا۔ موت کے ڈر سے سست ہو جایا کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کے لئے اور اس کے خوف سے لوگ گوشہ نشین ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن عمرؓ عوام میں گھسے رہے اور معاویہ ثانی کی طرح (جب لوگوں نے انہیں خلیفہ بنا دیا۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں تو بھاگ گئے) بھاگے نہیں۔ عمرؓ اپنے کندھوں پر بوجھ اٹھا کر چلتے ہی رہے بلکہ اور بوجھوں میں اضافہ ہی کرتے رہے۔ تاکہ بوجھ ان سے چھوٹنے نہ پائیں۔ اور جب آپ کسی فرض سے سبک دوش ہو جاتے تھے۔ تو بڑے شوق سے دوسرے فرائض ادا کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

نیک اغراض کی وجہ سے خلافت کی تمنا

آپ کو ولایت کی اس لئے تمنا ہوئی کہ شاندار کارنامے انجام دیں۔ اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائیں پھر جب آپ مدینہ کے حاکم بن گئے تو آپ کو اسی مقصد کے لئے خلافت کی خواہش ہوئی۔ لیکن آپ کو خبر تھی کہ خلافت آپ کے لئے ایک معیار ہے۔ پھر جب سریرآرائے خلافت ہو گئے تو اب آپ کو جنت کا شوق پیدا ہوا۔ یہ ان باطل امیدوں کا شوق نہ تھا جن سے پہلے نیک عمل نہ کئے گئے ہوں بلکہ آپ نے پوری پوری سرگرمی سے نیک کام انجام دئے اور اپنی دوڑ دھوپ انتہا تک پہنچا دی۔ حتیٰ کہ کوئی بھی خلافت کا آپ سے زیادہ حقدار نہیں رہا۔ اور جنت کے لئے لتنے نیک عمل کئے کہ لوگ سمجھنے لگے کہ آپ سے حساب ہی ساقط ہو گیا۔

---

[1]: ابن عبدالحکم ص ۴۷

گو مشکلات کے پہاڑ حائل ہوتے مگر آپ آگے ہی بڑھتے گئے

طولِ تفکرات کی وجہ سے آپ کے دل پر میل نہ آتا تھا۔ اور نہ آپ کا شعور بجھتا تھا۔ جیسا کہ عام طور پر شعراء و رؤساء کا شعور بجھ جاتا ہے جب وہ ملک یا ریاست حاصل کر لیتے ہیں اور گمان کر بیٹھتے ہیں کہ وہ ترقی کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور اپنی لذتوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی جہالت اور غرور کی وجہ سے دنیا کے مکر سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ لیکن آپ برابر چلتے ہوئے اور زندگی کے میدان میں حرکت کرتے ہوتے اور شاندار کارنامے انجام دیتے ہوئے مزید معالی و مفاخر کے شوقین رہے اور ان کے لئے دوڑ دھوپ کرتے رہے۔

تحصیل معالی مفاخر کا بے پناہ ذوق و شوق

خود آپ نے اپنی طبیعت کے شوق کا اور نفس کی سرکشی پر فخر کا اقرار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: میری طبیعت بڑی ذوق والی اور انتہائی شوقین ہے۔ جب کبھی وہ کسی چیز کو چکھ لیتی ہے تو اس سے بہتر کے لئے خواہش کرتی ہے۔ جب میں مدینہ میں بچوں کے ساتھ ایک بچہ تھا تو مجھے عربی علم ادب کا شوق ہوا۔ اور میں نے اپنی ضرورت کے مطابق علم ادب سیکھ لیا۔ پھر مجھے فاطمہ بنت عبد الملک سے نکاح کا شوق ہوا اور اللہ نے ان سے میرا نکاح کر دیا۔ پھر مجھے امارت کا شوق ہوا اور میں مدینہ کا امیر بنا دیا گیا۔ پھر میری طبیعت نے خلافت چاہی اور میں نے خلافت بھی پالی۔ پھر جب خلافت سے اوپر دنیا میں کوئی عزت کی چیز نہیں رہی تو مجھے آخرت میں اللہ کی نعمتوں کا شوق دامن گیر ہوا[1]۔

بقائے روح

عمرؓ نے غور کیا تو اپنی زندگی سرمدی وجود تک جاری رہتی ہوئی دیکھی۔ اگرچہ دنیوی زندگی ختم ہو جانے والی تھی۔ کیونکہ موت سے انسان ختم نہیں ہوتا بلکہ موت ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف انتقال ہے۔ جیسا کہ اسلام نے نقشہ کھینچا ہے اس لئے انسان فنا اور بقا کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ انسان کا جسم دائمی نہیں اور نہ جسم کا اس وقت سے زیادہ احترام ہے جب اس کے اجزاء پراگندہ ہو کر مٹی بن جائیں اور گوشت پوست و رگ و ریشہ کا نام و نشان بھی نہ رہے۔

۱: شذرات الذہب ج۱ ص۱۲۰، ابن جوزی ص۶۶، وفیات الاعیان ج۱ ص۹۱

لہٰذا وہ استحکامات جو قبروں کے لئے فراہم کئے جاتے ہیں اور وہ نشانات جو قبروں میں بطور شواہد کے نصب کئے جاتے ہیں۔ عمرؓ کی نگاہ میں محض باطل اوہام کی اور سایہ کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی نگاہ میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کے اندر اندر لاش مٹی بن جاتی ہے پھر وہاں کاشت کی جاسکتی ہے۔ تاکہ لوگ زمین سے فائدہ اٹھائیں اور لوگوں سے اپنی ذاتوں پر فخر کی عادت چھوٹے اور فنا کے ڈر سے دنیا سے متنفر ہو جائیں۔

زمین سے محبت چونکہ عمرؓ کے سامنے کثرت سے موت کا تصور رہتا تھا۔ اس لئے جب کبھی آپ کسی جگہ ٹھہرتے تو خیال فرمایا کرتے تھے کہ موت کے بغیر چارا نہیں۔ اور موت ہٹنے والی نہیں۔ اور اس زمین سے آپ کو محبت ہو جایا کرتی تھی اور چاہا کرتے تھے کہ موت یہیں واقع ہو جاتے اور اسی جگہ مجھے دفن کر دیا جاتے۔ سب سے پہلے آپ کو مدینہ کی سرزمین سے محبت ہوتی اور ایک زمانہ تک آپ کو اس کی محبت ستاتی رہی اور بار بار اسی کے لئے تڑپتے رہے اور تمنا کرتے رہے کہ کاش پھر مدینہ لوٹ جاتا تاکہ ان لوگوں میں شامل نہ ہوتا جن کو مدینہ نکال باہر کرتا ہے۔ پھر جب آپ نے اسکندریہ دیکھا تو اس سے مانوس ہو گئے۔ اور یہ خواہش ہوئی کہ اسکندریہ ہی رہتے اور اسی میں فوت ہوتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے زہرۃ بن معبد سے جو مسلمانوں میں بڑے قابل عالم تھے اور افریقہ کی بری و بحری جنگ کے غازیوں میں سے ایک غازی تھے۔ پوچھا! تم کہاں رہتے ہو؟ بولے! فسطاط میں۔ فرمایا! ارے طیبہ کو چھوڑ کر؟ پوچھا! یہاں طیبہ کہاں ہے؟ بولے! یہاں کا طیبہ اسکندریہ ہے۔ کیونکہ وہاں تم دنیا اور آخرت دونوں جمع کر سکتے ہو۔ بلاشبہ اس کی آب و ہوا اچھی ہے۔ اس کی قسم! جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے۔ میری تمنا ہے کہ میری قبر اسکندریہ میں ہوتی! آخر کار عمرؓ کے سمجھانے سے زہرہ اسکندریہ میں آٹھہرے۔ اور فسطاط کی رہائش چھوڑ بیٹھے[1]

عمرؓ کی خلافت کو ابھی تقریباً ۲۹ ماہ ہی گذرے تھے کہ آپ شمال کی طرف گئے۔ اور دیرسمعان میں ایک قریہ کے گوشہ میں جو معرۃ النعمان کی جانب ہے اور حلب[2] کی طرف مائل ہے اور نقرۃ کہلاتا ہے۔ اُتر گئے۔ آپ وہاں اس لئے ٹھہر گئے کہ ذرا آرام فرمائیں۔ کیونکہ آپ کے جسم

---

[1]: ریاض النفوس ج ۱ صفحہ ۹۰

[2]: مسالک الابصار ج ۱ صفحہ ۳۵۱

میں ایک بیماری پیدا ہو گئی تھی۔ گویا وہ زہر ہلاہل کا اثر تھا جو تیزی سے آپ کے جسم میں اندر ہی اندر رینگ رہا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ بیماری ظاہر ہو گئی اور آپ اس میں بیس دن مبتلا رہے۔ پھر نو دن تک بیماری کا زور رہا[۱]

ابتدائے بیماری

اس کی ابتدا خناصرہ میں ہوئی جب آپ کو موت کا یقین ہو گیا تو آپ نے اُٹھ کر خطبہ میں فرمایا: یقین مانو کل کے دن اسی کے لیے سلامتی ہے جو اللہ سے ڈرتا رہا اور فانی کے بدلے باقی کو، قلیل کے بدلہ کثیر کو اور خوف کے بدلہ سلامتی کو خریدتا رہا۔ پھر جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو چادر کے پلو سے منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگے اور تمام حاضرین کو بھی خوب رلایا۔ پھر آپ منبر سے اُتر آئے یہ آپ کا آخری خطبہ[۲] تھا۔ اس کے بعد آپ منبر پر نہیں دیکھے گئے۔ حتیٰ کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے[۳] جب کہ آپ نے آرام کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی اور آپ فوراً دیر سمعان میں اُتر گئے۔

کس نے زہر دلوایا

عمرؓ تاڑ گئے کہ یہ یزید بن عبدالملک نے خادم کے ہاتھ سے زہر دلوایا ہے۔ یا آپ سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے خادم کو بلا کر پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا کہ میں انگوٹھے کے پوسے پر زہر لایا تھا اور میں نے چپکے سے اسے پانی میں ملا دیا تھا۔ اور وہ پانی آپ کو پلا دیا تھا۔ عمرؓ نے خادم کو چھوڑ دیا۔

عمرؓ مرض موت میں خارجیوں کی مانند تھے

یہ ایک عجیب بات ہے کہ آپ کو خارجیوں سے نفرت تھی مگر موت پر مرض میں خارجیوں کی طرح بن گئے تھے جب کسی خارجی کے نیزہ گھونپا جاتا تھا تو وہ نیزہ گھونپنے والے کی طرف یہ کہہ کر "اے رب! میں نے تیرے پاس آنے کی جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے" کہہ کر گھوڑا بڑھا دیتا تھا تاکہ نیزہ میں پرو دیا جائے اور جلدی سے اللہ کے پاس پہنچ جائے۔

عمرؓ سے کہا گیا کہ علاج کرائیے فرمایا، اگر میری دوا کان چھونے میں ہوتی تو میں کان بھی نہ

۱: العقد الفرید ج۲ صفحہ ۱۴۴

۲: طبری ج۹ صفحہ ۳۲۲

۳: اغانی ج۲ صفحہ ۱۵۲

چوتھا۔ میرا رب کیا ہی اچھا ہے۔ جس کے پاس میں جا رہا ہوں[1]

آپ نے ایک ولی اللہ سے اپنی موت کی دعا کرائی

عمرؓ نے پہلے سے آدمی بھیج کر عبداللہ بن زکریا کو بلوا لیا تھا۔ آپ شام کے اولیاء کرام میں سے تھے۔ عمرؓ نے ان سے فرمایا۔ جانتے ہو میں نے تم کو کیوں بلوایا ہے؟ بولے: نہیں، فرمایا: ایک کام کے لیے بلوایا ہے۔ لیکن وہ جب بتاؤں گا جب تم قسم کھا لو گے۔ بولے: آپ جو کچھ فرمائیں گے میں ضرور اس کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا: قسم کھاؤ انہوں نے قسم کھائی۔ فرمایا: اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے اپنے پاس بلالے۔ عبداللہ بولے: تب تو میں مسلمانوں کے لیے آپ کے پاس بدترین آنے والا ہوں۔ اور امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن ہوں۔ عمرؓ بولے: ہائیں! آپ نے تو قسم کھالی ہے۔ آخر کار عبداللہ کو اپنی قسم پوری کرنی پڑی۔ اور آپ نے عمرؓ کی موت کی دعا مانگی۔ لیکن دعا مانگتے ہوتے ہچکچائے۔ اور با دلِ نخواستہ ان الفاظ میں دعا مانگی۔ "اے اللہ آپ کے بعد مجھے بھی زندہ نہ رکھو۔ اس حال میں کہ عبداللہ یہ دعا مانگ رہے تھے اتنے میں عمرؓ کا ایک چھوٹا بچہ آگیا۔ آپ نے عبداللہ سے کہا۔ اور اس کے لیے بھی۔ کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے۔ عبداللہ نے اس بچہ کے لیے بھی دعا مانگی۔ پھر عبداللہ بھی عمرؓ کے بعد جلد ہی مر گئے۔ پھر وہ بچہ بھی فوت ہو گیا[2]

آپ نے مرض الموت میں کمبل کا نیم آستینوں کا کرتہ پہن لیا

جب عمرؓ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو آپ نے بالوں کا ایک کرتا جو گھٹنوں تک پہنچتا تھا اور کہنیوں تک اس کی آستینیں تھیں[3] پہن لیا۔ آپ سے کہا بھی گیا کہ یہ کرتہ اتار دیں۔ لیکن آپ نے اس کے اتارنے سے انکار کر دیا۔ اسی کرتے میں آپ کا پسینہ جذب ہوتا رہا۔ آپ نے بیت المال کے دوسرے کپڑے پہننے مناسب نہیں سمجھے۔ یہ آپ کی زندگی میں واحد مثال ہے کہ آپ نے میلا کرتا نہیں اتارا کیونکہ آپ کو زندگی کی امید نہ تھی دنیا کی نئی چیز کی تو اسے ضرورت ہوتی ہے جسے دنیا میں زندگی کی امید ہو۔

---

[1] : تاریخ مختصر الدول ص۱۱۵

[2] : ابن عبدالحکم ص۱۱۵

[3] : ابن جوزی ص۱۲۸

آپ نے گرجے میں پادری سے اپنی قبر کی جگہ ایک سال کے لئے خریدی

جب آپ کی بیماری زور پکڑ گئی تو گرجا کا پادری آپ کے پاس ہدیہ کے طور پر گرجا کے درختوں کے نئے پھل لایا۔ عمرؒ نے یہ پھل بعد مسرت قبول کر لیئے اور حکم فرمایا کہ پادری کو ان کی قیمت ادا کر دی جائے۔ لیکن پادری نے قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن برابر اسے سمجھاتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ اور اس نے قیمت لے لی۔ پھر عمرؒ نے پادری سے کہا۔ میں اس بیماری سے بچنے والا نہیں ایسا سُن کر پادری کو رنج ہوا اور آپ کی محبت و عظمت کی وجہ سے اس کے دل میں رقت پیدا ہوئی اور رونے لگا پھر عمرؒ نے اس سے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ اِس گرجے کی زمین کے تم مالک ہو لہٰذا اس زمین میں ایک سال کے لئے مجھے میری قبر کی جگہ بیچ دو۔ جب ایک سال گذر جائے تو اس زمین میں تم ہل چلا سکتے ہو اور اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ غرضیکہ ایک قبر کی جگہ کا سودا ہو گیا۔ لیکن قیمت معلوم نہ ہو سکی کہ آیا دو دینار قیمت ٹھہرائی گئی یا چالیس دینار۔[1]

اِسلام نے مسلمانوں کو مابعد الموت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور اس زندگی کے بعد خلد میں ثواب و عذاب مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کے جسم مقدس و محترم ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ۔ اسی لئے عبرت سے قطع نظر کر کے قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ قبروں کی طرف رجحان اور مردوں کی لاشوں کا احترام دلوں کو دنیوی زندگی کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ عمرؒ نے یہی خیال کرتے ہوئے پادری سے کہہ دیا تھا کہ سال بعد گذر جانے کے بعد اس جگہ ہل چلایا جا سکتا ہے۔ جہاں میری قبر ہے۔

ترکہ میں ملا ہوا مال

جب لوگوں کو عمرؒ کی بیماری کا حال معلوم ہوا تو آپ کی عیادت کے لئے دوڑے دوڑے آئے۔ ان میں آپ کا ایک ہم مثل بھی آیا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: موت مجھ پر چھا گئی ہے۔ اور میں نے اس کے لئے کچھ بھی تیاری نہیں کی۔ اے اللہ! تجھے خوب معلوم ہے۔ اگر میرے سامنے دو کام ہوتے۔ ایک تیری رضا ہوتی اور دوسری میری خواہش ہوتی تو میں اپنی خواہش پر تیری رضا ہی کو ترجیح دیتا۔ لہٰذا اے اللہ!

---

[1] قبر کی قیمت میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ متعین ہے کہ قیمت دو دینار اور پچاس دینار کے درمیان ٹھہری تھی۔ مسالک الابصار ج ۱ ص ۳۵۳، معجم البلدان ج ۴، ص ۱۴۵

مجھے معاف فرما دے۔

مسلمۃ کی ایک استدعا پھر آپ کے پاس مسلمۃ بن عبدالملک آئے آپ شدتِ تکلیف سے بے ہوش تھے۔ دیکھنے والے یہی فیصلہ کرتے تھے کہ اب آپ بچنے والے نہیں۔ مسلمۃ نے دیکھا کہ آپ کھجوروں کے پتوں کے گدے پر ہیں اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے۔ اور آپ کے اوپر ایک چادر ہے۔ ہونٹ خشک ہیں اور رنگ بدلا ہوا ہے۔ پھر آپ کو ہوش آجاتا ہے۔ اور اپنے پاس مسلمۃ کو دیکھ کر وصیت کرتے ہیں کہ میری موت کے وقت موجود رہنا۔ اور تم ہی مجھے غسل دینا اور میرے جنازے کے ساتھ ساتھ قبر تک جانا اور دوسروں کی مدد سے اپنے ہاتھوں سے مجھے میری لحد میں اتار دینا مسلمۃ نے موقع غنیمت سمجھ کر التماس کی۔ امیرالمومنین! آپ نے اس مال سے اپنی اولاد کے منہ خالی کر دئے۔ اور آپ نے انہیں نادار چھوڑ دیا۔ ان کے پاس کچھ نہیں۔ کاش! آپ ان کے بارے میں مجھے اور اپنے خاندان کے ہم مثلوں کو وصیت فرما دیتے! عمرؒ خاموش ہو گئے مسلمۃ نے کہا: امیرالمومنین! کیا آپ وصیت نہیں فرماتے؟ عمرؒ بولے! کس چیز کی وصیت کروں؟ اللہ کی قسم! میرے پاس مال نہیں۔ مسلمۃ نے کہا۔ یہ لیجئے۔ ایک لاکھ دینار ہیں آپ یہ دینار جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ عمرؒ بولے مسلمۃ! میری بات مانو گے؟ مسلمۃ نے کہا ہاں فرمایا: یہ انہیں واپس دے دو جن پر ظلم کر کے ان سے لئے گئے ہیں! یہ کہہ کر عمرؒ بے ہوش ہو گئے۔ مسلمۃ نے رو کر کہا: اے عمرؒ! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ واقعی آپ نے ہم سنگ دلوں کو نرم بنا دیا اور صلحا میں اپنی وجہ سے ہمارا ذکرِ خیر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔[1]

عمرؒ کا مسلمۃ کو جواب عمرؒ اس قماش کے نہ تھے کہ اپنے بیٹوں کو مال کا وارث بنانے پر راضی ہو جاتے۔ کیونکہ نیک اولاد کو ورثے میں ملنے والے مال کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ نیک اولاد کو ترکہ کا مال بگاڑ دیتا ہے جب وہ اس کی وارث بنتی ہے۔ پھر جب دوسری بار آپ کو ہوش آتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔ پھر مسلمۃ سے فرماتے ہیں۔ مسلمۃ! کیا تم مجھے فقیری سے ڈراتے ہو؟ تمہارا یہ کہنا کہ میں نے اس مال سے اپنے بچوں کے منہ خالی کر دئے۔ سو اللہ کی قسم! میں نے ان کو ان کے واجبی حقوق سے

---

[1] : الکامل للمبرد ج ۱ ص ۱۴۰

محروم نہیں رکھا۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ میں ان کے بارے میں وصیت کر جاتا تو دیکھو میرا کارساز اللہ ہے۔ جس نے آسمان سے کتاب اتاری اور وہی صلحا کا دوست ہوتا ہے۔ دیکھو میری اولاد دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ متقی ہے تو اللہ اسے غیب سے رزق عطا فرمائے گا۔ یا مجرم و گنہگار ہے تو میری یہ شان نہیں کہ میں اللہ کے گناہ پر اسے قوی بناؤں۔

بیمار پرسی کے لئے آنے والوں میں آپ کی اولاد بھی فی الفور دیر سمعان پہنچ گئی چودہ میں سے گیارہ بچے باقی رہ گئے تھے جو سب آپ کے پاس اس وقت موجود تھے آپ نے ان سب کو بلا کر دیکھا پھر فرمایا: ان جوانوں پر میری جان قربان ہو۔ میں انہیں بلا مال کے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میرے بچو! میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں اور تمہارے لئے خیر کثیر چھوڑ کر جا رہا ہوں تم کسی مسلمان اور کسی ذمی کے پاس سے نہیں گزرو گے مگر وہ تمہارے حقوق کا ضرور خیال رکھیں گے میرے بچو! تمہارا باپ دو حال سے خالی نہیں یا تو تم مالدار بن جاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے یا محتاج بن جاؤ اور تمہارا باپ جنت میں جائے۔ اس لئے تمہارا فقیر ہونا اور تمہارے باپ کا جنت میں جانا بہت اچھی بات ہے۔ اچھا اٹھو! اللہ تعالٰے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ جاؤ حق تعالٰے شانہٗ تمہیں روزی پہنچائے گا[1]

یزید کو وصیت

رجاء بن حیوۃ آپ کے پاس آتے ہیں۔ اور آپ سے فرماتے ہیں امیرالمومنین یزید بن عبدالملک کو وصیت لکھ دیجئے۔ اور انہیں اللہ کا خوف یاد دلایئے فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے یزید مروان کی اولاد میں سے ہیں۔ رجا کہتے ہیں؟ آپ کی تحریر ان پر حجت رہے گی اور یہ اللہ کے پاس آپ کے لئے عذر بھی ثابت ہوگی۔ آخر کار آپ نے اپنے کاتب کو حکم فرمایا کہ انہیں یہ لکھ دیا جائے۔ اما بعد۔ یزید غفلت کے وقت گرنے سے بچنا۔ کیونکہ لغزش معاف نہیں کی جاتی۔ اور انسان لوٹنے پر بھی قادر نہیں۔ اور انہیں نہ چھوڑنا جو تمہارے مداح نہ ہوں اور ان کی طرف نہ پلٹنا جو تمہارا عذر قبول نہ کریں۔ والسلام!

اس وقت جب آپ یہ وصیت لکھوا رہے تھے۔ تمام وادی آہ و بکا سے گونج رہی تھی اور سب زار و قطار رو رہے تھے۔

پھر عمرؓ پر بے ہوشی کا غلبہ ہو گیا۔ اور خطرناک حالت ہو گئی اور آپ کے پاس فقط فاطمہ

---

[1] : ابن عبدالحکم ص۱۲۶، ص۱۲۷

آپ کی رفیقہ حیات اور ان کے بھائی مسلمۃ اور آپ کا خادم مرثد ہی رہ گئے۔ آپ رات بھر بیدار رہے۔ اور آپ کے ساتھ یہ تیمار دار بھی بیدار رہے۔ پھر صبح کو یہ حضرات آپ سے علیحدہ ہو گئے۔

فرشتوں کی آمد فاطمہ فرماتی ہیں رات بھر آپ کی بے چینی میں شدت رہی اور ہم بھی آپ کی وجہ سے رات بھر جاگتے رہے۔ صبح کو میں نے مرثد کو حکم کیا مرثد! امیرالمومنین کے پاس رہنا۔ اگر آپ کو کوئی ضرورت پیش آئی تو تو ان کے پاس ہو گا۔ پھر ہم چلے گئے اور لیٹ گئے رات بھر کے جاگے ہوئے تھے نیند آگئی۔ پھر جب دن چڑھ گیا تو میں بیدار ہوئی اور آپ کے پاس گئی میں نے دیکھا مرثد کمرے کے باہر سویا ہوا ہے میں نے اسے جگایا اور پوچھا مرثد! تو کمرے سے باہر کیوں آیا۔ بولا: امیرالمومنین ہی نے مجھے باہر بھیج دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ مرثد! میرے کمرہ سے ہٹ جا۔ اللہ کی قسم! مجھے ایک مخلوق نظر آرہی ہے جس کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اور وہ انسان ہیں نہ جن۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ نکلتے وقت میں نے سنا آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

"تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الارض و لا فسادا والعاقبة للمتقين"

"یعنی یہ آخرت کا گھر ہے ہم اسے انہیں دیں گے جو دنیا میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے تھے اور اچھا انجام پارساؤں کا ہے"

پھر فاطمہ لپک کر کمرے میں جاتی ہیں۔ دیکھتی ہیں آپ کی آنکھیں بند ہیں اور آپ اللہ کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔ اور داغِ مفارقت دے چکے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حق تعالےٰ شانہ آپ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین [1]۔

چالیس سال کی عمر عمرؒ کو موت کی جلدی تھی اکثر بنو امیہ کی عمریں تھوڑی ہوتی ہیں۔ جب عمرؒ بن عبدالعزیز کی عمر چالیس سال کے قریب پہنچ گئی تو آپ کے خیال فرمالیا۔ میں اپنی عمر کی حد کو پہنچ گیا ہوں۔ عمرؒ کی نگاہ میں یہ عمر (چالیس سال کی عمر) وہ حد تھی جس کے بعد اسراف کرنے اور گناہ کرنے کے لئے انسان کے پاس قابلِ قبول عذر باقی

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۲۹

نہیں رہتا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی حجت چالیس سالہ شخص کے لئے مکمل ہو جاتی ہے۔ پھر آپ اسی مدت میں یا قریب قریب اس مدت کے سدھار گئے۔ جب کہ آپ نے عذر کی مدت پوری کر لی اور گناہ معاف کرالئے یعنی موت کے وقت آپ چالیس کے یا اس سے کچھ کم تھے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں آپ جیسی پارسائی ستر یا اسی سال کے بوڑھوں کے لئے بھی سخت دشوار ہے۔ اور آپ جیسے کارنامے اس بادشاہ کے لئے بھی انتہائی مشکل ہیں جنہوں نے سالہا سال حکومت کی ہو۔[1]

تاریخ وفات حسرت آیات

آپ کی وفات حسرت آیات جمعہ کے دن صحیح قول کی رُو سے پوری چالیس سال کی عمر میں ۲۰ یا ۲۴ یا ۲۵ رجب المرجب ۱۰۱ھ میں واقع ہوئی۔[2] آپ کی نماز جنازہ آپ کے بعد آنے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک نے پڑھائی۔ انھیں پر زہر دینے کا الزام تھا۔ کہتے ہیں انہوں نے عمرؒ کے خادم سے چپکے سے آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ خادم نے اپنے انگوٹھے کے ناخن پر زہر رکھ لیا تھا۔ پھر جب عمرؒ نے پانی مانگا تو اس نے پانی کے گلاس میں انگوٹھا ڈال کر زہر ملا دیا تھا اور وہی پانی آپ کو پلا دیا۔ اور آپ ایسے بیمار پڑے کہ پھر سنبھل نہ سکے اور زہر کے اثر سے جلدی ہی فوت ہو گئے۔[3]

اگر عمرؒ پر زہر سبقت نہ کرتا تو اللہ کا خوف سبقت کر جاتا۔ کیونکہ آپ کی بیماری کی جڑ کثرتِ خوف پر مبنی تھی۔ اور کثرتِ خوفِ موت کے لئے زہر سے زیادہ قوی سبب ہے[4] آپ کا زمانہ خلافت[5] دو سال اور چند ماہ ہے۔ اسی قلیل زمانے کو لوگ بہت لمبا زمانہ شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس مبارک زمانہ میں لوگوں کو کثرت خیر و برکت سے واسطہ رہا اور انصاف کی ہمہ گیری رہی۔

جب تصورِ خوفِ خدا انسان کی عادت بن جائے تو یہ تصور روحانی انقلاب اور حقیقی بیماری کا سبب بن سکتا ہے پھر اس تصور کے ساتھ نہ ختم ہونے والا فکر اور حساب و کتاب کا اور عافیت کا شعور بھی مل جائے تو یہ لامحالہ تیزی سے موت کو کھینچ لائے گا۔ اور تھوڑی عمر کے انسان کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

قبروں کا اکھاڑا جانا

عمرؒ گرجے میں اس جگہ دفن کئے گئے۔ جو آپ نے خریدلی[6] تھی۔ آپ کی قبر پر مسلمہ بن عبدالملک کھڑے ہو کر فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! آپ کی طبیعت میں نرمی ہی رہی۔ حتیٰ کہ آپ نے یہ قبر دیکھ لی۔ آپ کے دفن پر ایک سال گذر جاتا ہے اور بادری کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ کی قبر برابر کر دے اور زمین میں کاشت کرنے لگے لیکن اس نے آپ کی قبر نہیں

---

[1] العقد الفرید ج۲ صفحہ ۲۳۲ ، تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۱۲ [2] جامع السیرت صفحہ ۳۶۲ [3] العقد الفرید ج۲ صفحہ ۲۳۴، صفحہ ۴۳۹
[4] طبقات الشعرانی ج۱ صفحہ ۳۳ [5] صفۃ الصفوہ ج۲ صفحہ ۲۷ ، شذرات الذہب ج۱ صفحہ ۲۱۹
[6] العقد الفرید ج۲ صفحہ ۲۳۶

اکھاڑی اور اس کی زمین سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اسے باقی رہنے دیا۔ اس کی حفاظت کی اور اسے راستے پر شاندار بنا دیا۔ تاکہ لوگ آپ کی قبر پر آکے آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اور آپ پر ترس کھاتے رہیں اور آپ کی خاک کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتے رہیں۔ گویا آپ کی قبر پر آنے والے جریر کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

لو کنت املک والاقدار غالبة ۔۔۔ تاتی رواحا وتبیتا و تبتکر

تقدیریں غالب ہیں اور انسان کو صبح و شام اور سوتے سوتے آگھیرتی ہیں۔ اگر مجھے قدرت ہوتی تو

رودت عن عمر الخیرات مصرعه ۔۔۔ بدیر سمعان لکن یغلب القدر

میں دیر سمعان میں عمرؓ کو دفن نہ ہونے دیتا۔ لیکن تقدیر غالب آجاتی ہے۔

لوگوں کو عمرؓ سے کیوں محبت ہے

عمرؓ سے لوگوں کو محبت ہے کہ آپ لوگوں کی مملوکہ چیزوں سے دستبردار رہے اور کسی کو آپ سے تکلیف نہیں پہنچی۔ اور جوں جوں کسی زاہد میں یہ خوبی بڑھتی ہے۔ اسی نسبت سے لوگوں میں اس کی محبت بڑھتی ہے پھر جب وہ مرجاتا ہے تو لوگ ہمیشہ اس کے لئے دُعائے خیر ہی کیا کرتے ہیں اور جب لوگوں کے سامنے کوئی پیٹو آتا ہے۔ جو کثرت سے کھاکھا کرتے کرتا رہتا ہے۔ تو وہ اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے اور اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا ادب سے نام بھی نہیں لیتے۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ لوگوں نے سلاطین و خلفاء کی قبروں کی زیارت چھوڑ رکھی ہے۔ لیکن عمرؓ بن عبدالعزیز کی قبر کی زیارت پر فریفتہ ہیں۔

ہشام بن الغاز فرماتے ہیں: ہم دابق سے واپس آتے ہوئے ایک منزل میں ٹھہرے جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو ہمیں خبر کئے بغیر مکحول غائب ہوگئے۔ جب ہم بہت دور نکل گئے تو ہم نے انہیں آتے ہوئے دیکھا۔ پوچھا: کہاں گئے تھے؟ بولے۔ میں عمر بن عبدالعزیز کی قبر پر گیا تھا۔ وہ اس منزل سے پانچ میل دُور ہے۔ اور آپ کے لئے دُعا کرکے آیا ہوں پھر فرمایا۔ اگر میں اس پر بلا استثنا کے قسم کھاؤں تو کھا سکتا ہوں۔ کہ آپ کے ہم عصروں میں اللہ سے ڈرنے والا عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص نہ تھا۔ اور نہ دنیا میں آپ سے زیادہ کوئی پارسا تھا۔[1]

لوگوں کے دلوں میں عمرؓ کی عظمت

عمرو بن العاص نے مرض الموت میں وصیت کی کہ انہیں مقطم میں فج والے گوشہ میں دفن کیا جائے۔ اس زمانہ میں یہ جگہ حجاز کو جانے والوں کی گذرگاہ تھی۔ اور آپ کی تمنا تھی کہ ہر گذرنے والا آپ کے لئے دُعائے خیر کرے۔[2]

لیکن عمرؓ عام گذرگاہ سے چھپ گئے کیونکہ آپ کی قبر عام و خاص گذرگاہوں سے دُور واقع ہے۔ آپ کثیر التواضع تھے اسی لئے آپ نے گرجا کی زمین میں دفن ہونے کو ترجیح دی لیکن لوگوں کے دلوں میں آپ کی بڑی عظمت تھی کیونکہ آپ نے مسلمانوں اور ذمیوں کے دلوں میں محبت پیدا کی تھی۔ اور خود آپ کے اور ذمیوں کے درمیان بھی صفائی تھی۔ گو متعصب حضرات آپ پر ذمیوں کے حق میں شدت اور سنگدلی کا الزام لگاتے ہیں۔

---

[1] ابن جوزی ص ۲۹۱ [2] فتوح واخبار مصر ص ۱۵۳ کتاب میں لفظ فج ہی ہے غالباً یہ لفظ حج ہے المدخل الشرقی لمصر ص ۵۸

قبرِ عمر گرجا میں کب تک باقی رہی

یہ قبر گرجا کی زمین میں ایک طویل مدت تک باقی رہی اور تمام ممتاز قبروں میں اسی کا زیادہ تر احترام کیا جاتا تھا۔ اور لوگ اسی پر آ آ کر آپ کے لئے دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ دوسری قبروں کی پرواہ بھی نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عباسیہ حکومت نیزوں کی نوکوں پر جو زندہ بنو امیہ کے کلیجوں میں گھونپ دئیے گئے تھے قائم ہوئی پھر یہ حد سے زیادہ جوشِ انتقام آتا تھا کہ اس نے انتقام لینے والوں کو حدِ رفتار دنیا سے بھی نکال دیا۔ چونکہ اہلِ شام بنو امیہ سے تنگ آ گئے تھے اس لئے وہ بھی اس جوشِ انتقام میں برابر کے حصہ دار رہے۔ اور بنو عباس کے ساتھ مل کر انہوں نے بھی بنو امیہ کی قبریں اکھاڑیں۔ یہ ان کی لاشیں نکال کر ان کے کوڑے مارتے تھے پھر انہیں نذرِ آتش کر دیتے تھے۔

فلسطین میں ابو فطرس میں بنو امیہ کو ذبح کرتے کے بعد عباسیوں نے دمشق، قنسرین، دابق اور رصافہ میں ان لوگوں کے آثار مٹانے کے سلسلے میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا۔ اور دابق میں سلیمان بن عبدالملک کی لاش قبر سے نکال کر اس کے کوڑے مارے اور رصافہ میں ہشام بن عبدالملک کی لاش قبر سے نکالی۔ یہ لاش بگڑی نہ تھی پھر اسے جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کی قبر کو کسی نے چھیڑا بھی نہیں مشہور قبروں کے نشانات فنا ہو گئے لیکن عمرؒ کی قبر سر اٹھائے بلند کر کے کھڑی رہی لوگ اس کا حسبِ سابق احترام کرتے رہے اور یہ برابر مشہور و ممتاز رہی۔ عمرؒ کے زہد و تقویٰ اور عدل نے ان کی ہڈیوں کو نجات دی اور ان کی خاک کو محفوظ رکھا۔

پھر یہ قبر سالہا سال تک باقی رہی اور مقیم و مسافر سب اس کی زیارت کے لئے آتے جاتے رہے۔ پھر مشرق پر جو تباہی آئی تھی آئی اور یہ گرجا بھی مٹ گیا اور قبر کے نشانات بھی نذرِ فنا ہو گئے۔ اور لوگوں کا آنا جانا بند ہو گیا اور سمعان کے تمام گرجے باقی اور محفوظ رہے مگر قبر والا گرجا بالکل فنا ہو گیا۔ اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

جیسے عمرؒ کی ہڈیاں اپنی جگہ قائم رہیں۔ اسی طرح آپ کا نام دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہر زمانے میں عام و باقی رہا۔ اور آپ کا احترام لوگوں کے دلوں سے محو نہیں ہوا حتیٰ کہ عباسیوں کے دلوں سے بھی۔

عمرؒ کے بارے میں مہدی کا خیال

مہدی جب ملک شام آئے اور آپ کے ساتھ کاتب عبیداللہ اشعری بھی تھے۔ تو فرماتے ہیں۔ ابو عبیداللہ! بنو امیہ تین باتوں میں ہم سے سبقت لے گئے۔ بولے! امیرالمومنین! وہ کون کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا! اس گھر (مسجدِ دمشق) میں میری نگاہ میں روئے زمین پر اس کے مثل کوئی مسجد نہیں۔ اور ان کے غلام بڑے شریف اور وفادار تھے ایسے ہمارے غلام نہیں۔ اور عمر بن عبدالعزیز میں اللہ کی قسم ہم میں ان کے مثل کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔[2]

منصور کو ایک نصیحت

خلیفہ منصور نے عبدالرحمن بن قاسم بن محمد سے کہا۔ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ بولے۔ اپنے مشاہدات میں سے یا سنی سنائی باتوں [illegible]

[illegible] چھوڑ کر فوت ہوئے اور ۱۷ دینار چھوڑے۔ پانچ دینار کفن پر خرچ کئے اور دو دینار کی قبر خریدی اور دس دینار بچے اور ہر بچہ کو ایک ایک دینار بھی نہیں ملا۔

ایک سبق آموز روایت

اور ہشام بن عبدالملک فوت ہوئے تو ان کا ترکہ ان کی اولاد پر تقسیم ہوا تو ہر ایک کو دس دس لاکھ

۱ے تاریخ العرب المطول ص ۲۸۹، ۳۵۷ ۔ ۲ے تاریخ مدینہ دمشق ج ۲ صفحہ ۱۵ ۔

ملے پھر میں نے عمرؒ کی اولاد میں ایک شخص کو دیکھا اس نے اللہ کی راہ میں ایک دن میں سو گھوڑے دیئے اور اولادِ ہشام میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اسے صدقہ دیا کرتے تھے[1]۔ ان فی ذالک لعبرت لاولی ابصار۔

زمانے سے عبرت حکومت امویہ تقریباً سو سال تک قائم رہی۔ یہ مدت اس دولت کے عیش کی انتہائی مدت ہے جس کے امراء حق سے انحراف کی کیچڑ میں لتھڑے ہوں بظاہر اس حکومت کو اس مدت سے زیادہ زندہ رہنا لائق تھا کیونکہ اس زمانے میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں لیکن کسی حکومت کے بقاو زوال کے لئے فتوحات کو معیار قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ یہ فتوحات گاڑی کے پہیوں کے اس سخت اور قوی دھکے کی وجہ سے جاری رہیں جو غزوات نبویہ سے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکروں سے معرضِ وجود میں آیا تھا پھر بعد میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے شاندار کارناموں سے بھی۔

بنی امیہ کی حکومت کی زندگی کا معیار بنی امیہ کی حکومت کی زندگی کے لئے صحیح معیار مفتوحہ ممالک میں ان کی اندرونی سیاست ہے اور خاص طور سے عراق و حجاز میں ان کا سلوک ہے اور اس سے بھی زیادہ خاص طور سے صحابہ اور اہلِ بیت کے ساتھ سلوک ہے۔ افسوس ان کی فتوحات ان کے مسلک و سیاست میں ان کی شفیع ثابت نہیں ہوئیں اگرچہ بعض اوقات اس حکومت میں خیر و عدل کی بھی نوبتیں آئیں لیکن اس کے باوجود بھی حکومت میں زوال آگیا کیونکہ اس میں خیر و عدل کے کام عام نہ تھے۔ اور نہ برابر جاری رہتے تھے۔ یہ خلیفہ کے مزاج کے مطابق آتے تھے۔ اور اس کے زوال کے ساتھ ساتھ زائل ہو جاتے تھے اور پھر حسب سابق واہیات و بیہودہ کام آجاتے تھے۔ اس سبب کی وجہ سے اور دیگر اسباب کی وجہ سے بھی اس حکومت کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہوئی۔ یہ راہِ حق سے انحراف کی کیچڑ میں لتھڑنے والے امراء کی حکومت کی انتہائی مدت ہے۔

عہد بنی امیہ میں مٹی زرخیز تھی بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں عربی قوم اپنی صلاحیت و تقویٰ سے بالکل ہی محروم نہیں ہوئی تھی نہ علم و فقہ کو کھو بیٹھی تھی اور نہ دوڑ دھوپ کو اور سرگرمی عمل و کسب کو۔ اگرچہ اکثر فقہاء و علماء خلفاء سے الگ اور کنارہ کش رہتے تھے۔ جب امراء کے شاندار محل زوال و انحلال کی طرف اپنے قدم بڑھا رہے تھے تو قوم اپنے زندہ رہنے کے لئے اور نئے دین کے سائے میں باقی رہنے کے لئے سرگرم عمل تھی۔ اموی خاندان کے وہی افراد سلامت رہے تھے جو اربابِ زہد کی راہوں پر گامزن تھے۔ اور جو فقہاء اور علماء کی لڑی میں منسلک ہو گئے تھے۔ وہ معہ اپنی اولاد کے زندہ و صالح قوم کے ساتھ جو باطل سے برسرِ پیکار تھی اور شہید ہو رہی تھی اور علم و فقہ سیکھ رہی تھی جو بقیدِ حیات تھے حتیٰ کہ اس کے وجود پر انحلال چھا گیا اور اس کے حاصل کئے ہوئے ملک پر زوال آگیا قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقی ولا تظلمون فتیلا۔

الغرض بنو امیہ کا بدر بے مثال اور مسلمانوں کے محبوب خلیفہ کو گوشۂ تربت نے سینے سے لگا لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں سے اوجھل ہو گیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---

[1] ابن جوزی ص ۲۹۶